حقوق الطبع محفوظۃ

قال رسول اللہ

انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ وعترتی اہل بیتی

تحفہ

شیعیان آل محمد خصوصاً واعظین و مبلغین کیلئے نادر و نایاب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

المجلد الثانی من تفسیر

انوار النجف فی اسرار المصحف

مصنفہ

حجۃ الاسلام، علامہ حسین بخش جاڑا۔

بانی و سرپرست و مدرس اعلیٰ جامعہ علمیہ باب النجف جاڑا

ضلع ڈیرہ اسماعیل خان

سید کلب عباس عفی عنہ

یہ کتاب مرحوم اکبر علی اے پیتھا
کی ایصال ثواب کیلئے تحفہ ہے لہذا قارئین سے گز
کہ ایک سورۃ فاتحہ سے مرحوم کی روح کو شاد
وفات ۱۲ جمادی الاول ۱۳۹۷ھ — 1977

غلط نامہ تفسیر انوار النجف دوسری جلد

غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر
اورکات	درکات	۸	۱۹	پید	پیدا	۲۶	۲۲
متروکہ عبارت	مقابلہ میں ایسا ہے جیسا کہ ایک قطرۂ آب سات سمندروں کے مقابلہ میں	۱۰	۱۰	سزاوار ہو تو	سزاوار تو	۲۷	۴
				ثابت ہو	ثابت ہوا	〃	۶
باب کی اتر	باب کی اکثر	۱۰	۱۰	قریاب	قربات	۳۳	9
لاصلوٰۃ الکتاب	لاصلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب	۱۲	۱۰	نشست وافتراق	تشتت وافتراق	〃	۱۰
جب جیسا	جیسا	۱۴	۲۰	روحِ انسانیت	اوجِ انسانیت	〃	۱۲
کیا	کہا	۱۶	۶	جرح	حرج	۳۴	۳
سورہ	سُوَر	۱۷	۱۴	شبہات	شبیہات	〃	۵
انور	انوار	〃	۲۲	نَبِیِّکَ	بِنَبِیِّکَ	۳۶	۵
کوتوترک	کوترک	۱۹	۱۸	رَحِیْمًا	یا وَحِیْمًا	〃	۱۹
حداسماء	حدِ احصاء	۲۱	۲	〃	〃	۳۷	۱۰
منوالوں	متوالوں	〃	۱۲	اور ہل چل	اور وہ ہل چل	۴۳	۶
سورہ قرآنیہ	سُوَرِ قرآنیہ	۲۲	۷	ہر ایک	یہ ایک	〃	۱۷
توفیقی	توقیفی	〃	۱۹	نوازانیت	نورانیت	۴۹	۵
ان کی چیز ہے	ان کی جزو ہے	〃	〃	روکتی ہے	روکتی ہے فحشاء	۵۱	۶
دلیل میں حبس	دلیل حبس	۲۳	۱۳	بہیمیہ	بہیمیہ	〃	۴
نکل	نقل	〃	۲۱	ابواب جنّت	ابواب جہنّم	۵۳	۶
حب جیسا	جیسا	۲۵	۷	جو خیب (ترجمہ قرآن)	جو عیب	۵۶	۳
افادیت کے	افادیت کی	۲۶	۱۲	اعتقاد یقین	اعتقاد و یقین	۶۰	۲۰/۲۱

maablib.org

غلط	صحیح	صفحہ	سطر
زور زر	زور وزر	۶۴	۸
علل کو اسباب	علل و اسباب	۶۶	۶
جبر پہ ہر گز	جبر پہ ہرگز	۷۶	۱۰
عداوتِ علی ہے	عداوتِ علی ہی	۷۸	۱۱
مجبو	مجبور	〃	۱۶
نفع مند ہوتی (ترجمہ قرآن)	نفع مند ہوئی	۷۹	۱
تک تمام	تک کے تمام	۸۳	۱۹
باعث نہ ہو	باعث ہو	۸۴	۱
سوا اختیار	شوءِ اختیار	۸۸	۱۹
فَسَوَّهُنَّ (ترآن)	فَسَوَّيٰهُنَّ	۸۹	۲
ثُمَّ کی لفظ	ثُمَّ اور بعد کی لفظیں	۹۱	۷
تو کہاں	تو یہاں	۹۲	۱
پیچھے ہوں	پیچھے ہو	۹۴	۴
کہا گیا	کیا گیا	۹۶	۱۰
عالم انور	عالمِ انوار	۹۷	۱
یہی وجہ	یہی وجہ ہے کہ	۹۸	۶
کیا جاں	کیا حال ہوگا	۱۰۳	۶
زدا راہ	زدارہ	۱۰۳	۱۰
نیچے	پہنچے	۱۰۶	۱۱
اعزاض	اعراض	۱۰۸	۱۱
بنا بریں	بنابریں	۱۰۸	۲۱
جذبات کو	جذبات کو قابو کرنا	۱۱۰	۱۸
یہ کہتے	یہ کہتے ہیں	〃	۲۳
خدا	حاکم	۱۱۱	۷
کریں	کریں اور	〃	۱۷
قیام کا کل	قیام کل	۱۱۲	۸
روایات	روایات میں	۱۱۳	۷
خمسہ تجبار	مجمسہ تجبار	۱۱۴	۱
کل	کل عمر	〃	۱۲
بعثت متا	بعثت متاعِ ایمان	۱۱۵	۱۰
کافی	کافی دوائی	۱۱۵	۱۷
اور نواء	اور لواء	۱۱۸	۲
اقرار کیا	اقرار کیا اَیُّهَا النَّاس	〃	۳
یہودیوں لی	یہودیوں کی	〃	۱۲
تورات لی	تورات کی	〃	۱۹
قبیلوں	قبطیوں	۱۲۴	۸
لڑکیوں	لڑکیوں کا زندہ رکھنا	〃	۲۲
تم نے (ترجمہ قرآن)	تم نے گوسالہ	۱۲۶	۳
حضرت موسیٰ سے	حضرت موسیٰ	〃	۱۴
دیواروں پر	دیواروں میں	۱۲۷	۱
دیتا تھی	دیتا تھا	۱۳۳	۱
بوجہ اس کے (ترجمہ قرآن)	بوجہ اس کے کہ	۱۳۵	۵
بتا یا لیا	بتایا گیا	۱۳۶	۲
دیا تھا	دیا تھا یا	۱۳۶	۳
ضرت موسیٰ	حضرت موسیٰ	〃	۸
فرمایا عی	فرمایا علی	۱۳۷	۴
زمین فسادی (ترجمہ قرآن)	زمین میں فسادی	۱۳۷	۵
پیچھے والے (ترجمہ قرآن)	پیچھے والوں	۱۴۰	۱۰
ہبائی	صابی	۱۴۳	۹
مال دار کو دینگا	مال دار کو دینے کا	۱۴۶	۱۴
عورت کے	عورت سے	〃	۱۷
علم کیا	علم حاصل کیا	۱۴۶	۲۱
تو اس	حبس	۱۴۷	۶
اور کہتے (ترجمہ قرآن)	تو کہتے	۱۴۸	۸
وہ خود	تو وہ خود	۱۴۹	۱
بیان فرمایا	بیان فرمانا	〃	۸
رشتہ داروں	رشتہ داریوں	۱۵۱	۲۳
دنیا کے	دنیا کے لالچی	۱۵۲	۲
منصف	متصف	〃	۶

maablib.org

غلط	صحیح	صفحہ	سطر
دو اَخَذْنَا (قرآن)	وَ اِذْ اَخَذْنَا	۱۵۳	۴
خدا ہوتی	خدا حاصل ہوتی	۱۵۶	۸
پہنچایا	پہنایا	۱۵۷	۱۶
نماز میں سے	نماز سے	۱۵۹	۲۱
حاویہ	ھاویہ	۱۶۳	۹
ملائیں	ملائیں گے	"	۱۰
باوجود (حاشیہ)	باجُود	۱۶۵	۳
نبوت	کہ نبوت	۱۶۶	۲۰
انکار کیا کرے	انکار کرے	۱۶۸	۱
پس	پس ندا آئے گی	۱۶۸	۹
تمہارا (ترجمہ قرآن)	تمہارا ایمان	۱۶۹	۴
جھیلوں	جھمیلوں	۱۷۰	۵
صوایا	صوریا	۱۷۲	۸، ۹
دردِل	اَور دِل	۱۷۲	۱۴
صوایا	صوریا	۱۷۳	۳، ۴
دوسرے کے دوست	دوسرے کے دوست کو دوست	"	۷
سلیمان کے	سلیمان نے	۱۷۴	۱۹
والے	والا	۱۷۶	۱۷
مَلَکَ (قرآن)	مَالَکَ	۱۹۱	۳
صوایا	صوریا	۱۹۲	۱۴
محمد	محمدی کا	۱۹۵	۲۱
نضرین	نفرین	۲۰۰	۱۷
اَولا (ترجمہ قرآن)	اَولاد	۲۰۲	۶
ابتدائے	ابتلائے	۲۰۳	۱۰
سپرد اور ذبح	سپرد کر کے ذبح	۲۰۳	۱۱
سہ طریق	سہ طریق کو استعمال	۲۰۶	۳
پیدا کر کے	پیدا کر کے اس نے	"	۴
آکر میر	آکر میری	"	۶

غلط	صحیح	صفحہ	سطر
صریح	صریح حکم ہے	۲۰۷	۱۵
لی کتب	کی کتب	۲۰۸	۱
گیری نے	گیری کے	"	۱۶
بڑی (ترجمہ قرآن)	بُری	۲۱۰	۴
پاس	پاس سے	۲۱۱	۱۸
لیکن	لیکن ان لوگوں	"	۱۹
اَپنی	اپنی اولاد کا بالعموم نام لیا تھا تو	۲۱۱	۲۰
دُعا	دعا میں محتاط رویہ اختیار فرماتے ہوئے	۲۱۱	۲۱
مخصوص	مخصوص کیا ہے	۲۱۱	۲۲
دعائیں	دعا میں	"	۲۲
کفار کی	کفار کی مکہ میں زیادتی فساد کی موجب ہوگی	"	۲۳
ضرت	حضرت	۲۱۲	۷
ثابت	و ثابت رکھ	"	۱۶
اسمٰعیل	اسمٰعیل ہیں اور اسمٰعیل کی	"	۱۸
آتا ہے	آتا تھا۔	۲۱۳	۱۰
بیت	بیت عتیق	۲۱۵	۴
اس بار	اس بار ذرا زیادہ	۲۱۵	۸
کیونکہ صبر ہی	کیونکہ تیری	"	۱۲
گرمی	نَری	"	۱۳
اسے زمین کعبہ	اے زمین کعبہ	"	۱۵
اختیار کرو	اختیار کر	"	۱۶
اعتراض	اعراض	"	۲۰
تمام (ترجمہ قرآن)	تُم	۲۱۸	۷
باطل	باطل دینوں	"	۱۹
سوایا	صوریا	۲۱۸	۲۳
عقائد	عقائدِ فاسدہ	۲۱۹	۱۶
باص پرستی	باطل پرستی	"	۱۹

غلط	صحیح	صفحہ	سطر
عربی	طوبیٰ	۲۱۹	۲۳
نظریہ	نظریہ یہ تھا	۲۲۰	۵
یعقوب	یعقوب واسحٰق	"	۷
پیچھے (ترجمہ قرآن)	پیچھے ہٹتا	۲۲۲	۷
مسلمانوں کو	مسلمانوں کو درغلانے	۲۲۴	۵
مسلمان بھی	مسلمان بھائی	"	۱۳
پڑھتے تھے	(پڑھتے تھے کہ کعبہ کیطرف بھی منہ)	"	۱۸
کرتا تھا	کرتا ہے	"	۲۳
شرف	کو شرف	۲۲۵	۱
کو	کو نمازوں	۲۲۹	۱۴
ان لی	ان کی	۲۳۰	۷
علی ہیں	علی ہے	۲۳۴	۱۲، ۱۵
اور (ترجمہ قرآن)	اور مالوں کی کمی	"	۴
پہچان لے	پہچان لے گا	۲۳۵	۱۵
تمام	تمام حالات کے	۲۳۷	۲۲
بے دردی کا رونا	بے دردی کا رونا ہے	۲۳۸	۱۱
امام اَبُو	امام اَبُو حنیفہ	۲۳۹	۱۴
اَضْلَعُوا (قرآن)	اَضْلَعُوْا	۲۴۱	۷
اصلاح (ترجمہ قرآن)	اصلاح کی اور حق ظاہر	"	۷
شائر	شعائر	۲۴۲	۳
کرتے	کرے	"	۹
ساتھ	درمیان	۲۴۶	۲
آگ (ترجمہ قرآن)	مگر آگ	۲۵۰	۶
	لَیْسَ الْبِرَ	۲۵۱	۱۰
قصد	قصد وارادہ	۲۵۷	۱۷
استحبات	استحباب	۲۵۹	۸
صرف تقدیر	صرف تقادیر	۲۶۱	۱۶
اس ماں	اس ماہ	۲۶۵	۱۷
اس لئے	اس کے	۲۶۸	۱۸
میں	میں روزہ نہ رکھیں	۲۷۶	۴
موسیٰ	موسیٰ ۶ ماہِ رمضان	۲۷۷	۱۹
افطار ناجائز ہے	افطار کرنا جائز ہے	۲۸۰	۱۹
فعل	فعلِ بد پر	۲۸۱	۹
کے	کے برابر ہے	۲۸۲	۲
اس بیٹ میں	اس چیز میں	۲۸۴	۱۸
کہا ہے کہ	کہا کہ	۲۸۵	۱۹
اس سے	اس نے	۲۸۷	۲۱
	اَفْطَرْتُ	۲۸۸	۷

نوٹ: تفسیر انوار النجف کی تیسری جلد کی کتابت شروع ہوگئی ہے۔ ان شاء اللہ مستقبل قریب میں منظر عام پر آئے گی

(منیجر مکتبہ باب النجف جارچہ)
ضلع ڈیرہ اسمٰعیل خان

★ تحفہ برائے ایصال ثواب
یہ کتاب مرحوم اکبر علی اے پیتھ
کی ایصال ثواب کیلئے تحفہ ہے لہذا قارئین سے گزر
کہ ایک سورۃ فاتحہ سے مرحوم کی روح کو شاد
وفات ۱۲ جمادی الاول ۱۳۹۷ھ — 1977ء

معذرت

جلد ثانی کی تفسیر ۲۵ ربیع الثانی ۱۳۷۹ھ شب چہارشنبہ مطابق ۲۸ اکتوبر ۱۹۵۹ء کو شروع ہوئی اور اوائل ماہ رمضان ۷۹ھ میں پارہ ۲ کے ساتویں رکوع کی تفسیر پر پہنچ کر اس جلد کو ختم کیا گیا۔ اثناء میں نہایت خوشگوار حالات اور غیر معمولی مشکلات کا سامنا ہوا لیکن "ہمت مرداں مدد خدا" کے اصول پر دامن توکل کو ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ معاون کا دستیاب نہ ہو سکنا سوہان روح رہا۔ لیکن تائید ایزدی نے شامل حال ہو کر قدم قدم پر یاس و ناامیدی کے تباہ کن گرداب سے بال بال محفوظ رکھا۔ والحمد للہ۔

مسودہ کی نظر ثانی و تصحیح کے بعد جزء جزء کر کے ترتیب وار محترم سید وزیر حسین شاہ صاحب زید مجدہ (کاتب سرگودھا) کو بذریعہ ڈاک بھیجتا رہا۔ تاکہ ماہ رمضان ۷۹ھ تک کتابت مکمل ہو کر یہ جلد اسی ماہ مبارک میں زیور طباعت سے آراستہ ہو سکے۔ اور اسی خوش فہمی اور حسن ظنی کی بنا پر قومی اخبارات میں بھی اعلان کر دیا۔ کہ انشاء اللہ تفسیر کی دوسری جلد ماہ رمضان المبارک ۷۹ھ میں شائع ہو جائے گی۔ اور اسی لئے شاہ صاحب موصوف کو متعدد خطوط بھی لکھے کہ وہ اس سلسلہ میں کسی قسم کی کوتاہی نہ فرمائیں۔ لیکن ہوتا وہی ہے جو منظور خدا ہوتا ہے۔

اسی دوران میں شاہ صاحب موصوف کے پاس کتابت کے لئے دوسری بعض کتابیں مثلاً "نماز جعفریہ جدید" وغیرہ پہنچ گئیں۔ لہذا موصوف نے بظاہر تفسیر انوار النجف سے سوتیلی ماں کا سا سلوک کرتے ہوئے عنان توجہ اس طرف پھیر لی اور ہمارا کام معرض التوا میں ڈال کر ہمیں آخری نمبر دیدیا۔ عید الفطر کے بعد کام کا جائزہ لینے کیلئے جب میں سرگودھا پہنچا تو حقیقت حال کا انکشاف ہوا لیکن اب کا رونا بے سود تھا۔

شاہ صاحب موصوف نے اپنی مشکلات پیش کیں اور معذرت چاہی اور بغیر مزید تساہل کے ڈیڑھ ماہ تک اس کام کو سرانجام دینے کا وعدہ فرمایا۔ پس جس طرح موصوف نے مجھ سے عذر خواہی کی اسی طرح میں خریداران تفسیر سے اس التوا و تاخیر کی معذرت چاہتا ہوں۔ اور پر امید ہوں کہ میرے اس معقول عذر کو دامن قبولیت میں جگہ دی جائے گی۔

اس کے بعد اب تفسیر کی تیسری جلد کی کتابت کا کام شروع ہوگا۔ مومنین کرام دعا فرمائیں کہ خداوند کریم راستہ میں حائل ہونیوالی متوقع اور غیر متوقع ہر قسم کی مشکلات سے محفوظ رکھے اور کاتب (شاہ صاحب موصوف) کو بھی خدا کرے حسب سابق کسی الجھن کا سامنا نہ ہو۔ تاکہ آئندہ خریداران تفسیر مزید انتظار کی پریشانیوں میں مبتلا نہ ہوں۔ آمین۔

بلوچ خاندان مچھر کھادی (ضلع سرگودھا)

میں جس زمانہ میں مدرسہ محمدیہ جلالپور جدید میں بحیثیت مدرس اعلیٰ امور تدریسیہ کی انجام دہی میں مصروف تھا۔ اس خاندان کے فرد فرید عالیجناب حاجی لعل خان صاحب مرحوم سے متعارف ہوا تھا۔ موصوف پابند صوم و صلوٰۃ ہونے کے علاوہ نہایت ملنسار اور منکسر المزاج اور شمع ملت جعفریہ پر پروانہ وار قربان ہونیوالے تھے۔ ٹھوس دینی خدمات کیلئے ان کے دردمند دل میں تڑپ تھی۔ ترویج علوم آل محمد کے لئے پانی کی طرح پیسہ بہا دینا ان کے ایثار ملی اور فرض شناسی کا آئینہ دار تھا۔ باوجود متوسط طبقہ کے زمیندار ہونیکے ان کی دریا دلی نے ان کو ضلع بھر کے چوٹی کے رؤسا میں وہ نمایاں مقام عطا کیا تھا۔ کہ زر پرست ان کی اوجِ رفعت پر رشک کناں اور انگشت بدنداں تھے۔ آخر حسد کی آنکھ نے ان کے آفتاب رفعت سے خیرگی کی برداشت نہ لاکر اُن کے لئے جامِ شہادت کی پیش کش کی جس کو نوش فرما کر وہ ہمیشہ کے لئے دنیاوی جھمیلوں سے سبکدوش ہوئے۔ اور دار فانی سے روپوش ہو کر حیاتِ جاودانی سے ہم آغوش ہوئے۔ مومنین سے استدعا ہے۔ کہ ان کی روح پُر فتوح کے لئے سورہ فاتحہ تلاوت فرمائیں۔

مرحوم کے خاندان کے باقی افراد سے عالیجناب مولوی سید اقرار حسین شاہ صاحب سلمہ کی وساطت سے گذشتہ سال ماہ ذوالحجہ ۷۸ھ میں تعارف ہوا۔ عالیجناب حاجی محمد حسین خاں عالیجناب حاجی احمد خاں عالیجناب خان محمد خاں۔ مرحوم حاجی لعل خاں کے چچازاد ہیں۔ مرحوم کا فرزند اختر حسین خان) جوان صالح ہے۔ اور اپنے باپ کی طرح اس کے چہرہ پر آثار نجابت نمایاں ہیں۔ مجھے اشاعت تفسیر کے سلسلہ میں مچھر کھادی جانے کا اتفاق ہوا۔ اور میں نے ان خانصاحبان کو نزدیک سے دیکھا۔ ان کی جو خصالِ حمیدہ اور اوصاف حسنہ اپنے کانوں سے سنی تھیں۔ آنکھوں نے اس سے بڑھ کر مشاہدہ کیا۔ آج تک میں نے کوئی کھاتا پیتا گھرانہ ایسا نہیں دیکھا تھا جس کے افراد خانہ میں کل غور پر اتحاد و یکجہتی کا جذبہ کارفرما ہو۔ موصوفین باوجود ایک دادا کے چار بیٹوں کی اولاد ہونیکے باہمی اتفاق و یگانگت میں سگے بھائیوں سے بڑھ کر ہیں۔ (خدا نظر بد سے محفوظ رکھے) ان کی آمد ایک۔ خرچ ایک۔ ان میں سے ایک کی ہاں۔ سب کی ہاں۔ اور ایک کی نہ سب کی نہ کے مترادف ہے۔ وہ نخوت و تکبر کی خطرناک وادی سے کوسوں دور ہیں۔ اور سادہ زندگی ان کا طرۂ امتیاز ہے۔

اشاعت تفسیر کے سلسلہ میں انہوں نے اپنی اہم خدمات پیش کر کے مالی مشکلات میں جس قدر میری دستگیری فرمائی۔ اس کو جتنا سراہا جائے کم ہے۔ خداوند کریم سے طالب دعا ہوں کہ انکو جمیع آفاتِ دینی و دنیاوی سے محفوظ رکھے۔ اور ان کی خدمات کو شرفِ قبولیت بخشے اور ان کو توفیق مزید سے مالا مال فرمائے۔ آمین۔

دعوت اور اعلان

شعبۂ تصنیف و تالیفِ جامعہ علمیہ باب النجف جاڑا ضلع ڈیرہ اسماعیل خاں میں علوم قرآنیہ کو عام کرنے کے لئے اردو تفسیرِ قرآن لکھنے کا جو عزم کیا گیا ہے۔ اس کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے ہم نے اپنا فارغ وقت وقف کر رکھا ہے۔ لیکن یہ خواب صرف ہماری ذہنی کاوشوں اور دماغی صلاحیتوں سے ہی بثمر مندۂ تعبیر ہونا مشکل ہے۔ جب تک قوم کی طرف سے دستِ تعاون نہ بڑھایا جائے۔ یہ یاد رہے کہ قوم کی بے توجہی سے بڑے بڑے دماغ معطل ہو کر رہ جاتے ہیں۔ اور کس بیرسی بڑی سے بڑی صلاحیتوں کو زندہ درگور کر دیتی ہے۔ اور ہر زندگی و برتری کی خواہشمند قوم پر یہ فریضہ عائد ہوتا ہے۔ کہ قومی ٹھوس خدمت انجام دینے والوں کو آگے بڑھائیں۔ اور صاحبانِ فنون کی دستگیری کر کے ان کی ترقی کی راہ میں حائل شدہ ہر قسم کی رکاوٹ کا قلع قمع کریں۔ ان کی ذہنی صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر استفادہ کے علاوہ آنے والی نئی پود میں ترقی کا جذبہ پیدا کریں۔ کیونکہ یہ ظاہر ہے۔ کہ ایک دماغ عدم تعاون کی صورت میں جہاں ایک لمبی مدت کے بعد ایک نتیجہ تک پہنچتا ہے۔ تعاون کی صورت میں وہ کم از کم مدت میں اُس سے بہتر نتائج تک پہنچ سکتا ہے۔

لہٰذا قوم شیعہ کے مخلص اور رشید ابنیانِ علوم قرآنیہ سے گذارش ہے۔ کہ وہ جامعہ علمیہ باب النجف جاڑا کے شعبۂ تصنیف و تالیف کی سرپرستی فرمائیں۔ خود بھی تفسیر خریدیں۔ اور اپنے احباب کو اس کی خریداری کی طرف متوجہ کریں۔ تاکہ اشاعتِ تفسیر کے سلسلہ میں مالی کمزوری سدِ راہ نہ ہو سکے۔ اور پوری عجلت کے ساتھ یہ کام پایۂ تکمیل تک پہنچے۔

تفسیرِ قرآن مجید کا فیض عام کرنے کے لئے مکتبہ باب النجف خوشی سے اعلان کرتا ہے۔ کہ (۱) تفسیر انوار النجف کے مستقل خریداروں سے قیمت بارعایت لی جائے گی۔ (۲) چار خریدار مہیا کرنے والے کو کتاب مفت بھیجی جائے گی۔ (۳) طلبۂ دینیہ کے لئے خاص رعایت ہو گی۔ (۴) تاجروں کے لئے کمیشن معقول ہو گا۔ (۵) اشاعتِ تفسیر کے لئے ایک سو روپیہ یا اس سے زیادہ کی اعانت کرنے والے کو شائع ہونے والی ہر جلد بھیجنے کے علاوہ جس جلد کی اشاعت کے لئے اس کا عطیہ ہو گا۔ اُس میں جلی قلم سے اس کا شکریہ ادا کیا جائے گا۔ تاکہ تفسیر کے ساتھ اُس کا نام زندہ رہے۔

نقشہ جامعہ علمیہ باب النجف جاڑا ضلع ڈیرہ اسمٰعیل خاں

① جامعہ علمیہ باب النجف کی ابتداء ماہ شوال ۱۳۶۲ھ میں ہوئی اور مکانات کا تعمیری سلسلہ ۱۲ ربیع الثانی ۱۳۶۸ھ کو ختم ہوا۔

② اس مدرسہ کی خصوصیات میں ہے کہ سوائے لکڑی کے باقی اکثر و بیشتر تعمیری کام مدرس اعلیٰ اور طلباء کرام نے سرانجام دیا۔

③ مدرسہ کی سرپرستی کسی رئیس و نواب کو حاصل نہیں بلکہ عمومی چندہ جات اور رقوم خیرات خمس، زکوٰۃ، فطرہ اور نذر و نیاز وغیرہ پر ہی اس کا انحصار ہے۔

④ مدرسہ میں قرآن مجید کے حفظ کا انتظام ۱۳۶۸ھ سے کیا گیا ہے۔ اور اس وقت متعدد طلبہ حفظ میں مشغول ہیں

⑤ مدرسہ میں دارالتصنیف والتالیف قائم کیا گیا ہے جس کی پہلی گرانقدر پیش کش تفسیر انوار النجف زیر تصنیف ہے۔

⑥ تمام قوم شیعہ سے گذارش ہے۔ کہ اس ناقابلِ فراموش ادارۂ علمیہ کی سرپرستی فرما کر دامے۔ درمے۔ قدمے۔ سخنے اس کی امداد فرمائیں۔ تاکہ بہت جلد یہ مدرسہ مالی کمزوریوں سے بالاتر ہو کر کما حقہٗ قوم کی دینی خدمات بجا لانے کا کفیل ہو سکے۔

مقدمہ تفسیر انوار النجف

اَلْحَمْدُ لِلّٰہ - ہماری توقعات سے بڑھ کر مقدمہ تفسیر نے مقبولیت حاصل کی۔ ملک کے گوشہ گوشہ سے اسکی مانگ ہوئی۔ اور نہایت وقیع الفاظ میں اس کے انداز بیان اور اسلوب تحریر کی جاذبیت اور سلاست کی داد دی گئی آمدہ خطوط سے پتہ چلتا ہے۔ کہ لوگ دوسری جلد تفسیر کے منظر عام پر آنے کے لئے عید کے چاند کی طرح بیتابانہ منتظر تھے انشاء اللہ پہلی جلد (مقدمہ تفسیر) کی طرح یہ جلد بھی قوم کے سنجیدہ طبقہ سے خراج تحسین حاصل کرے گی۔

احباب کا شکریہ

ہم ان احباب کا شکریہ ادا کرتے ہیں جنہوں نے مقدمہ تفسیر کا تعارف افراد قوم سے قلمی و لسانی ہر طریق سے کرا کے اشاعت تفسیر میں گراں بہا خدمات انجام دیں۔ خصوصاً عالیجناب سید ولایت حسین شاہ صاحب ذاکر سندرال ضلع سرگودھا۔ عالیجناب سید پیر شاہ صاحب ذاکر گوہر والا ضلع میانوالی۔ جنہوں نے متعدد افراد کو مقدمہ تفسیر کی خریداری کی طرف متوجہ فرما کر کتاب مذکور پر احسان عظیم فرمایا۔ خداوند کریم ان کو جزائے خیر دے۔

نیز مولوی سید اقرار حسین شاہ صاحب واعظ مچھر کھادی اور عزیز مکرم مولوی نذر حسین صاحب اور عزیز معزم مولوی غلام حیدر صاحب (مدرسہ محمدیہ سرگودھا) کے بھی ہم ممنون احسان ہیں۔ کہ انہوں نے بھی حسب شان خدمت تفسیر

آخر میں ہم محترم و مکرم سید وزیر حسین شاہ صاحب کا بھی شکریہ ادا کرتے ہیں۔ کہ انہوں نے اپنے قیمتی وقت کا بیشتر حصہ کتابت تفسیر کے لئے معین فرما کر ہمیں تلاش کاتب کی مزید الجھنوں سے بچا لیا۔ اور آئندہ کے لئے ان سے گذارش کرنے کی جرأت کرتے ہیں۔ کہ وہ ہمیں سابق قسم کی پریشانیوں سے آزاد کر کے ہمیں ممنون فرمائینگے

فہرست مضامین تفسیر انوار النجف جلد دوسری

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱	سورہ فاتحہ اور اس کے فضائل	۴
۲	سورۃ فاتحہ کے مقدم ہونے کی وجہ	۸
۳	سورہ فاتحہ کے اسماء اور وجہ تسمیہ	۱۲
۴	ترتیب آیات سورۃ فاتحہ	۱۴
۵	استعاذہ	۱۷
۶	فضائل بسم اللہ	۱۹
۷	بسم اللہ کا جزو سورہ ہونا	۲۱
۸	نقطۂ باء بسم اللہ	۲۸
۹	تعظیم ضرائح مقدسہ اِیَّاکَ نَعْبُدُ کے منافی نہیں	۳۱
۱۰	اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ اور شیعی عقیدہ	۳۵
۱۱	دعائے توسل	۳۶
۱۲	یا علی مدد	۴۲
۱۳	آیات فاتحہ ابواب جنت کی کنجیاں ہیں۔	۴۸
۱۴	آیات فاتحہ کی دوسری معنوی توجیہ	۵۱
۱۵	تفسیر سورۃ البقرہ	۵۵
۱۶	حروف مقطعات	۵۶
۱۷	تفسیر رکوع اول	۵۹
۱۸	قرآن مجید کے تمہیدی بیان کی وضاحت	۶۴
۱۹	مسئلہ قضا و قدر	۶۵
۲۰	جبر و تفویض	۷۱
۲۱	"ختم" کی وضاحت	۷۳
۲۲	منافقین کا ذکر (رکوع دوسرا)	۷۷
۲۳	عبادت کی دعوت عامہ	۸۲
۲۴	ذکر خلقت آدمؑ (چوتھا رکوع)	۹۲
۲۵	حکم سجدہ اور انکار ابلیس	۹۹
۲۶	خروج آدمؑ از جنت	۱۰۵
۲۷	تحقیق شجرہ	۱۱۲
۲۸	قبول توبہ آدمؑ	۱۱۳
۲۹	پانچواں رکوع	۱۱۶
۳۰	نماز و زکوٰۃ	۱۱۹
۳۱	نماز باجماعت	۱۲۱

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۳۲	بنی اسرائیل پر تعمات (چھٹا رکوع)	۱۲۳
۳۳	غرق شدن فرعون	۱۲۶
۳۴	بنی اسرائیل اور گوسالہ پرستی	۱۲۹
۳۵	رویتِ خدا کا سوال	۱۳۲
۳۶	ذکرِ رجعت	۱۳۴
۳۷	من وسلویٰ	۰
۳۸	ساتواں رکوع	۱۳۷
۳۹	آٹھواں رکوع	۱۴۰
۴۰	مچھلی کا شکار	۱۴۱
۴۱	یہود و نصاریٰ کی وجہ تسمیہ	۱۴۴
۴۲	گائے کی ذبح کا حکم	۱۴۵
۴۳	نواں رکوع	۱۴۷
۴۴	اطاعتِ والدین (دسواں رکوع)	۱۵۳
۴۵	ذی القربیٰ	۱۵۶
۴۶	علماءِ صالحین	۱۵۷
۴۷	حسنِ خلق	۱۵۸
۴۸	زکوٰۃ	۱۶۰
۴۹	گیارہواں رکوع	۱۶۳
۵۰	یہودیوں کی انتظارِ پیغمبرؐ	۱۶۵
۵۱	قسیم الجنۃ والنار	۱۶۷
۵۲	بارھواں رکوع	۱۷۲
۵۳	ہاروت وماروت	۱۷۴
۵۴	تیرھواں رکوع	۱۷۸
۵۵	چودھواں رکوع	۱۸۳
۵۶	کُن فیکون	۱۸۶
۵۷	بنی اسرائیل کی بدعنوانیاں	۱۸۸
۵۸	درسِ عبرت	۱۹۴
۵۹	امتحانِ ابراہیمؑ (پندرہواں رکوع)	۲۰۱
۶۰	ربطِ بیان	۲۰۵
۶۱	مقامِ ابراہیمؑ	۲۰۷
۶۲	ذکرِ ہجرتِ حضرت اسماعیلؑ و ہاجرہ	۲۱۳
۶۳	سولہواں رکوع	۲۱۵
	دوسرا پارہ	
۶۴	تحویلِ قبلہ	۲۲۲
۶۵	اُمتِ وسط	۲۲۵
۶۶	ظہورِ حجتؑ (دوسرا رکوع)	۲۲۹
۶۷	دعا ظہورؑ	۲۳۱
۶۸	حیاتِ شہداء (تیسرا رکوع)	۲۳۴

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۶۹	شاہ خدا بندہ کا قبول مذہب شیعہ	۲۳۸
۷۰	صفا و مروہ	۲۴۱
۷۱	ادلّہ توحید (چوتھا رکوع)	۲۴۴
۷۲	تبرّا	۲۴۷
۷۳	پانچواں رکوع	۲۴۹
۷۴	چھٹا رکوع	۲۵۱
۷۵	حکم قصاص	۲۵۲
۷۶	بیانِ وصیّت	۲۵۶
۷۷	معنی وصیّت اور چند مسائل	۲۵۷
۷۸	صدقۂ جاریہ اور دعوتِ عمل	۲۶۰
۷۹	ربط آیات	۲۶۴
۸۰	فضائل ماہ رمضان (ساتواں رکوع)	۲۶۵
۸۱	روزہ کے مضطرات اور ضروری مسائل	۲۷۳
۸۲	تاخیر قبولیّت دُعا	۲۸۴
۸۳	بقیہ مسائل (ماہ رمضان)	۲۸۶

MAAB 1431
مرکز احیاء آثار برّیّہ
maablib.org

تمثال

فخر المحققین عمدۃ المفسرین حجۃ الاسلام علامہ حسین بخش صاحب مدظلہ العالی بدوام الایام واللیالی

maablib.org

MAAB 1431
مرکز احیاء آثار برّیّة
maablib.org

حقوق الطبع محفوظۃ

قال رسول اللہ

انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ وعترتی اہل بیتی لن

تحفہ

شیعیان آل محمد خصوصا واعظین ومبلغین کیلئے نادر وبیش بہا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

المجلد الثانی من تفسیر

انوار النجف فی اسرار المصحف

مصنفہ

حجۃ الاسلام، علامہ حسین بخش جاڑا۔

بانی وسرپرست ومدرس اعلیٰ جامعہ علمیہ باب النجف جاڑا

ضلع ڈیرہ اسماعیل خان

سید کلب عباس نجفی رقم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ اِنَّ صَلٰوتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ عَلِيًّا اَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَلِيُّ اللّٰهِ وَوَصِيُّ رَسُوْلِهٖ وَاَنَّ الْحَسَنَ وَالْحُسَيْنَ وَعَلِيَّ ابْنَ الْحُسَيْنِ وَمُحَمَّدَ ابْنَ عَلِيٍّ وَجَعْفَرَ ابْنَ مُحَمَّدٍ وَمُوْسٰى بْنَ جَعْفَرٍ وَعَلِيَّ ابْنَ مُوْسٰى وَمُحَمَّدَ ابْنَ عَلِيٍّ وَعَلِيَّ ابْنَ مُحَمَّدٍ وَالْحَسَنَ ابْنَ عَلِيٍّ وَالْحُجَّةَ ابْنَ الْحَسَنِ الْقَائِمَ الْمَهْدِيَّ صَلَوٰتُ اللّٰهِ عَلَيْهِمْ اَوْلِيَاءُ اللّٰهِ وَاَوْصِيَاءُ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَاَئِمَّتِيْ بِهِمْ اَتَوَلّٰى وَمِنْ اَعْدَائِهِمْ اَتَبَرَّءُ فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ رَضِيْتُ بِهِمْ فَارْضَ لِيْ بِهِمْ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ لَكَ الْحَمْدُ يَا اللّٰهُ لِمَا هَدَيْتَنِيْ سَبِيْلَ الرَّشَادِ وَاَوْلَيْتَنِيْ طَرِيْقَ السَّدَادِ وَاَسْبَغْتَ عَلَيَّ مِنْ نِعَمٍ مَا لَنَا مِنْ نَفَادٍ وَاَنْعَمْتَ عَلَيَّ بِوِلَاءِ حَبِيْبِكَ مُحَمَّدٍ وَاٰلِهِ الْاَمْجَادِ صَلَوٰتُكَ عَلَيْهِ وَعَلَيْهِمْ اِلٰى يَوْمِ التَّنَادِ وَاللَّعْنَةُ الدَّائِمَةُ عَلٰى اَعْدَائِهِمْ وَغَاصِبِيْ حُقُوْقِهِمْ اَبَدَ الْاٰبَادِ وَوَفِّقْنِيْ لِمَا اَمَّلْتُ وَرَجَوْتُ فِيْكَ مِنْ اِتْمَامِ تَفْسِيْرِ كِتَابِكَ فِيْ تَوْضِيْحِ خِطَابِكَ وَاَلْحِقْنِيْ بِصَالِحِيِ الْعِبَادِ الَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا دَعْوَتَكَ وَابْتَغَوْا مَرْضَاتَكَ وَاَنْتَ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ وَاَسْغُرْ عَلَيَّ سَحَابَ فَضْلِكَ وَاَمْطِرْ عَلَيَّ شَآبِيْبَ رَحْمَتِكَ وَلَقِّنِيْ مِنْكَ بُرْهَانًا يَوْمَ الْمَعَادِ ۔ عَلَيْكَ اَتَوَكَّلُ وَبِكَ اَسْتَعِيْنُ بِمُحَمَّدٍ وَبِمَنْ هُوَ بِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ۝

❊

پارہ نمبر ۱

تفسیر

سُورہ فاتحہ

اس سورہ کو بعض مکّی کہتے ہیں اور بعض مدنی کہتے ہیں اور بعض روایات میں ظاہر ہوتا ہے کہ یہ سُورہ مبارکہ دو دفعہ نازل ہوئی ایک دفعہ مکہ میں اور ایک دفعہ مدینہ میں۔ لہٰذا مکّی بھی ہے اور مدنی بھی۔ اس سورہ کی کل آیات سات ہیں جس میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بھی داخل ہے۔

سُورہ فاتحہ کے فضائل

مجمع البیان۔ ابی بن کعب سے مروی ہے کہ جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا۔ جو مُسلمان سُورہ فاتحہ کو پڑھے اس کو دو تہائی قرآن پڑھنے کا ثواب ملے گا اور تمام مومنین و مومنات پر صدقہ کرنے کا اجر اُس کو عطا ہوگا۔

ایک اور روایت میں ہے کہ سُورہ فاتحہ کے پڑھنے کا ثواب پُورے ختمِ قرآن کے ثواب کے برابر ہے (یعنی جو شخص قرآن پڑھا ہوا نہ ہو تو اس کو اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا چاہیئے۔ بلکہ سُورہ فاتحہ کی تلاوت کرے خدا اُس کو پورے قرآن پڑھنے کا اجر دے گا۔

نیز ابی بن کعب سے مروی ہے کہ میں نے حضرت رسالتمآبؐ کے حضور میں سُورہ فاتحہ پڑھی تو آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے قسم ہے اُس ذات کی جس کے ہاتھ قدرت میں میری جان ہے خداوند کریم نے تورات۔

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○

اللہ کی پناہ لیتا ہوں شیطان سے جو راندۂ درگاہ ہے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

اللہ کے نام سے جو رحمن و رحیم ہے (شروع کرتا ہوں)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۙ○ الرَّحْمٰنِ

حمد صرف اللہ کے لئے ہی ہے۔ جو عالمین کا پروردگار۔ رحمٰن

الرَّحِیْمِ ۙ○ مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ ○ اِیَّاکَ نَعْبُدُ

رحیم (اور) مالک روزِ جزا ہے۔ (میرے اللہ) صرف تیری

وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ ؕ○ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ

ہم عبادت کرتے ہیں اور صرف تجھ سے ہی مدد چاہتے ہیں۔ ثابت رکھ ہم کو سیدھے

الْمُسْتَقِیْمَ ۙ○ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ

رستے پر (یعنی) اُن لوگوں کا رستہ، جن پر تو نے انعام کیا

غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ ۙ وَلَا الضَّآلِّیْنَ ؕ○

نہ کہ جن پر غضب ہوا اور نہ گمراہوں کا۔

انجیل۔ زبور بلکہ خود قرآن میں بھی اس کی مثل نازل نہیں کی یہ اُمّ الکتاب ہے اور یہی سبع مثانی ہے اور یہ اللہ اور بندے کے درمیان تقسیم شدہ ہے اور بندے کے لئے ہے جو بھی سوال کرے۔

نیز ایک روایت میں ہے کہ جابر بن عبداللہ انصاری کو حضورؐ نے فرمایا۔ کیا میں تجھے ایک ایسی سورت کی تعلیم دوں جس سے بہتر خداوندِ کریم نے کوئی سورت قرآن میں نازل نہ فرمائی ہو۔ جابر نے عرض کی۔ جی ہاں۔ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں یارسولؐ اللہ۔ پس آپ نے اس کو سورہ حمد تعلیم فرمائی۔ پھر آپؐ نے فرمایا۔ اے جابر! اس کے متعلق میں تجھے کچھ بتاؤں۔ جابر نے عرض کی۔ جی ہاں میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔ آپ نے فرمایا۔ یہ موت کے سوا ہر مرض کے لئے شفا ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جس کو الحمد تندرست نہیں کر سکتی اس کو کوئی چیز تندرست نہیں کر سکتی۔

حضرت امیر علیہ السلام سے مروی ہے کہ جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا۔ کہ مجھے ارشادِ خداوندی ہوا ہے۔ یا مُحَمَّدُ وَلَقَدْ آتَيْنَاكَ سَبْعًا مِنَ الْمَثَانِي وَالْقُرْآنَ الْعَظِيمَ (ترجمہ) ہم نے تجھے سبع مثانی اور قرآن عظیم عطا کیا، پس اللہ تعالےٰ نے مجھے فاتحہ کا احسان الگ جتلایا اور پورے قرآن کے مقابلہ میں اس کو ذکر فرمایا اور تحقیق عرش کے تمام خزانوں میں سے فاتحہ زیادہ وزنی و قیمتی جوہر ہے اور اللہ نے محمدؐ کو اس کے ساتھ مختص فرمایا اور کسی نبیؑ کو اس نعمت میں شریک نہیں کیا۔ سوائے حضرت سلیمان کے کہ اس کو اس کی ایک آیت عطا کی۔ چنانچہ بلقیس کے قول کو بیان فرماتا ہے۔ اِنِّيْ اُلْقِيَ اِلَيَّ كِتَابٌ كَرِيْمٌ ۝ اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمَانَ وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ پس جو شخص محمدؐ و آلِ محمدؐ کی ولاء کا اعتقاد رکھتے ہوئے اور اس کے امر کی اطاعت کرتے ہوئے۔ نیز اس کے ظاہر و باطن پر ایمان لاتے ہوئے اس کو پڑھے گا۔ خداوند کریم ہر ہر حرف کے بدلہ میں اس کو ایسی نیکی (نعمت) عطا فرمائے گا۔ جو دنیا اور اس کی تمام نعمتوں سے افضل ہو گی اور جو شخص سورہ فاتحہ کو کسی اور سے سُنے گا تو جس قدر پڑھنے والے کو ثواب ملے گا اُس کا ایک تہائی سُننے والے کو عطا ہو گا۔ پس ہر ایک کو یہ آسان نیکی زیادہ سے زیادہ حاصل کرنی چاہیئے کیونکہ یہ غنیمت ہے۔ ایسا نہ ہو کہ وقت ہاتھ سے نکل جائے اور تمہارے دِلوں میں حسرت باقی ہو۔

بعض روایات میں ہے کہ اگر سورۂ فاتحہ کسی درد کے مقام پر ستر مرتبہ پڑھی جائے تو وہ درد ضرور ختم ہو جائیگا۔ ایک روایت میں ہے کہ پانی کے پیالہ پر چالیس مرتبہ سورہ فاتحہ پڑھ کر مریض پر چھڑکا جائے تو اس کو شفا ہو گی بہرکیف سورہ فاتحہ کے فضائل اور اس کے خواص شیعہ و سنی ہر دو فریق کی کتابوں میں بہت زیادہ منقول ہیں۔

گویا یہ سورہ مجیدہ روحانی و جسمانی ہر دو بیماریوں کے لئے شفا بخشتی ہے بشرطیکہ نیّت صاف ہو۔

چنانچہ علامہ علی اکبر نہاوندی نے کتاب خزینۃ الجواہر ص ۲۸۵ و ص ۵۷۲ میں کتاب جامع النورین سے نقل فرمایا ہے کہ حضرت امیرالمومنینؑ کے کسی صحابی کا ہاتھ ایک جنگ میں کٹ گیا پس وہ حضرت کی خدمت میں پہنچا تو آپ نے اس کا کٹا ہوا ہاتھ اپنے مقام پر جوڑ کر آہستہ سے کچھ پڑھا پس وہ تندرست ہو گیا اور خوشی سے چلا گیا۔ پھر دوسرے دِن حضرت کی خدمت میں پہنچا اور عرض کی کہ حضور! میرے دست بریدہ پر آپ نے کیا پڑھا تھا کہ وہ تندرست ہو گیا۔ آپ نے فرمایا میں نے سورہ فاتحہ پڑھا تھا۔ تو اُس شخص نے حقارت آمیز لہجہ میں کہا۔ اچھا! آپ نے سورۂ فاتحہ پڑھا تھا۔ بس یہ کہنا تھا کہ اُس کا دبی ہاتھ اُسی مقام سے دوبارہ جُدا ہو کر گر گیا۔ اور مرتے دم تک ویسے کا ویسا رہا۔

کلامِ خدا میں یہ برکت ہے کہ بیماری تو بجائے خود مردہ بھی اس سے زندہ ہو سکتا ہے جیسا کہ ایک مقام پر خدا ارشاد فرماتا ہے کہ اِس کے ذریعہ سے پہاڑ چلائے جا سکتے ہیں۔ زمینوں کی مسافتیں طے کی جا سکتی ہیں اور مردوں سے کلام کیا جا سکتا ہے۔ اور بعض احادیث میں ہے کہ قرآن میں جو کچھ ہے وہ سورۂ فاتحہ میں موجود ہے بلکہ گذشتہ روایت میں بھی موجود ہے کہ سورہ فاتحہ باقی تمام سورتوں سے افضل ہے اور خداوند کریم نے بھی اس کو پورے قرآن کے مقابلہ میں ذکر فرمایا ہے تو سورۂ فاتحہ کے پڑھنے سے بیمار کی تندرستی تو درکنار اگر مردہ میں روح پلٹ آئے تو یہ بھی بعید نہیں چنانچہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے منقول ہے کہ اگر کسی مردہ پر ستّر مرتبہ سورہ فاتحہ کی تلاوت کی جائے اور پھر خدا اِس میں روح کو پلٹا دے تو تعجب کی بات نہیں۔

لطیفہ۔ علامہ نہاوندی قدہ نے محدث نوری قدہ کی کتاب دارالسّلام سے نقل فرمایا ہے کہ سیّد محمد موسوی، نجفی ذکر کرتے ہیں کہ میں بچپنے کے زمانہ میں بلید (کند ذہن) تھا لیکن نوافل و تعقیبات کا دلدادہ تھا۔ ایک دِن مصباح کفعمی کا مطالعہ کیا تو اس میں یہ حدیث نظر سے گذری جس کا مضمون یہ ہے کہ اگر میّت پر چالیس مرتبہ سورہ فاتحہ پڑھی جائے تو اُس کے زندہ ہو جانے میں کوئی تعجب نہیں۔ میں نے دِل میں کہا کہ لوگوں پر تعجب ہے کہ اس بات کے ہوتے ہوئے اپنے مردوں کو دفن کر دیتے ہیں اور سورہ فاتحہ پڑھ کر اُن کو زندہ نہیں کر لیتے۔ پس ایک مکھی کو پکڑ کر میں نے ایک حوض میں ڈبو دیا اور عصر تک اُسے ڈبوئے رکھا جب مجھے اسکی موت کا یقین ہو گیا تو اُس کو پانی سے باہر نکال کر خشک مقام پر رکھا اور اُس کے دوبارہ زندہ کرنے کی نیت سے اس پر سورہ فاتحہ پڑھنا شروع کیا اور اِس پر دم کرتا گیا جب تیس۳۰ مرتبہ پڑھ چکا تو اس کے بعد میں نے دیکھا کہ اُس مکھی نے اپنے پاؤں کو حرکت دی اور اپنے پروں کو مس کیا اور ابھی چالیس مرتبہ تک نہ پہنچنے پایا تھا کہ مکھی پرواز کر کے چلی گئی میں نے دل میں خیال کیا

کہ یہ مکھی شاید پہلے سے زندہ ہو اور اُس پر موت واقع نہ ہوئی ہو اور مجھے اس کی موت کا اشتباہ ہوا ہو۔ پس دوسرے دن ایک اور مکھی پکڑ لی اور اس کو صبح سے لے کر ظہر تک برابر پانی میں ڈبوئے رکھا اور پھر نکال کر عصر تک زمین پر اُسے ڈال دیا۔ اِس میں کوئی حِس و حرکت نہ تھی جس سے مجھے پورا یقین ہو گیا کہ یہ مر چکی ہے۔ پس میں نے سورۃ فاتحہ پڑھنا شروع کر دیا اور اس مرتبہ بھی چالیس تک نہ پہنچا تھا کہ مکھی باذنِ خدا زندہ ہو کر ہوا میں پرواز کر گئی۔

maablib.org

سورہ فاتحہ کے مقدم ہونے کی وجہ

حضرت امیر المومنین علیہ السلام کا ایک مشہور فرمان جس کو علامہ مہاوندی قدس سرہ نے خزینۃ الجواہر ص ۴۳۶ و ص ۵۷۴ میں نقل فرمایا ہے کہ آپؑ نے فرمایا کہ تمام آسمانی کتابوں کا علم قرآن مجید میں ہے۔ اور تمام قرآن کا علم سورہ فاتحہ میں موجود ہے اور جو کچھ سورہ فاتحہ میں ہے وہ بسم اللہ الرحمن الرحیم میں ہے اور جو کچھ بسم اللہ میں ہے وہ باء بسم اللہ میں ہے اور جو کچھ باء بسم اللہ میں ہے وہ اس نقطہ میں ہے جو باء کے نیچے ہے اور میں وہی نقطہ ہوں۔ اسی ذیل میں علامہ موصوف فرماتے ہیں کہ من جملہ باقی وجوہ کے سورہ فاتحہ کے باقی قرآنی سورتوں پر مقدم ہونے کی یہ بھی ایک وجہ ہے کیونکہ سورہ فاتحہ کو باقی قرآن کے ساتھ اجمال و تفصیل کی نسبت حاصل ہے یعنی قرآن میں جو کچھ تفصیل کے ساتھ درج ہے وہ سورہ فاتحہ میں اجمالاً موجود ہے۔

اَلْحَمْدُ۔ قرآن مجید میں خداوند کریم کی تمجید۔ تحمید۔ تسبیح۔ تقدیس۔ تہلیل۔ تکبیر۔ تمکر و ثناء جس قدر تفصیل کے ساتھ بیان ہوئے ہیں لفظ اَلْحَمْدُ ان کا اجمالی خاکہ ہے۔

لِلّٰہِ۔ قرآن مجید میں جس قدر صفات جلال و کمال ذاتِ احدیت کے لئے بیان ہوئے ہیں لفظ لِلّٰہِ۔ ان سب کا اجمال ہے۔

رَبِّ۔ قرآن مجید میں جہاں جہاں ربوبیت کا تفصیلی ذکر ہے لفظ رَبِّ میں سب اجمالاً موجود ہے۔

اَلْعَالَمِیْنَ۔ کتاب مجید میں آسمانوں، زمینوں، جنوں، انسانوں، وحوش، طیور، انبیاء، اولیاء، نیکوں اور بروں بلکہ جمیع مصنوعات کی جس قدر تفصیل ہے وہ لفظ اَلْعَالَمِیْنَ میں بند ہے۔

اَلرَّحْمٰنِ۔ قرآن میں جس قدر رزق۔ انعام۔ احسان۔ اکرام وغیرہ مذکور ہیں۔ لفظ اَلرَّحْمٰنِ ان سب پر مشتمل ہے۔

اَلرَّحِیْمِ۔ کلام مجید میں جہاں کہیں وسعتِ رحمت اور گناہوں کی مغفرت کا ذکر ہے لفظ اَلرَّحِیْمِ سب کو شامل ہے

مَالِکِ۔ قرآن شریف میں خدا کی قدرت و عظمت۔ اس کی بقاء و سرمدیت اور اس کا بے مثل و بے مثال اور لاشریک ہونا یہ سب کچھ کلمہ مَالِکِ میں جمع ہیں۔

یَوْمِ الدِّیْنِ۔ پورے قرآن میں جسقدر قیامت۔ مواقفِ حساب۔ نعمات و جملہ احوالِ بہشت، ادراکات و خطرات جہنم میزان و صراط وغیرہ کے تفصیلی تذکرے ہیں وہ لفظ یَوْمِ الدِّیْنِ میں سمائے ہوئے ہیں۔

اِیَّاکَ نَعْبُدُ۔ جملہ عبادات جن کا قرآن میں ذکر ہے اِیَّاکَ نَعْبُدُ کے اندر موجود ہے۔

وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ۔ کلام اللہ میں ذکر استعانت، توکل اور طلبِ مدد جہاں بھی مذکور ہے وہ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ میں مندرج ہیں۔

اِھْدِنَا۔ قرآن میں ہدایت وارشاد، دُعا وسوال اور تضرع وغیرہ کا جہاں ذکر ہے اِھْدِنَا اس کا جامع ہے

الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ۔ قرآنِ پاک میں جملہ حلال وحرام، اوامر ونواہی اسی اجمال کی تفصیل ہیں۔

صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ۔ کتاب پاک میں جس قدر نیک لوگوں کے حالات۔ اُن کے طریقے، اُن کی سُنتیں سیرتیں اُن کا سبب نجات اور بلندئی درجات وغیرہ تفصیل کے ساتھ بیان ہوئے ہیں۔ ان لفظوں میں اختصار کے ساتھ مندرج ہیں۔

غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ۔ بنی اسرائیل کے حالات وقصص۔ اُن کا کفرانِ نعمت تکذیب انبیاء و قتلِ انبیاء اور اُن کا گناہوں پر اصرار اور پھر اُن پر غضبِ خدا وعذاب کا نزول قرآن میں جتنی تفصیل سے مذکور ہے وہ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ میں سمایا ہوا ہے۔

وَلَا الضَّالِّیْنَ۔ فرعونوں۔ جابر بادشاہوں، نصرانیوں اور مشرکوں گمراہوں کی پوری قرآنی تفصیل کا یہ اجمالی عنوان ہے۔ پس اسی لیئے سُورہ فاتحہ کو تمام قرآنی سورتوں پر مقدم کیا گیا ہے کیونکہ اجمال تفصیل سے پہلے ہوا کرتا ہے

اقول۔ جس طرح سورہ فاتحہ پورے کلام اللہ کا اجمال ہے اسی طرح آیہ کریمہ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پورے سورہ فاتحہ کی اجمالی تصویر ہے۔

بِسْمِ اللّٰہِ۔ لفظ اللہ عَلَم ہے اس ذات کا جو واجب الوجود اور جامع جمیع صفات کمال ہے۔ لہٰذا اس لفظ میں جملہ صفاتِ جلال وکمال اور تمام صفاتِ ثبوتیہ وسلبیہ اجمالاً مدرج ہیں۔ پس تحمید وتسبیح وتہلیل وعبادت واستعانت وغیرہ کا سزاوار ہونا اسی سے سمجھا جا سکتا ہے۔

اَلرَّحْمٰنِ۔ تمام نعماتِ دنیاویہ ودینیہ کا بیان اسی مختصر سی لفظ میں سمویا ہوا ہے۔

اَلرَّحِیْمِ۔ چونکہ یہ لفظ خصوصی انعامات کے لئے ہے جو قیامت کے روز مومنین پر کئے جائیں گے اور دشمنانِ خدا ان سے محروم ہوں گے۔ لہٰذا قیامت کے حالات اور اخروی نعمات اور کفار کی بری بازگشت وغیرہ کے لئے لفظ اَلرَّحِیْمِ کو جامع کہا جا سکتا ہے۔

روایت گذشتہ میں بیان ہو چکا ہے کہ ذات رب العزت نے جناب رسالتمآبؐ پر قرآن مجید کے ساتھ

سورہ فاتحہ کا بالخصوص امتنان فرمایا۔ چنانچہ ارشاد ہوا۔ وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ۔ (ترجمہ) ہم نے تجھے سبع مثانی (فاتحہ) اور قرآن عظیم عطا کیا۔ پس سورہ فاتحہ کا قرآن مجید کے مقابلہ میں ذکر کرنا بھی غالباً اسی امر کی طرف اشارہ ہے کہ قرآنِ مجید میں جو کچھ تفصیل سے بیان ہوا ہے سورہ فاتحہ میں وہ اجمالاً درج ہے۔ یہ سورہ مجیدہ جملہ اصول دین۔ توحید۔ عدل۔ نبوت۔ امامت۔ قیامت کے بیان کا جس طرح متضمن ہے اسی طرح جملہ فروع دین نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، خمس۔ جہاد۔ تولیٰ۔ تبرا کو اجمالاً اپنے دامن میں لئے ہوئے ہیں۔ گویا اس سورہ کے ہر ہر لفظ میں علوم قرآنیہ و مطالب شرعیہ کے دفاتر پنہاں ہیں۔ جن کو کماحقہٗ سوائے راسخین فی العلم کے اور کوئی نہیں پا سکتا۔ چنانچہ مولائے کائنات حلال مشکلات حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے ابنِ عباس رضی اللہ کے سامنے تفسیر باء بسم اللہ بیان کرنا شروع کی حتیٰ کہ صبح نمودار ہو گئی اور ایک مقام پر حضور نے ارشاد فرمایا کہ اگر صرف سورہ فاتحہ کی تفسیر بیان کرتا جاؤں تو اس سے ستر اونٹ بار ہو سکتے ہیں۔ اسی وجہ سے تو ابن عباسؓ فرماتے تھے کہ میرا اور جناب رسالتمآبؐ کے تمام صحابہ کا علم حضرت علیؑ کے علم کے مقابلہ میں ہم نے یہ حدیث اور اس باب کی اکثر احادیث بمعہ حوالہ جات کتب اسی کتاب کی پہلی جلد یعنی مقدمہ انوار النجف میں اصل عبارتوں کے ساتھ مختلف عناوین کے تحت میں بیان کر دی ہیں (مقدمہ تفسیر ص ۸۷ و ص ۱۳۹)

کور باطن یہ سمجھ بیٹھتا ہے کہ سورہ فاتحہ کی آیات آپس میں بالکل بے ربط و بے جوڑ ہیں۔ لہٰذا اس سے ایک مسلسل مضمون حاصل نہیں ہو سکتا۔ حالانکہ چشم بصیرت سے لمعاتِ حقیقت پر نظر ڈالنے سے یہ امر روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتا ہے کہ جو لطافتِ بیان سورۂ مجیدہ فاتحہ میں پائی جاتی ہے اور جس حسن انداز سے علوم قرآنیہ کو اس مختصر سورہ میں سمو دیا گیا ہے۔ وہ صرف اسی پاک کلام کا حصہ ہے جو اس کی اعجاز ی حیثیت کی واضح دلیل ہے۔

گویا پورے قرآن مجید کے تفصیلی بیان کے لئے سورہ فاتحہ موضوع کی حیثیت رکھتا ہے۔ اور سورۂ فاتحہ کے لئے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم موضوع بیان ہے۔ تو پس آیت بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پورے قرآن مجید کا موضوع ٹھہری اور سورہ فاتحہ اس کا ایک سرسری ترجمہ ہے اور الحمد سے لے کر والناس تک پورا کلام پاک انہی مطالب کا تفصیلی بیان ہے۔ اب یہ کہنا بالکل درست اور قرینِ عقل ہے۔ کہ کتبِ سماویہ کے تمام علوم قرآن میں ہیں اور قرآن کے تمام علوم سورہ فاتحہ میں ہیں اور سورۂ فاتحہ کے تمام علوم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں ہیں۔ اب رہا یہ کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے جمیع علوم باء بسم اللہ میں اور باء بسم اللہ کے

جُملہ علوم اس نقطہ میں ہیں جو باء کے نیچے ہے۔ تو اس میں اشکال تب ہو سکتا ہے کہ باء سے مراد یہی حرف لیا جائے جو حروفِ تہجی میں دوسرے نمبر لکھا جاتا ہے اور نقطہ سے مراد وہی ظاہری نقطہ لیا جائے جو حرف باء کے ساتھ لازم کی حیثیت رکھتا ہے۔ لیکن حضرت امیر المومنین علیہ السّلام نے اپنے بیان کے اخیر میں اس خیال کی تردید فرما دی ہے کہ نقطہ سے مراد میں ہوں۔ تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ باء سے مراد بالفاظ دیگر جناب رسالت مآبؐ ہے۔ کیونکہ یہ دونوں ایک حقیقت نوری کے دو حصے ہیں (اَنَا وَ عَلِیٌّ مِنْ نُوْرٍ وَاحِدٍ) اب مطلب صاف ہے کہ وہ تمام علوم جو بسم اللہ میں ہیں وہ جناب رسالتمآبؐ کے پاس ہیں اور وہ تمام علوم جو جناب رسالت مآبؐ کے پاس تھے وہ حضرت علیؑ کے پاس ہیں۔ چنانچہ خود رسالت مآب کا ارشاد ہے۔ اَنَا مَدِیْنَۃُ الْعِلْمِ وَ عَلِیٌّ بَابُھَا۔ عَلِیٌّ خَازِنُ عِلْمِیْ۔ عَلِیٌّ وِعَاءُ عِلْمِیْ۔ یہ حدیثیں باختلاف عبارات بحوالہ جاتِ کتب۔ اسی کتاب کی پہلی جلد میں بیان کی جا چکی ہیں (مقدمہ تفسیر صفحہ ۸۷ تا ۸۹) (ص ۱۷ نقطہ باء بسملہ کا) مفصل بیان ایک مستقل عنوان کے تحت ہوگا۔ نیز سورہ فاتحہ کا نام "اُمّ الکتاب" ہونا بھی اسی بات کی دلیل ہے کہ قرآن کے جملہ مضامین کی یہ اصل ہے کیونکہ اُمّ کا معنی ماں ہے اور ماں اولاد کے لئے اصل اور اولاد اس کی فرع ہوتی ہے اور اصل کا فرع سے مقدم ہونا ضروری ہے۔ اور اسی سورہ کا نام "الاساس" بھی اسی کا موید ہے کیونکہ اساس کا معنی بنیاد ہوتا ہے گویا سورۂ فاتحہ بنیاد ہے پورے قرآن کی لہٰذا اس کا مقدم ہونا لازمی ہے اور ترتیب آیات سورہ فاتحہ کے عنوان میں اس بیان کی مزید وضاحت آجائے گی۔

maablib.org

سُورہ فاتحہ کے اسماء اور وجہ تسمیہ

الفاتحہ۔ فاتحہ اس لئے کہتے ہیں کہ تمام قرآنی سورتوں سے یہ پہلے اور اسکی تفصیل بیان کی جاچکی ہے۔
اُمّ الکتاب۔ اَلْاَسَاس۔ ان دو ناموں سے سورہ مجیدہ فاتحہ کی وجہ تسمیہ ابھی بیان کردی گئی ہے۔
الشِّفاء۔ سورہ مذکورہ کے فضائل کے بیان سے وجہ تسمیہ صاف ظاہر ہے۔
السَّبْع۔ چونکہ اس سورہ کی کل آیات سات ہیں اور سَبْع بھی سات کو کہتے ہیں
اَلْحَمْد۔ کیونکہ اس میں پروردگارِ عالم کی حمد بیان کی گئی ہے۔
اَلْوَافِیہ۔ کیونکہ ہر نماز میں خواہ واجب ہو یا سنت اس کا پورا پڑھنا ضروری ہے اور وافیہ کا معنی ہے پوری
الکافیہ۔ یہ اس لئے کہ یہ سُورہ نماز سنتی میں تنہا کافی ہے اور واجبی نمازوں میں بھی بعض مقامات پر تنہا کافی ہو سکتی ہے۔ اور دوسری کوئی سورت نماز میں تنہا کافی نہیں ہے۔
اَلصَّلٰوۃ۔ یہ اس لئے کہ نماز میں اس سُورہ کا پڑھنا ضروری ہے۔ چنانچہ مشہور حدیث ہے لَاصَلٰوۃَ الْکِتَاب۔ یعنی کوئی نماز بغیر فاتحہ کے درست نہیں۔
اَلْمَثَانِی۔ اس نام کے متعدد وجوہ بیان کئے گئے ہیں۔

۱۔ چونکہ ہر نماز میں خواہ فرض ہو یا سنت اس کو دو دفعہ پڑھنا ضروری ہے اس لئے اس کو مثانی کہتے ہیں۔
۲۔ یہ سورہ مبارکہ دو دفعہ نازل ہوئی۔ ایک دفعہ مکہ میں اور دوسری دفعہ مدینہ میں اس لئے اس کو مثانی کہا جاتا ہے
۳۔ یہ سورہ دو حصّوں میں منقسم ہے ثنا مخلوق اور سوال مخلوق جیسا کہ بعض احادیث میں بھی یہ مضمون گذر چکا ہے۔
۴۔ اس سورہ کی سات آیتیں ہیں اور ہر آیت دو معنے رکھتی ہے

اسماء و صفات حق تعالیٰ کی دو قسمیں ہیں ایک اس کی عظمت و قدرت پر دلالت کرتے ہیں اور دوسرے اس کی رحمت اور مہربانی کو ظاہر کرتے ہیں اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں دونوں پائے جاتے ہیں۔
شکر کی دو قسمیں ہیں ایک ذات و صفات پر اور دوسرے احسانات و انعامات پر اور الحمد للہ میں دونوں شکر کی قسمیں موجود ہیں۔

عالم دو ہیں۔ دنیا و آخرت اور رَبُّ الْعَالَمِیْن دونو کو شامل ہے۔

رحمت کی قسمیں دو ہیں۔ دنیا میں اور قیامت میں اور الرحمٰن الرحیم میں دونوں موجود ہیں۔
بدلہ و جزا دو چیزوں کے مقابلہ میں ہوتا ہے ایک نیکیوں کا دوسرا برائیوں کا اور مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ میں دونو آجاتے ہیں۔
اطاعت کی دو قسمیں ہیں، عبادت اور عبودیت اِيَّاكَ نَعْبُدُ میں دونوں پائی جاتی ہیں۔
طلب مدد دو چیزوں کے لئے ہوتی ہے۔ اچھی چیز حاصل کرنے کے لئے اور بری چیز کو روکنے کے لئے اور اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ دونوں معنوں کو شامل ہے۔
ہدایت دو مقام کے لئے ہے۔ ایک معرفت اور دوسرے اطاعت اِهْدِنَا سے دونوں مراد ہیں۔
گمراہی دو قسم کی ہے ایک اہل کتاب کی اور دوسری مشرکین وغیرہ کی اور آخر سورہ میں دونوں کا بیان ہے
ان وجوہ کے علاوہ اس سورہ کو المثانی کہنے کے اور وجوہ بھی بیان کئے گئے ہیں۔

maablib.org

ترتیب آیات سورہ فاتحہ

مراتب ارتقاء میں پہلا مرتبہ علم کا ہے۔ اس کے بعد عمل اور پھر نتیجہ۔ ذات احدیت نے جنوں اور انسانوں کے مقصدِ خلقت کے متعلق ارشاد فرمایا۔ مَاخَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ (ترجمہ) ہم نے جنوں اور انسانوں کو نہیں خلق کیا مگر عبادت کے لئے۔ عبادت۔ معرفت اور جزا دونوں کے درمیان میں واقع ہے۔ معرفت عبادت سے پہلے ہے اور عبادت جزا سے مقدم ہے۔ پس خداوند کریم نے انسان کو پہلے پہل معرفت کا درس دیا اور کلام مجید کو لفظ بسم اللہ سے شروع فرمایا اور بندے کو تعلیم دی کہ ہر کام سے پہلے اللہ کا نام لینا ضروری ہے۔ اور چونکہ ذات اللہ کا تصورِ حقیقی بندہ کے لئے ناممکن تھا۔ اس لئے اس کے بعد الرحمٰن الرحیم کا اضافہ کر دیا تاکہ یہ سمجھ میں آجائے کہ تمام نعمات چھوٹی یا بڑی کا فیضان جس ذات کی طرف سے ہے وہ ہے اللہ۔ اب یہ بھی خود بخود معلوم ہو جائے گا کہ چونکہ تمام نعمات میں اہم نعمت وجودِ ممکنات ہے اور اللہ ہی اس کا منعم ہے تو اس کی ذات قدیم ہے اور وجود ممکنات حادث ہے۔ اور وجود ممکنات کا حسن نظام سے برقرار رہنا اس امر کی دلیل ہے کہ ان کا صانع حقیقی قادر بھی ہے علیم و حکیم بھی ہے اور چونکہ ممکنات تغیر سے خالی نہیں تو ماننا پڑے گا کہ ان کا موجد باقی و غیر فانی ہے۔ اس میں تغیر آ ہی نہیں سکتا اور نیز اس کا مرید و مدرک ہونا بھی ضروری ہے۔ بس صرف اسی آیت میں غور و فکر کرنے سے اس کی جملہ صفاتِ ثبوتیہ و سلبیہ کی معرفت ہو جائے گی اور پتہ چل جائے گا کہ اللہ اس ذات کا نام ہے جو تمام صفات کمال کی جامع ہے اور اس میں اس کا کوئی شریک نہیں ورنہ نظام کا درہم برہم ہو جانا ضروری ہے۔ چنانچہ خود فرماتا ہے لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا (ترجمہ) اگر آسمان و زمین میں اللہ کے علاوہ کوئی اور خدا بھی ہوتے تو ان کا نظام فاسد ہو جاتا۔ یعنی نظامِ کائنات کی بقا اس کی بقا اور لاشریک ہونے کی ظاہر و واضح دلیل ہے۔

پس جب انسان کے ذہن میں خدا کی معرفت آگئی اور یہ سمجھ لیا کہ میرا بلکہ کل کائنات کا وجود اور تمام نعمات اللہ ہی کی طرف سے ہیں۔ تو عقل انسان کو خود پکار کر کہے گی کہ اس منعم حقیقی کا شکر ادا کیا جائے جو عالمین کا رب ہے اب شکر کا وجوب سمجھ لینے کے بعد اس کی طرف سے آئے ہوئے تمام اوامر و نواہی کو معلوم کر کے ان پر عمل کی کوشش کرے گا اور اس کے بھیجے ہوئے رسولوں کے دروازہ پہ دستک دیئے بغیر چونکہ یہ مرحلہ طے کرنا مشکل ہے۔ لہٰذا معرفت خدا کے بعد عمل و عبادت کے لئے معرفت نبیؐ و امامؑ کی ضرورت ہے جیسا کہ

اسی کتاب کی جلد اوّل میں توحید و ضرورت نبیؐ و ضرورت امام کے عناوین میں تفصیل سے روشنی ڈالی جا چکی ہے۔
پس آیہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔ معرفت کے بعد عبادت کی منزل کو ظاہر کرتی ہے۔
منعم حقیقی کا شکر ادا کرنے کے لئے جب نبیؐ یا امام سے احکامِ شرعیہ کی تعلیم پائی تو مقتضائے بشریت کے لحاظ سے اس میں بھول چوک کا ہونا ضروری ہے اور یہ اندیشہ تھا کہ مبادا انسان اپنی کوتاہیوں کے پیش نظر اس کی رحمت سے مایوس ہو جائے۔ لہٰذا بعد میں پھر الرحمٰن الرحیم کا اعادہ فرما دیا۔ جس میں لطیف اشارہ ہے اس طرف کہ اے انسان مقامِ اطاعت و ادائیگی شکر میں اگر تجھ سے کچھ کوتاہی ہو بھی جائے تو مایوس نہ ہو۔ کیونکہ میں رحمٰن و رحیم ہوں جس طرح وجودِ کائنات اور اس میں تمام ظاہری انعامات میری طرف سے ہیں۔ آخرت کے انعامات و مہربانیاں بھی میری ہی طرف سے ہوں گی۔ جس طرح میں رب العالمین ہوں اسی طرح رحمٰن و رحیم بھی ہوں۔ خطا سرزد ہو جانے کے بعد اگر توبہ کرے گا اور مجھ سے معافی مانگ لے گا تو میں اپنے رحم و کرم سے تجھے معافی دے دوں گا۔ اور اس کے بعد فرمایا مَالِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ یعنی قیامت کا معاملہ میری ذات سے ہی وابستہ ہے اس دن اور کسی کی ملکیت نہ ہو گی۔ نیز اس آیت سے متنبہ کر دیا کہ اے انسان اپنے نتیجہ سے غافل نہ ہو جس طرح میں ایجادِ خلق میں منفرد تھا اور میں نے اپنے ارادہ سے تمام کائنات کو وجود بخشا ہے اور تجھے مقامِ اطاعت پر لا کر کھڑا کیا ہے۔ اسی طرح تجھے اپنی کارکردگی کا بدلہ دینے کے لئے بھی صرف میں ہی ہوں جس طرح ایجاد میری قدرت سے ہے اسی طرح اعادہ بھی میری قدرت سے ہو گا۔ مجھ سے بھاگ کوئی نہیں سکتا تجھے شکر گذاری کی جزا ضرور دوں گا اور اگر احسان فراموشی کر کے سرکشی کرے گا تو اس کی سزا بھی ضرور دوں گا۔

پس یہاں تک پہنچ کر انسان نے مقامِ دنیا میں اپنے پیش و پس کو یعنی مبدأ و معاد کو سمجھ لیا یا یہ کہ دیکھئے کہ مِنْ اَیْنَ وَفِیْ اَیْنَ وَاِلٰی اَیْنَ۔ یعنی کہاں سے آیا اور کہاں آیا اور کہاں جانا ہے۔ تینوں منازل کا تصور سامنے آگیا کہ اللہ نے بھیجا اور مقام اطاعت و عبادت و شکر میں بھیجا اور مقامِ جزا و سزا (قیامت) میں حاضر ہونا ہے جب انسان اس منزلِ معرفت تک پہنچ چکا اور جان لیا کہ میرے ماضی۔ حال مستقبل سب اللہ کے ہاتھ میں ہیں مبدأ و معاد کا مالک صرف وہی ہے تو پس اس کی عظمت قدرت ہیبت جلالت آنکھوں کے سامنے آگئی اور غیب سے خطاب کی طرف پلٹ گیا۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے۔ اَلْمَعْرِفَۃُ بِذْرُ الْمُشَاھَدَۃِ وَالرُّؤْیَۃُ ثَمَرَۃُ الْیَقِیْنِ یعنی معرفت مشاہدہ کا بیج ہے اور رؤیت یقین کا پھل ہے یعنی کسی چیز کی معرفت جب کامل ہوتی ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ سامنے ہے اور گویا میں اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں اسی طرح جب کسی شے کے وجود کا یقین کامل

ہو جاتا ہے۔ تو وہ شے اگرچہ ظاہراً آنکھوں سے اوجھل ہو۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ آنکھوں کے سامنے ہے۔ چنانچہ بحار الانوار ج۴ میں منقول ہے کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے دریافت کیا گیا کہ آپ نے کبھی اپنے خدا کو دیکھا ہے؟ آپ نے فرمایا ہے کہ میں نے بے دیکھے خدا کی عبادت کبھی نہیں کی سائل نے عرض کیا کہ وہ کیسے؟ آپ نے فرمایا کہ آنکھیں اس کو بصارت ظاہریہ سے نہیں دیکھ سکتیں بلکہ دلِ بصیرتِ ایمانیہ سے اس کا مشاہدہ کرتے ہیں

پس معرفت کے بعد زبان پر یہ کلمات جاری ہوئے اِیَّاکَ نَعْبُدُ اے اللہ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔ اس مقام پر نَعْبُدُکَ نہیں کیا اور اِیَّاکَ کو مقدم کیا تاکہ انسان مقامِ اطاعت و عبادت میں بھی پہلے معبود کا تصور کرے اور پھر عبادت کو سامنے لائے یعنی عبادت کو معرفت کے پیچھے قرار دے اور چونکہ مقامِ عبادت میں حق عبادت کا ادا کرنا انسان کے اپنے بس سے باہر ہے تو فوراً دوسرا جملہ انسان کی تعلیم کے لئے ارشاد فرما دیا کہ انسان یہ کہے وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ اے اللہ! اس مرحلہ عبادت میں بھی تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔ کیوں کہ اگر تیری توفیق شامل حال نہ ہو تو ہماری کوتاہیاں ہمیں منزلِ مقصود تک پہنچنے سے مانع رہیں گی۔ نیز یہ بھی احتمال ہو سکتا تھا کہ مقام عبادت میں مبادا یہ خیال پیدا ہو کہ میں عابد ہوں اور حق واجب شکر ادا کر رہا ہوں۔ پس میں اپنے کمال پر پہنچ گیا اس تکبر کے شائبہ کو رفع کرنے کے لئے اس طرف متوجہ کیا گیا کہ توفیقِ عبادت بھی بغیر اسی ذات کی عنایت و امداد کے نہیں ہو سکتی یعنی انسان کا عبادت گذار ہونا بھی اس کی ایک عین النعمت ہے اور اسی کا فیض ہے اس پر بھی شکر گذار ہونا چاہئیے۔

مقامِ عبادت میں کھڑے ہو کر یہ خیال کرنا چونکہ ضروری ہے۔ کہ آیا جس کو میں عبادت و اطاعت سمجھ رہا ہوں یہی عبادت و اطاعت ہے بھی سہی؟ کیونکہ اپنی عقل تعیین عبادت میں کوتاہ ہے (جیسا کہ ہم نے کتاب کی جلد اوّل ضرورت نبیؐ کے باب میں اس کو کافی تفصیل سے بیان کیا ہے) پس ضرورت محسوس ہوئی کہ مقامِ اطاعت و معصیت کے سمجھانے کے لئے خود خدا نے جن برگزیدہ افراد کو نامزد فرمایا ہے اور ان کو اپنی طرف سے بندوں کی طرف عہدہ سفارت عطا فرما کر رسولؐ نبی و امام کے لقب سے ملقب فرمایا ہے۔ یہ طریقے ان ہی سے حاصل کئے جائیں۔ اور یہ مرحلہ بھی چونکہ اس کی توفیق و تائید کے بغیر طے ہونا مشکل ہے لہٰذا ہماری تعلیم کے لئے ارشاد فرمایا۔ اے انسان راہِ ہدایت اور ہادی کی تلاش میں بھی مجھ سے توفیق طلب کر اور پھر راہِ حق پر ثابت قدم رہنے کے لئے بھی مجھ سے توفیق کی دعا مانگ اور کہہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ اے اللہ! سیدھے رستہ پر گامزن ہونے کی اور اس پر ثابت رہنے کی مجھے توفیق دے صِرَاطَ الَّذِينَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ

عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ یعنی ان لوگوں کا رستہ جن پر تو نے انعام نازل فرمایا نہ اُن لوگوں کا رستہ جو مقامِ اطاعت میں اپنے من گھڑت طریقوں پر چلنے کی وجہ سے تیرے غضب کے نیچے آ گئے اور گمراہ ہو گئے۔

یا یوں عرض کروں کہ انسان مرکب ہے دو اہم چیزوں سے ایک روح اور دوسرے جسم۔ روح جزو اشرف و اعلیٰ ہے اور جسم جزو اخس و ادنیٰ ہے۔ روح راکب ہے اور جسم اس کا مرکب ہے۔ روح محل معرفت ہے اور جسم محل عمل ہے۔ پس خداوندِ کریم نے تعلیم معرفت سے ابتدا فرمائی جس کا اہل روح ہے۔ پس جملہ صفاتِ ثبوتیہ و سلبیہ کی طرف اس کو متوجہ فرمایا اور اپنی ربوبیت اُلوہیت کا اعتراف لیا اور اپنے مبدأ و معاد میں مالکِ کل ہونے کا درس دیا جب رُوح نے مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ تک پہنچ کر منازلِ معرفت طے کر لیں تو جسم چونکہ روح کے تابع اور مرکب کی حیثیت سے ہے۔ لہٰذا اس کے اعضاء بول اُٹھے اور اپنے راکب 'روح' کے ارادہ سے متاثر ہو کر خالق کائنات کی عظمت و جلال کو مدِ نظر رکھتے ہوئے پکار اُٹھے۔ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ اور اپنی خطا کے امکان کو محسوس کر کے دُعا مانگ لی۔ کہ میرے مالک تو مجھے اس مقام پر ثابت قدم رکھ کہ انعام پانے والوں کے رستہ سے ہمارے قدم ڈگمگا نہ جائیں تاکہ مستحقین غضب اور گمراہوں کی طرح ہمارا حشر نہ ہو۔ اور جمع کی ضمیریں ذکر کی گئیں جس سے لطیف اشارہ کیا گیا ہے کہ بندوں کے لئے لازم ہے کہ مِل جُل کر بارگاہِ رب العزت میں کھڑے ہو کر یہ آیات اپنی زبانوں سے جاری کریں تاکہ بارگاہِ ایزدی میں شرفِ قبولیت کو پہنچیں گویا ضمنی طور پر یہ آیاتِ نماز جماعت کی تاکید پر دلالت کر رہی ہیں

نیز اس تفصیلی بیان سے سورہ فاتحہ کا علومِ قرآنیہ کے لئے جامع ہونا مدلل طور پر معلوم ہو گیا اور باقی سورہ قرآنیہ پر اس کی تقدیم کی زیادہ وضاحت ہو گئی کیونکہ علوم کل تین ہیں مبدأ کا علم معاد کا علم اور دار التکلیف میں انسان سے اپنے فرائض کا علم جس کو علم الوسیط کے نام سے موسوم کیا گیا ہے کیونکہ یہ مبدأ و معاد کے وسط اور میان میں ہے اور پورے قرآن مجید میں ان ہر سہ علوم کی ابحاث ہیں اور انہیں کے بیانات و براہین و توضیحات ہیں اور سورہ فاتحہ میں یہ تینوں علوم اجمالی طور پر بیان کر دیئے گئے ہیں۔ پس یہ اُمّ الکتاب بھی ہے اور الاساس بھی اور پورے قرآنی بیانات کے لئے بحیثیت موضوع بھی ہے لہٰذا تمام قرآنی سورتوں پر مقدم ہے اس بیان کی ایک اور توجیہ مستقل طور پر (آیات فاتحہ کی معنوی توجیہ) کے عنوان میں بیان ہو گی۔

فائدہ۔ چونکہ تلاوتِ کلام اللہ معنوی طور پر حق سبحانہٗ سے مکالمہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ لہٰذا شروع سے پہلے تمام ان علائق خارجیہ سے جو فیضان انوار قدسیہ سے حرمان یا بُعد کا موجب ہوں اپنے دِل و دماغ کو پاک و صاف کر لینا ضروری ہے اور وساوسِ شیطانیہ کے جال سے طائرِ خیال کو آزاد کر کے تلاوت کرے تاکہ فیوض قدسیہ الٰہیہ سے

زیادہ سے زیادہ بہرہ ور ہو سکے۔ لہٰذا تلاوت سے قبل اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ پڑھے یعنی اللہ کی پناہ چاہتا ہوں اُس شیطان سرکش سے جو راندۂ درگاہِ خدا اور لعنت کا نشانہ ہے۔ خود ذات احدیت کا ارشاد ہے فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ یعنی جب قرآن پڑھو تو شیطان رجیم سے اللہ کی پناہ مانگ لیا کرو اور اسی کو استعاذہ کہتے ہیں۔ سورہ فاتحہ پڑھنے سے پہلے بھی اس کا پڑھنا مستحب ہے اور اسی وجہ سے گو سورہ فاتحہ بلکہ قرآن کے کسی سورہ کی یہ جزو نہیں، لیکن سورہ فاتحہ سے پہلے اس کو لکھا جاتا ہے۔ تاکہ پڑھنے والا جب بھی ابتدا سے تلاوت کرے تو پہلے استعاذہ کر لیا کرے اور پھر قرآن پڑھے۔ اسی طرح نماز میں بھی سورہ فاتحہ سے پہلے آہستہ سے استعاذہ پڑھنا مستحب ہے۔

فائدہ ۲ سورہ فاتحہ میں جب انسان اوّلاً منازل معرفت کی سیر کرتا ہے اور پھر مقامِ اطاعت میں اپنے آپ کو پاکر اپنے مالک حقیقی سے مکالمہ کا شرف حاصل کرتا ہے اور اس سے راہِ حق پر ثبات قدمی کی دعا مانگتا ہے تو اس وقت گویا تمام علائق و موانع خارجیہ سے منقطع ہو کر اپنی ذات کو اللہ کی بارگاہِ قدس میں پاکر قربِ خداوندی کی لذتوں سے بہرہ اندوز ہوتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ خدا کے غضب کردہ اور راہِ راست سے بھٹکے ہوئے لوگوں میں سے میرا شمار نہیں۔ لہٰذا اختتامِ سورہ فاتحہ میں اگر نماز با جماعت ہو تو پیش نماز جب کہے وَلَا الضَّآلِّیْنَ۔ آہستہ سے مقتدی کہیں اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ گویا معنوی طور پر پیش نماز کی قرأت اپنے اور مقتدیوں کے راہِ حق پر گامزن ہونے اور نماز کے مقبول ہونے کی بشارت ہوتی ہے۔ لہٰذا مقتدیوں کو بطور شکر آہستہ سے الحمد للہ رب العالمین پڑھنا مستحب ہے۔ ہمارے نزدیک آمین کہنا اس مقام پر بے جا ہے اور اگر نماز میں عمداً کہے گا تو نماز باطل ہو گی۔

maablib.org

فضائل بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تفسیر برہان میں جناب رسالتمآبؐ سے مروی ہے کہ جو شخص بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھے خداوند کریم اس کے لئے جنت میں ستر ہزار محل یاقوت سرخ کے بناتا ہے کہ ہر محل میں ہزار گھر سفید موتی کے اور ہر گھر میں ستر ہزار تخت زبرجد سبز کے اور ہر تخت پر ستر ہزار فرش سندس و استبرق کے اور ہر ہر فرش پر ایک ایک حور العین اور ہر ہر حور کے ستر ہزار گیسو جو موتیوں اور یاقوتوں سے آراستہ ہوں گے اور اُن کے داہنے رخسارہ پر محمدؐ رسول اللہ بائیں رخسارہ پر علیؑ ولی اللہ اس کی پیشانی پر حسنؑ اور ٹھوڑی پر حسینؑ اور دونوں ہونٹوں پر لکھا ہوگا۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم راوی نے دریافت کیا کہ حضور یہ انعام کس شخص کو ملے گا تو آپؐ نے فرمایا کہ جو حرمت و تعظیم سے پڑھے گا۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم روایت کی طرز بتلاتی ہے کہ یہ انعام آلِ محمدؐ کے موالیان و محبان ہی کے لئے مختص ہے۔

نیز حدیث نبوی میں ہے کہ مومن جب پل صراط سے عبور کرے گا اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو زبان پر جاری کئے گا تو جہنم کے شعلے خاموش ہو جائیں گے اور جہنم کہے گی۔ گذر جا اے مومن۔ کیونکہ تیرا نور میرے شعلوں کو بجھا رہا ہے۔

حدیث نبوی میں ہے کہ جب معلم کسی بچے کو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی تعلیم دیتا ہے تو خداوند کریم اس بچے اور اس کے والدین اور معلم کے لئے آتش جہنم سے آزادی فرض کر دیتا ہے

ایک روایت میں ہے جس کو تفسیر عمدۃ البیان والے نے بھی نقل کیا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ ایک قبر سے گذرے کہ قبر والے پر ملائکہ عذاب نازل ہو رہے تھے چپکے سے گذر گئے۔ جب واپسی پر وہاں سے گذر ہوا تو اُسی قبر پر ملائکہ رحمت کا نزول دیکھ کر متعجب ہوئے اور عرض کی یا اللہ یہ کیا ماجرا ہے؟ تو وحی نازل ہوئی۔ اے عیسیٰ یہ بندہ بہت گنہگار تھا۔ لیکن جب مرا تو اس کی زوجہ حاملہ تھی اس کا بچہ پیدا ہوا تو اس کو تعلیم کے لئے معلم کے سپرد کیا گیا معلم نے اس کو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا درس دیا۔ پس مجھے شرم آتی ہے کہ میں اس بندہ کو قبر میں عذاب کروں۔ جس کا بچہ میرا نام لے رہا ہے۔

بعض روایات میں ہے کہ جب ہمارا شیعہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو تحریک کرتا ہے تو خدا اس پر کوئی آزمائش نازل کر دیتا ہے۔ اور اس کو اپنے شکر کی طرف متوجہ فرماتا ہے اور پھر اس کی وہ کوتاہی معاف کر دیتا ہے۔

تفسیر عمدۃ البیان میں ہے۔ جناب رسالتمآبؐ فرماتے ہیں کہ شب معراج میں نے پانی۔ دودھ۔ شہد۔ شراب

کی چار نہریں دیکھیں۔ جبریل سے دریافت کیا تو جبریل نے عرض کی کہ مجھے حکم ہے کہ آپ کو ان نہروں کے منبع کی سیر کرادوں۔ پس ہم وہاں پہنچے تو دیکھا کہ ایک قبہ ہے جس کا دروازہ مقفل ہے جبریل نے کہا کہ آپ انگلی کا اشارہ اس قفل کی طرف کریں تاکہ قفل کھل جائے چنانچہ آپ فرماتے ہیں کہ میں نے انگلی کا اشارہ کیا وہ قفل کھل کر گر گیا۔ میں اس قبہ میں داخل ہوا اور اس قبہ کے اندر ایک ستون دیکھا جس پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھا ہوا تھا میں نے دیکھا۔ پانی کی نہر بسم اللہ کے میم کے حلقہ سے جاری ہے اور دودھ کی نہر لفظ اللہ کے ہاء کے حلقہ سے جاری ہے اور شہد کی نہر الرحمٰن کے میم کے حلقہ سے اور شراب کی نہر الرحیم کے میم کے حلقہ سے جاری ہے اور بسم اللہ کی بار پر لکھا ہوا دیکھا کہ جو کوئی دنیا میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھیگا یہ قبہ اور چار نہریں اس کو عطا کروں گا۔

بعض روایات میں ہے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا جہر سے پڑھنا علاماتِ مومن میں سے ہے۔ تمام جہری نمازوں میں اس کا جہر سے پڑھنا واجب ہے اور بغیر اس کے نماز باطل ہو جاتی ہے۔ اور اخفاتی نماز میں اس کا جہر سے پڑھنا مستحب ہے۔ روایات سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جس کام سے پہلے بسم اللہ نہ پڑھی جائے۔ اس میں شیطان شریک ہوتا ہے۔ اپنی عورت سے ہمبستر ہونے سے پہلے بسم اللہ پڑھے۔ کھانا کھانے سے پہلے بسم اللہ پڑھے بلکہ دسترخوان پر جتنے کھانے حاضر ہوں ہر ایک کے شروع کرنے سے پہلے بسم اللہ پڑھے۔ پانی پینے سے قبل بسم اللہ پڑھے غرضیکہ ہر امر خیر کو بسم اللہ سے شروع کرے۔ حدیث نبوی میں ہے۔ کہ جو کوئی اہم کام بغیر بسم اللہ کے شروع کیا جائے۔ وہ ناقص و ناتمام ہوتا ہے۔ جب کوئی ذبیحہ اللہ کے نام لیئے بغیر حلال نہیں رہ سکتا۔ حالانکہ ان کی اصل حلال ہے تو انسان کو ایسا ہی سمجھنا چاہیئے کہ تمام حلال رزق گو حلال ہیں لیکن شکر منعم کے طور پر عظمتِ خدا کو یاد کرنا اور اس کے ذکر کے بعد حلالِ خداوندی میں تصرف کرنا امور ضروریہ میں سے ہے۔ گو اس حکم کو شرعی وجوب سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا تاہم مستحب مؤکد ضرور ہے۔ بلکہ اس سے بھی بلند کیونکہ معصوم نے جہر بسم اللہ کو علائم شیعہ میں سے قرار دیا ہے۔

maablib.org

بسم اللہ کا جزو سورہ ہونا

باتفاق مذہب امامیہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سوائے سورہ برأت کے قرآن کی تمام سورتوں کی جزو ہے اور کتب شیعہ و سنی میں اس آیت کریمہ کے فضائل حد احصاء سے زیادہ ہیں بایں ہمہ مقام عمل میں سوائے شیعہ کے باقی مذاہب والوں کے نزدیک اس کی کوئی اہمیت نہیں حتیٰ کہ نماز جیسی اہم عبادت میں بھی دوسرا سورہ شروع کرتے ہوئے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو بالائے طاق رکھ دیا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ اعتراف کرتے ہیں کہ قرآن مجید کے اندر جو کچھ مرقوم ہے اس میں نہ کمی ہے نہ زیادتی اور قرآن مجید میں کوئی فقرہ ایسا نہیں جو غیر قرآن ہو۔ لاکھوں کی تعداد میں حفاظ موجود ہیں اور ہر سورہ کے پہلے بسم اللہ شریف کا ہونا تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن جب بارگاہِ خدا میں عبادت کے عنوان سے کھڑے ہوتے ہیں تو سوائے فاتحہ کے اور کسی سورہ کو بسم اللہ سے شروع نہیں کرتے اور سورہ فاتحہ میں بھی جزو سورہ بنا کر نہیں بلکہ تبرکاً پڑھتے ہیں۔ اب سمجھ سے یہ بات بالا ہے کہ کتابوں میں بسم اللہ کے فضائل کی اس قدر بھرمار کہ دفتر پُر ہو جائیں اور مقام عمل میں اس قدر پہلو تہی۔

ہاں اس قدر اندازہ ہوتا ہے کہ چونکہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے ایک مقام پر ارشاد فرمایا تھا کہ تمام علوم کا جامع قرآن ہے اور علوم قرآنیہ کی جامع سورہ فاتحہ ہے اور سورہ فاتحہ کے علوم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں ہیں اور بسم اللہ کے جمیع علمی خزائن باء بسم اللہ میں ہیں اور باء بسم اللہ کے علمی ذخائر نقطہ باء میں موجود ہیں اور وہ نقطہ میں ہوں۔ پس یہ سنتے ہی بغضِ علیؑ کے متوالوں نے فضائل بسم اللہ کے تمام فرامینِ نبویہ پر یک گونہ قلم نسخ پھیرتے ہوئے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی قرآنیت کا سرے سے انکار کر دیا اور کہدیا کہ یہ آیت مجیدہ جن سورتوں کی ابتدا میں واقع ہے۔ سب تبرک و تیمن کے لیے ہے اور کسی سورت کی جزو نہیں سوائے سورہ نحل کے جہاں وسط سورہ میں واقع ہے وہ جزو سورہ ہے اور اس پر قرائت بھی صادق ہے۔

لیکن اگر سلامتِ طبع سے تعصب کی عینک اتار کر عقلی و نقلی ادلہ کی طرف نظر دوڑائی جائے تو عقل سلیم صاف فیصلہ کر سکتی ہے کہ بسم اللہ کو جزوِ سورت نہ ماننا اور اس کے محض تبرکاً ہونے کا قائل ہونا۔ وقار و عظمتِ بسم اللہ کے خلاف مفت کی ہنگامہ آرائی اور مصداقِ نقطہ باء بسم اللہ کی علمی جلالت و وجاہت کے خلاف فضول و بے معنی کی صدائے صحرائی ہے کیونکہ سورج کے مقابلہ میں گرد اڑانے سے سورج کی روشنی میں کمی نہیں ہو جایا کرتی بلکہ دھول اڑانے والوں کی اپنی آنکھیں گرد کی وجہ سے زیر پردہ ہو جاتی ہیں اور اُن کو داد دینے والوں کا بھی وہی حشر ہوتا ہے۔ اور اُن کے سامنے

دنیا تاریک ہو جاتی ہے حالانکہ حقیقت میں تاریک نہیں ہوتی۔

ادلہ عقلیہ (۱) اگر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہر سورہ کی جزء نہ ہوتی تو صرف تبرک کے لئے اوّل قرآن میں اس کا لکھا جانا کافی تھا جسطرح استعاذہ (اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ) کسی سورہ کی جزء نہیں لہٰذا دوری شیطان کے لئے صرف پہلے ایک دفعہ لکھنا کافی سمجھا گیا ہے۔

۲۔ قرآن مجید سے زائد کلام جو جزء قرآن نہیں کو قرآن سے علیحدہ رکھنا اور اس اشتباہ کا سدِّباب کرنا ابتداء اسلام سے تا دیں زماں انتہائی اہتمام سے کیا گیا ہے اور قرآن پاک میں کسی ایسے جملہ کو رہنے نہیں دیا گیا جو جزء قرآن نہ ہو اور جمیع فرقِ اسلامیہ کے نزدیک موجودہ قرآن میں کوئی زیادتی نہیں۔ اگر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سورہ قرآنیہ کی جزء نہ ہوتی تو قطعاً اس زیادتی کو برداشت نہ کیا جاتا اور ہر سورہ کے شروع میں لکھے جانے پر کسی نہ کسی دور میں تو اس کے خلاف احتجاج کیا جاتا۔ پس وقت نزول قرآن سے دورِ حاضر تک اس کا ہر سورہ کے ابتداء میں مرقوم ہونا اور اس کے خلاف احتجاج نہ ہونا اس امر کی کھلی دلیل ہے کہ یہ جن سورتوں کے اوّل میں ہے ان کی جزء ہے

۳۔ اگر یہ آیت مجیدہ صرف تیمن و تبرک کے لئے ہوتی تو قرآن ہونے کی حیثیت سے سورۂ برأت کو اس تیمن سے محروم نہ کیا جاتا۔

اعتراض۔ سورہ براۃ اگرچہ قرآن ہے لیکن چونکہ اس میں مشرکین سے برأت اور اُن پر غضبِ خدا کے نزول کا ذکر ہے۔ اور بسم اللہ میں خدا وند کریم کی رحمت کا تذکرہ ہے لہٰذا سورہ برأۃ کے پہلے اس کو نہیں لکھا گیا۔

جواب:۔ اگر سورہ براۃ تبرک بسم اللہ سے اس لئے محروم کی گئی کہ اس میں مشرکین سے برات اور اُن پر غضبِ خدا کا ذکر ہے تو اس لحاظ سے سورہ لہب (تَبَّتْ یَدَا اَبِیْ لَهَبٍ الخ) سورہ ماعون (وَیْلٌ لِّلْمُصَلِّیْنَ الخ) اور سورہ حجد (قُلْ یٰاَیُّهَا الْکٰفِرُوْنَ الخ) اور اسی طرح آخری دو سورتیں معوذتین اور سورۃ هُمَزَة (وَیْلٌ لِّکُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ الخ) جن میں صرف عذاب۔ ویل۔ برأت اور استعاذہ کے علاوہ دوسرا کوئی مضمون ہی نہیں ہے ان کے پہلے بھی بسم اللہ کو ذکر نہیں کرنا چاہئے تھا۔ پس معلوم ہوا کہ یہ تو فنی چیز ہے اور جن سورتوں کے پہلے بسم اللہ ہے ان کی چیز ہے۔

۴۔ تمام مسلمانوں کا اجماع ہے کہ سورہ فاتحہ کی آیات سات ہیں اور موجودہ قرأت کے طبع شدہ قرآنوں میں اگر بسم اللہ جزو سورہ فاتحہ نہ ہو۔ تو اس کی سات آیتیں پوری ہو ہی نہیں سکتیں۔

ادلہ نقلیہ:۔ اس مقام پر مولانا امیر الدین صاحب قبلہ مدظلہ العالی کی تحقیقات پر اکتفاء کرتے ہوئے فلک النجات کے بعض اقتباسات پیش کر کے اس بحث کو ختم کرتا ہوں۔

۱۔ المیزان الشعرانی ص۱۳۳ قال الشافعی واحمد انها منها تجب وکذلک القول فی الجهر بها میزان شعرانی ج۱ ص۱۳۳ میں ہے کہ شافعی واحمد کے مذہب میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سورہ فاتحہ کی آیات سے ہے اس لئے اس کا پڑھنا واجب ہے اور اسی طرح فاتحہ کے ساتھ اس کا جہر بھی واجب ہے۔

۲۔ الروضۃ الندیۃ ص۶۷ قد اورد شیخنا العلامۃ الشوکانی فی شرح المنتقی (فی التسمیۃ) مالا یحتاج الناظر فیہ الی غیرہ الحاصل ان الحق ثبوت قرأتها (ای البسملۃ) فانها اٰیۃ من کل سورۃ (ترجمہ) روضہ ندیہ ص۶۷ میں ہے بتحقیق شیخ ہمارے علامہ شوکانی نے شرح منتقی میں بسم اللہ کے بارہ میں اس قدر کافی مضمون لکھا ہے کہ جو اس کو دیکھے پھر دوسری کتاب دیکھنے کی اس کو حاجت نہیں رہتی۔ الحاصل حق یہ ہے کہ بسم اللہ کا پڑھنا ثابت ہے اور وہ ہر سورہ کی آیت ہے۔

۳۔ عن علیؓ ان النبیؐ کان یجهر فی المکتوبات ببسم اللہ فی السورتین جمیعا کذا رواہ الدارقطنی فی سننہ ص۱۱۴ (ترجمہ) علیؓ سے مروی ہے کہ نبی علیہ السلام فرضی نماز کی ہر دو سورتوں میں بسم اللہ کو بآواز بلند پڑھتے تھے۔ اسی طرح دار قطنی نے اپنے سنن ص۱۱۴ میں روایت کیا ہے۔

۴۔ قال النووی فی الشرح ص۱۷۲ باب حجت من قال البسملۃ اٰیۃ من اول کل سورۃ سوی براۃ فیہ حدیث انس (ترجمہ) نووی نے شرح مسلم ج ص۱۷۲ میں کہا ہے۔ باب اس شخص کی دلیل میں جس نے کہا ہے کہ سوا سورہ برأت کے ہر سورت کے اول میں بسم اللہ آیت ہے (اسی سورت کی جس کے اول میں ہے) اس میں انس کی حدیث ہے۔

۵۔ نصب الرایۃ ص۴۷ روی الحاکم عن انس قال صلیت خلف النبیؐ وابی بکر وعمر وعثمان وعلی، فکانوا یجهرون ببسم اللہ (ترجمہ) نصب الرایہ ص۴۷ میں ہے حاکم نے انس سے روایت کی ہے کہ میں نے نبی علیہ السلام وابوبکر وعمر وعثمان وعلیؓ کے پیچھے نماز پڑھی اور وہ سب بسم اللہ کو جہر سے پڑھتے تھے۔

اِن کے علاوہ علامہ موصوف نے اس موضوع پر بکثرت روایات جمع فرمائی ہیں جن میں اکابر صحابہ کا جہر سے بسم اللہ کا پڑھنا کتب معتبرہ سے نقل فرمایا۔ اور اکابر علمائے اسلام اور آئمہ فقہ مثل امام شافعی وامام احمد کے کا بسم اللہ کے جزو ہر سورت ہونے کا قول بھی نکل فرمایا اور جناب رسالتمآب کا جہر بسم اللہ سے نماز پڑھنا ثابت فرمایا۔

روایات بتلاتی ہیں کہ ابتدائے اسلام میں بسم اللہ کے جزو سورت ہونے اور نماز میں اس کے بالجہر پڑھنے میں کسی کو کوئی اختلاف نہ تھا لیکن جب معاویہ کا دورِ حکومت آیا تو بسم اللہ کے چھپانے میں اس نے پہل کی چنانچہ اس نے نماز

میں بسم اللہ کو ترک کر دیا۔ جس پر مہاجرین و انصار پکار اٹھے یَا مُعَاوِیَۃُ اَسَرَقْتَ الصَّلٰوۃَ اَمْ نَسِیْتَ اَیْنَ بِسْمِ اللّٰہِ (ترجمہ) اے معاویہ کیا تو نے نماز میں چوری کی ہے یا بھول گیا ہے۔ بسم اللہ کہاں گئی؟ اس روایت کو مولانا موصوف نے مسند شافعی و دیگر کتب معتبرہ اہلسنت سے نقل فرمایا ہے۔ اسی کی وجہ صرف یہی معلوم ہوتی ہے کہ چونکہ حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام اتباع رسول کرتے ہوئے جہر بسم اللہ پہ زور دیتے تھے۔ معاویہ کو حضرت علیؑ کے ساتھ چونکہ دشمنی تھی۔ لہٰذا ان کی خصوصیات کے مٹانے کے لیے بسم اللہ پر اپنی بھڑاس نکالی اور شائد اس کے ساتھ یہ وجہ بھی بعید نہیں ہے کہ حضرت امیر علیہ السلام چونکہ فرماتے تھے کہ اَنَا النُّقْطَۃُ تَحْتَ الْبَاءِ۔ میں باء بسم اللہ کے نیچے والا نقطہ ہوں جسمیں تمام علوم موجود ہیں تو اس نے حضرت کی اس منقبت پہ پردہ ڈالنے کے لئے بسم اللہ پر ہی ہاتھ صاف کر لیا۔ چنانچہ فخر الدین رازی کی تفسیر کبیر سے اس کی تائید موجود ہے جس کو مولانا موصوف نے اصل عبارت عربی کے ساتھ نقل فرمایا ہے اور ہم طول سے بچتے ہوئے صرف اردو ترجمہ پر اکتفا کرتے ہیں۔

امام فخر رازی نے اپنی تفسیر کبیر ج ۱ ص ۱۶۰ مطبوعہ مصر میں کہا ہے کہ نیز اس میں (یعنی روایات بسم اللہ کے اخفات پڑھنے میں جو انس سے بالاضطراب مروی ہیں) دوسری تہمت اور عیب (آہستہ بسم اللہ پڑھنے والے پر) وارد ہے وہ یہ ہے کہ بتحقیق علی علیہ السلام جہر بسم اللہ میں مبالغہ کرتے تھے اور جب بادشاہی اور سرداری بنی امیہ کے پاس پہنچی تو انہوں نے منع جہر تسمیہ میں مبالغہ کیا اس واسطے کہ حضرت علیؑ کے آثار کو مٹانا چاہتے تھے۔ پس شائد انس بنی امیہ سے ڈر گیا ہو اور اس سبب سے اس کے مضطربہ اقوال بسم اللہ کے جہر میں منقول ہیں (ورنہ خود انس جہر کا قائل تھا)۔ اور اسی تفسیر کبیر جلد اول ص ۱۶۱ میں ہے ساتویں وجہ یہ کہ دلائل عقلیہ ہمارے موافق ہیں اور علی بن ابی طالب کا عمل بھی ہمارے ساتھ ہے اور جس نے حضرت علیؑ کو اپنے دین کا امام بنایا اس نے محکم دستاویز سے تمسک کیا۔ اسی تفسیر کے ص ۱۵۹ میں ہے کہ حضرت علیؑ کا یہ مذہب تھا کہ بسم اللہ کو تمام نمازوں میں (خواہ سری ہوں خواہ جہری) باآواز بلند پڑھتے تھے۔ میں کہتا ہوں (قائل فخر رازی ہے) یہ دلیل میرے دل میں قوی ہے اور میری عقل میں مضبوط ہے بایں حد کہ ہرگز مخالفین کے کلمات سے زائل نہیں ہو سکتی۔ اور بیہقی نے سنن کبریٰ میں ابی ہریرہ سے روایت کی ہے کہ رسولؐ اللہ نماز میں بسم اللہ جہر سے پڑھتے تھے۔ پھر شیخ بیہقی نے عمر بن خطاب و ابن عباس و ابن عمر و ابن زبیر سے جہر کی روایات لکھی ہیں اور تحقیق علی بن ابی طالب بسم اللہ کو باآواز بلند پڑھتے تھے اور جس نے اپنے دین میں جناب علی بن ابی طالب کی اقتدا کی اس نے ہدایت پائی اور راہ راست پالیا اور اس پر نبی کا قول دلیل ہے کہ یا اللہ حق کو علیؑ کے ساتھ پھیر دے جس طرف کہ علیؑ پھرے۔ انتہی از تفسیر کبیر

اب منصف مزاج طبائع خود بخود اس نتیجہ پر پہنچ سکتی ہیں کہ اہلبیت رسولؐ کی عداوت نے لوگوں کو کہاں تک پہنچا دیا جس طرح نماز میں بسم اللہ کا جہر سے ترک کرنا اسی عداوت کا نتیجہ ہے اسی طرح بسم اللہ کی جزئیت قرآن کا انکار بھی اسی عداوت کی پیداوار ہے۔ کیونکہ روایت سابقہ میں یہ نہیں کہ معاویہ نے بسم اللہ کو اخفات سے پڑھا اور صحابہ نے اس پر اعتراض کیا بلکہ روایت کے صریح لفظ یہ ہیں کہ اِنَّ مُعَاوِیَۃَ صَلّٰی بِالْمَدِیْنَۃِ فَلَمْ یَقْرَءْ بِبِسْمِ اللّٰہِ الخبر (ترجمہ) معاویہ نے مدینہ میں نمازِ عشاء پڑھائی اور نماز میں بسم اللہ کو نہ پڑھا (نہ اخفات سے نہ جہر سے) یہی وجہ ہے کہ مہاجر و انصار نے پکار کر کہا کہ تو نے چوری کی ہے یا بھول گیا ہے؟ ورنہ اخفات سے پڑھا ہوتا تو چوری یا بھول کا سوال غلط تھا اور رازی کی توجیہہ سابق سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ معاویہ کے ڈر سے لوگ دینِ حق کو چھپانے میں اور مذہب اہلبیت پر پردہ ڈالنے میں ذرہ بھر باک نہیں سمجھتے تھے جیسا کہ انس صحابی رسولؐ کے متعلق رازی نے خود ذکر کیا ہے۔ اور اسی تشدد کی بناء پر شریعت رسولؐ کے حقیقی احکام اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِھِمْ (لوگ بادشاہوں کا دین اختیار کر لیا کرتے ہیں) کی نذر ہو گئے۔ پس صاف ظاہر ہے کہ بسم اللہ کے جہر سے پڑھنے تک محدود نہیں بلکہ جزئیت بسم اللہ بھی اسی تشدد کا شکار ہو گئی۔ چنانچہ مولانا امیر الدین مدظلہ نے تفسیر کبیر کی عبارت نقل کرنے کے بعد شرح مواہب لدنیہ (زرقانی) سے یہ عبارت نقل فرمائی ہے۔ قال السھیلی نَزَلَتِ الْبَسْمَلَۃُ مَعَ کُلِّ سُوْرَۃٍ بَعْدَ اِقْرَاءِ (ترجمہ) سہیلی نے کہا ہر سورت کے ساتھ اِقْرَءْ کے بعد بسم اللہ اتری ہے (یعنی ہر سورہ کی جزء ہے بسم اللہ)

اسی بناء پر امام حضرت جعفر صادقؒ مقامِ تعجب میں ارشاد فرماتے ہیں کہ خدا ان لوگوں کو رسوا کرے (جنہوں نے بسم اللہ کو چھوڑ دیا) ان کو کیا ہو گیا ہے کہ قرآن مجید کی عظیم ترین آیت کے متعلق انہوں نے یہ خیال کر لیا کہ اس کا اظہار کرنا بدعت ہے

تکمیل مطلب کے لئے اس مقام پر دو اعتراضوں کا جواب دینا ضروری ہے۔

اعتراض ۱ اگر بسم اللہ کو جزو قرآن تسلیم کیا جائے تو بسم اللہ قرآن ہو جائے گی اور حکم ہے کہ قرآن کی تلاوت کے وقت پہلے بسم اللہ پڑھی جائے۔ لہٰذا بسم اللہ سے پہلے ایک اور بسم اللہ کا پڑھنا لازم ہو گا اور پھر یہ سلسلہ آگے چلا جائے گا۔

جواب ۱ اس طرح تو حمد کے متعلق بھی ایک مشہور حدیث موجود ہے کہ جو کام اللہ کی حمد کے بغیر شروع کیا جائے وہ ناقص ہے لہٰذا الحمد للہ رب العالمین کو جزئیت سے خارج ہونا چاہیئے۔ پس جو جواب اس اشکال کا ہو گا اس کا بھی وہی ہے کیونکہ آیت الحمد کو اگر قرآن مانیں تو اس سے پہلے ایک اور الحمد پڑھنی چاہیئے اور یہ سلسلہ پھر آگے چلا جائے گا۔

جواب ۲ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم جزو سورہ ہے اور یہ کہ ہر امر خیر کو بسم اللہ سے شروع کرنا ضروری ہے خود بسم اللہ کو شامل نہیں جس طرح مثلاً کہا جاتا ہے کہ حضرت آدم ابوالبشر ہیں یعنی تمام انسانوں کے باپ ہیں حالانکہ خود بھی بشر اور انسان ہیں اور ابوالبشر کہنے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ معاذ اللہ اپنے بھی باپ ہیں بلکہ وہ خود اس سے مستثنیٰ ہیں۔ نیز کہا جاتا ہے بدنِ

انسانی میں سر تمام اعضاء سے بلند ہے حالانکہ خود بھی عضو ہے پس مقصد یہ ہوتا ہے کہ اپنی ذات کو چھوڑ کر باقیوں سے بلند ہے اسی طرح حضرت محمد مصطفےٰ تمام نبیوں کے سردار ہیں حالانکہ خود بھی نبی ہیں یعنی اپنی ذات کے علاوہ تمام نبیوں کے سردار ہیں وعلیٰ ہذا القیاس پس اس مقام پر بھی یہی کہا جائے گا کہ بسم اللہ کے پہلے پڑھنے کا حکم اس کے ماسوا باقی قرآن کے لیئے ہے۔

اعتراض۔ اگر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو سورہ فاتحہ کی جزو قرار دیا جائے تو آیت الحمد للہ رب العالمین کے بعد الرحمٰن الرحیم کا دوبارہ تکرار خالی از فائدہ ہوگا۔

جواب ۱ آیت بسم اللہ میں الرحمٰن الرحیم اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ جو ذات دنیا و عقبیٰ کی نعمات کے عطا کرنے والی ہے انسان کے لئے سزاوار ہے کہ اُس کی نعمات میں سے ہر نعمت کے تصرف میں لانے سے پہلے اس کا ذکر زبان پہ جاری کرے۔ اور حمد کے بعد پھر ان دونوں صفتوں کا لانا اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ ہر نعمتِ الہیہ کے تصرف کے بعد اس کے منعم حقیقی ہونے کا لحاظ رکھتے ہوئے کلمۂ حمد زبان پر جاری کرے یعنی اس کی رحمانیت اور رحیمیت جسطرح ہر کام کی ابتدا میں اس کے ذکر کو واجب کرتی ہیں اسی طرح اس کی رحمانیت و رحیمیت ہر کارِ خیر کے انجام پر اس کے شکر کو ضروری قرار دیتی ہیں۔ گویا آیۃ بسم اللہ میں یہ دونوں صفتیں اس کے وجوبِ ذکر کی علت ہیں اور آیہ حمد کے بعد یہ دونوں صفتیں اس کے وجوب شکر کی مقتضی ہیں پس ان کا تکرار بے فائدہ نہیں بلکہ ان کے بغیر دعوائے حمد بلا دلیل ہو کر افادیت کے منزل سے ہٹ جاتا ہے۔

۲۔ دوسرا جواب ہے جس کو ترتیب آیات فاتحہ کے عنوان میں بیان کیا جا چکا ہے کہ پہلی آیت میں پہلے پہل معرفتِ توحید کا درس دینا مطلوب تھا اور چونکہ اللہ کی ذات کا تصور کنہِ حقیقت سے محال ہے پس یہ صفتیں وضع کی گئیں تاکہ ان صفات سے اس کی معرفت ہو جائے اور انسان اس کی نعمات کا شکر ادا کرنے میں آگے بڑھے اور اس کے بعد الرحمٰن الرحیم کے ذکر سے ایکطرف تو شکر بجالانے والے کے لیئے اخروی بشارت ہے کیونکہ رحیم کا معنی کیا گیا ہے اُخروی نعمات کے عطا کرنے والا اور دوسری طرف ادائیگی حمد میں کوتاہی ہو جانے کے بعد رحمانیت و رحیمیت انسان کو مایوس و ناامید ہونے سے بچاتی ہیں اور توبہ کی طرف مائل کرتی ہیں پس پہلی آیت میں یہ دونوں صفتیں موجبِ معرفت ہیں اور حمد کے بعد باعثِ شکر بھی ہیں اور داعی توبہ بھی ہیں اور مژدۂ جنت بھی ہیں۔

۳۔ الحمد للہ رب العالمین میں چونکہ عالمین کی ربوبیت ذات اللہ کے لیئے ثابت ہے اور ربوبیت کو صفت قرار دیا گیا تھا اور نیز صفات چونکہ اسکی عین ذات ہیں لہٰذا اس صفتِ ربوبیت کے تصور سے خیال پیدا ہونا ممکن تھا کہ یہ صفت عین ذات ہوگی پس اللہ فاعل موجب ہوگا۔ یعنی یہ صفت اس سے جدا ہو سکتی ہی نہیں پس وہ مجبور ہے اس امر پر کہ

فرائض ربوبیت انجام دے کیونکہ ربوبیت اس کی عین ذات ہے۔ اگر ربوبیت نہ رہے گی تو وہ نہ ہوگا جس طرح سورج کی ذات سے روشنی جدا نہیں ہے۔ اور وہ مجبور ہے کہ روشنی پھیلائے۔ اگر روشنی اس سے جدا ہو جائے تو سورج سورج نہ رہے گا۔ اور یہ بھی مسلمات میں سے ہے فاعلِ موجب یعنی جو اپنے فعل میں مجبور ہو حمد کا سزاوار نہیں ہوتا۔ کیونکہ حمد کا سزاوار صرف وہ ہوتا ہے جو اپنے اختیار سے کوئی احسان کرے۔ پس اس احتمال و خدشہ کو دور کرنے کے لئے رب العالمین کی لفظ کے بعد فورا الرحمٰن الرحیم کا اضافہ فرمادیا کہ صفت ربوبیت میں میں مجبور نہیں ہوں بلکہ یہ بھی میرے احسانات میں سے ہے اور میں اس کا فاعل مختار ہوں۔ پس صفت ربوبیت اس کا اختیاری فعل ثابت ہوا اور محسن کے اختیاری و ارادی فعل پر اس کی حمد ضروری ہوا کرتی ہے۔ لہٰذا احمد کا ثبوت اس کی ذات کے لئے ضروری ہے اگر الرحمٰن الرحیم کا اضافہ نہ ہوتا تو اس شبہ کا کوئی اور جواب نہ تھا۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ الرحمٰن الرحیم کا دوبارہ آیۃ حمد کے بعد ذکر ہونا افادہ مطلب کے لئے ضروری ہے۔ یہ وجوہات میں نے نہ کسی کتاب سے اخذ کی ہیں اور نہ اس تفسیر کے لکھنے سے پہلے میرے ذہن میں تھیں بلکہ جب اس مقام پر پہنچا تو ذاتِ احدیت نے دماغ میں القاء کر دیں وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم والحمد للہ رب العالمین۔

maablib.org

نقطۂ باءِ بسم اللہ

علامہ بہاؤندی نے خوینۃ الجواہر ص۵۷ میں سید نعمت اللہ جزائری کی کتاب مقامات النجات سے نقل فرمایا ہے کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا۔ عِلْمُ مَاکَانَ وَمَایَکُوْنُ کُلُّہٗ فِی الْقُرْآنِ وَعِلْمُ الْقُرْآنِ کُلِّہٖ فِی الْفَاتِحَۃِ وَعِلْمُ الْفَاتِحَۃِ فِی بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ وَعِلْمُ الْبَسْمَلَۃِ کُلِّہٖ فِی بَائِھَا وَاَنَا النُّقْطَۃُ تَحْتَ الْبَاءِ (ترجمہ) ماکان ومایکون کا تمام علم قرآن مجید میں ہے اور قرآن مجید کا تمام علم سورہ فاتحہ میں ہے اور سورہ فاتحہ کا تمام علم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں ہے اور بسم اللہ کا تمام علم اس کی با میں ہے اور میں باء کے نیچے والا نقطہ ہوں۔

تقدیم فاتحہ کے عنوان میں یہ روایت بیان کی جا چکی ہے لیکن کان ومایکون کی بجائے اس میں کتب سماویہ کے الفاظ ہیں اور آخری لفظ یہ ہیں کہ باء بسم اللہ میں جو کچھ ہے وہ نقطہ باء میں موجود ہے اور میں وہی نقطہ ہوں

اعتراض۔ کہا جاتا ہے کہ اس زمانہ میں قرآن مجید پر نقطے لگائے نہیں گئے تھے جب نقطے نہ تھے تو کیسے درست ہے کہ حضرت علیؑ نے کہا ہوگا میں باء بسم اللہ کے نیچے والا نقطہ ہوں۔ پس معلوم ہوا کہ یہ حدیث محلِ اعتبار سے ساقط ہے

جواب۔ یہ درست ہے کہ نقطے بعد میں لگائے گئے لیکن نقطے کا بنانا ادبات ہے اور لگانا اور شے ہے ایسا نہیں کہ نقطے بعد میں بنائے گئے۔ بلکہ تاریخ یہ کہتی ہے کہ نقطے بعد میں لگائے گئے کیونکہ اگر نقطے پہلے سے بنے ہوئے نہ ہوتے تو ب، ت، ث، ج ح خ وغیرہ متشابہ حروف کی تمیز کیسے ہو سکتی۔ یہ ادبات ہے کہ مسلسل تحریر میں ماہرین لوگ مطلب کو بغیر نقاط کے سمجھ سکتے ہیں اور پڑھ سکتے ہیں اور آج کل بھی شکستہ تحریروں میں عموماً نقاط کا اعتبار نہیں کیا جاتا اور باہم قرائن کے ملانے سے مکتوب الیہم کو پڑھنے اور سمجھنے میں کوئی دقت محسوس نہیں ہوتی لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ حروفِ تہجی میں سے بھی نقاط اڑا دیئے جائیں اور ابتدائی تعلیم والوں کے لئے تعلیم کا رستہ ہی بند ہو جائے پس اس زمانہ میں بھی نقاط موجود تھے اور تعلیم و تعلم میں حروفِ تہجی کی باہمی شناخت کا دارومدار نقطوں پر تھا۔ لیکن عربی اُن کی مادری زبان تھی۔ لہٰذا کاتب حضرات لکھتے وقت نقطوں کو نظر انداز کر دیتے تھے اور ان کے بغیر بلا دقت پڑھ سمجھ لیا کرتے تھے۔ بعد ازاں رفتہ رفتہ اسلام جب اطراف عالم میں پھیلنا شروع ہوا اور غیر عربوں نے قرآن مجید کو حاصل کرنا چاہا تو ان کی چونکہ مادری زبان نہ تھی لہٰذا بغیر نقاط کے ان کے لئے پڑھنا مشکل تھا۔ پس نقاط لگا دیئے گئے اور یہ مشکل غیر عربوں کی ختم ہو گئی۔

۲ جسطرح نقطے بعد میں لگوائے تھے اسی طرح اعراب زبر۔ زیر۔ پیش۔ جزم وغیرہ بھی بعد میں لگوائی گئیں تو کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ پہلے عربی زبان اور قرآن مجید میں اعراب نہ تھے اور بعد میں ہوئے بلکہ یہ ہرگز نہیں کیونکہ اعراب و نقاط بعد میں بنائے نہیں گئے صرف لگائے گئے ہیں۔ پہلے اسلام چونکہ صرف عرب میں تھا پس ماہرین لسان کو اپنی زبان کے لکھنے یا پڑھنے میں اعراب لگانے کی ضرورت نہ تھی اور جب اسلام عجم میں پھیلا تو دونوں چیزوں کی ضرورت ہوئی۔ پس معلوم ہوا نقطے اور اعراب پہلے سے تھے

۳۔ اگر نقطے اور اعراب وغیرہ پہلے سے نہ ہوتے تو بعد میں ان کا اضافہ تحریف قرآن کا موجب ہوتا اور چونکہ بعد میں ان کا لگنا تحریف کا موجب نہیں ہوا معلوم ہوا کہ یہ پہلے سے داخل قرآن تھے۔ پس حضرت امیر علیہ السلام کے فرمان پر اس قسم کے اعتراضات چشم کوری اور بد باطنی ہی ہے۔

سوال:۔ فاتحہ میں تمام علوم کا ہونا تو مسلم ہے جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے لیکن تمام علوم کا باء میں ہونا یا باء کے نقطہ میں ہونا سمجھ میں نہیں آسکتا بلکہ ظاہراً حرف مفرد میں یا نقطہ میں علوم قرآنیہ کا سمانا محالات میں سے ہے۔

جواب:۔ اس کی توجیہ علامہ نہاوندی نے اس طرح فرمائی ہے کہ حروف تہجی میں الف تمام حروف سے پہلے بھی ہے اور مجرد بھی ہے سیدھا بھی ہے اور بلند بھی ہے پس عالم حروف میں اس کی حیثیت ایسی ہے جسطرح عالم موجودات میں ذات رب العزت کا وجود کہ وہ سب سے پہلے بھی ہے مجرد بھی ہے بلند و متعالی بھی ہے اور الف کے بعد عالم حروف میں باء حرف اوّل ہے جسطرح وجود ذیجود جناب رسالت مآبؐ عالم موجودات میں موجود اوّل ہے ہم شکل حروف کی باہمی امتیاز نقاط سے ہوتی ہے لہٰذا باء کو عالم حروف میں اپنے ہمشکل حروف سے تحتانی نقطہ کے ذریعہ تمیز حاصل ہے اسی طرح عالم موجودات میں مخلوق اوّل حضرت محمد مصطفےٰؐ کے وجود ذیجود کو وجود عیسیٰؑ کے ساتھ اختصاص و تمیز عطا کی گئی انتہیٰ عالم حروف یا وجود کتابی میں باء اور نقطہ ایک ہی وجود رکھتے ہیں اسی طرح عالم موجودات یا وجود خلقی میں نور محمد و نور علی ایک ہی نور ہیں جیسا کہ ارشاد ہے اَنَا وَعَلِیٌّ مِنْ نُوْرٍ وَاحِدٍ میں اور علیؑ ایک ہی نور سے ہیں۔ کتاب ہذا کے حصہ اوّل صـ ۲۳۵ پر حضرت امیرؑ کا فرمان ملاحظہ ہو (جناب رسالتمآبؐ کی خلقت نوری کی تفصیلی روایات کتب مفصلہ میں مذکور ہیں اس مقام پر ان کا ذکر کرنا موضوع سے خارج ہے) نیز عالم حروف میں باقی تمام حروف سے باء کو الف سے انتہائی قرب حاصل ہے اسی طرح عالم موجودات میں حضرت رسالت مآبؐ کو اللہ سے جو قرب حاصل ہے اور کسی کو حاصل نہیں۔ باء چونکہ الف سے وضعی طور پر قرب رکھتا ہے یعنی حروف بنانے والے نے باء کو الف کے قریب رکھدیا ہے لہٰذا باء میں قرب الف کی کوئی ذاتی خصوصیت نہیں اگر آج بھی دنیا والے حروف کی وضعی ترتیب

کو بدل کر باء کے قرب کو الف سے ہٹا دیں تو اسمیں کوئی قباحت نہیں نہ پہلے سے اسمیں کوئی خصوصیت تھی اور نہ بعد قرب الف حاصل ہونے کے اس میں کوئی خاص استحقاق کی وجہ پیدا ہوئی ہے۔

لیکن وجود ذیجود رسالتمآب کی پہلے کی خصوصیت ارادۂ کاملہ ذاتِ احدیت ہے جو خالی از مصلحت نہیں اور اس کا قربِ حقیقی اُسی مخلوق کے لئے سزاوار ہے جس کو اس نے اپنے اختیار و ارادۂ کاملہ سے تمام فضائل و کمالاتِ ممکنہ سے سرفراز فرمایا ہو اور ان کمالات میں باقی کسی کو اس کا شریک نہ کیا ہو پس اُس نے اِس مخلوقِ اوّل کو تمام امکانی کمالات میں امتیاز کامل عطا فرمایا اور افضلِ موجودات قرار دیا اور وہ تمام صفاتِ حسنہ جو حدودِ امکان کے اندر کسی کو عطا ہو سکتی ہیں۔ آنحضور کو اُن سے مشرف فرما کر ارشاد فرمایا۔ لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاكَ اور علم چونکہ تمام کمالات میں سے اشرف کمال ہے۔ لہٰذا حضور کو علومِ ماکان و مایکون میں اس قدر عطا فرمایا کہ نطاقِ امکان میں اس سے زیادہ گنجائش نہ تھی پس معلوم ہو گیا کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے اس فرمان میں کہ جمیع علوم کان و مایکون یا جمیع علوم کتبِ سماویہ بسم اللہ میں ہیں۔ اس باء سے تاویلی طور پر وجود حضرت خاتم الانبیاءؐ ہے نہ کہ ظاہری حرف باء جو حروفِ تہجی میں دوسرے نمبر پر ہے۔ چنانچہ حضرت امیرؑ کا آخری فقرہ کہ نقطہ باء میں ہوں۔ صاف طور پر اس امر کا کاشف ہے کہ باء سے مراد آنحضور ہی ہیں۔

اب مطلب صاف ہوا کہ تمام علومِ قرآنیہ باء بسم اللہ میں ہیں اور باء بسم اللہ کے تمام علوم نقطہ باء میں ہیں جو باء کے نیچے ہے۔ یعنی تمام علوم قرآنیہ کا خزانہ حضرت رسالتمآبؐ اور حضرت رسالتمآبؐ کے تمام علوم کا خزانہ وجودِ علیؑ جو باقی کائنات سے افضل اور حضرت رسالتمآبؐ کے ماتحت ہے اور حضرت علیؑ کا علومِ رسالت کا وارث ہونا کتب آثار میں تواتر سے ثابت ہے اسی کتاب کی جلد اوّل میں بعض احادیث نقل کی گئی ہیں جن سے منصف طبائع اطمینان حاصل کر سکتی ہیں اور علومِ قرآنیہ میں حضرت علیؑ کی کمالِ وسعت کے مظاہرے کتب آثار میں اتنی کثرت سے منقول ہیں کہ ان کے یکجا کرنے سے ضخیم کتابیں پُر ہو سکتی ہیں جبھی تو آپ ارشاد فرماتے تھے۔ لَوْ ثُنِّيَتْ لِيَ الْوِسَادَةُ لَذَكَرْتُ فِي تَفْسِيرِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ حَمْلَ بَعِيرٍ الدمعة الساكبة عن ابن عباس انه شرح له في ليلة واحدة من حين اقبل ظلامها حتى صباحها في شرح الباء من بسم الله ولم يتعد الى السين وقال لو شئت اوقرت اربعين بعيرا من شرح بسم الله ص ۹۶ (ترجمہ) اگر میں تکیہ لگا کر بیٹھ جاؤں تو صرف بسم اللہ کی تفسیر اس قدر بیان کروں کہ اونٹ بار ہو جائے۔ ابن عباس سے مروی ہے کہ حضرت امیرؑ نے میرے سامنے ایک رات شروع تاریکی سے سفیدیٔ صبح تک باء بسم اللہ کی شرح فرمائی اور سین تک نہ پہنچے اور فرمانے لگے کہ اگر چاہوں تو بسم اللہ کی شرح سے چالیس اونٹ بار کر دوں

تعظیم ضرائح مقدسہ ایاک نعبد کے منافی نہیں

خیال تھا کہ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ اور مَالِکِ یَوْمِ الدِّیْن کے متعلق کچھ لکھوں لیکن زیادہ طول ہو جانے کے خوف سے ان بیانات کو اس مقام پر چھوڑتا ہوں اور کسی دوسرے مناسب مقام پر حسبِ وسعت عرض کرنے کی کوشش کروں گا فی الحال اس مقام پر ایاکَ نعبدُ و ایاکَ نستعین کے پیشِ نظر مخالفین کی جانب سے شیعوں پر جو اعتراضات کئے جاتے ہیں ان کا حل یا رد ضروری سمجھتا ہوں۔

اعتراض۔ عبادت کا معنی ہے انتہائی خضوع اور ایاکَ کا مقدم ہونا دلالت کرتا ہے کہ خضوع صرف اللہ کی ذات کے لئے ہی ہے۔ لہٰذا کسی غیر اللہ کے سامنے انتہائی خضوع موجبِ شرک ہے۔ پس شیعوں کا آئمہ طاہرینؑ کی ضرائح مقدسہ کی زیارت اور ان کی تعظیم اور اُن کو بوسہ دینا وغیرہ یہ سب عبادت غیر اللہ ہے لہٰذا شرک ہے اور اسی طرح ضرائح مقدسہ کی شبیہیں بنا کر ان کی تعظیم کرنا بھی شرک ہے اور ان افعال کو بت پرستی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

جواب:۔ عبادت کا مفہوم بے شک غایتِ خضوع ہے لیکن غایتِ خضوع کا مطلب یہ نہیں کہ جس کو عبد خضوع سمجھے وہ خضوع ہے اور جس کو عبد خضوع نہ سمجھے وہ خضوع نہیں ہے آقا اپنے غلام سے کہے کہ میرے آگے چل اور غلام کہے نہیں حضور! اس میں گستاخی ہے میں تو آپ کے پیچھے ہی چلوں گا۔ اس کو خضوع نہیں کہتے۔ بلکہ خضوع یہ ہے کہ اپنے آقا و مولا کے ہر حکم کو بلا پس و پیش قبول کرے خواہ اس کی اپنی دانست میں اس حکم پر چلنا خضوع ہو یا خلافِ خضوع کیونکہ آقا اپنے حکم کی مصلحت کو جس طرح خود سمجھ سکتا ہے غلام نہیں سمجھ سکتا اور یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ اپنے ہر حکم کی مصلحت کو اپنے غلام پر واضح کر دے۔

حجرِ اسود۔ کعبۃ اللہ۔ صفا و مروہ وغیرہ ان سب چیزوں کی تعظیم کا چونکہ اس نے امر فرمایا اور شعائر اللہ کی تعظیم کو تقویٰ سے تعبیر فرمایا۔ اب عبد جس نے فرائض عبدیت ادا کرنے ہیں اس کو یہ دریافت کرنے کی ضرورت نہیں کہ تو نے یہ حکم کیوں دیا۔ ہم کیوں ان جمادات کی تعظیم کریں جب کہ ہم اشرف المخلوقات ہیں؟ پس جب علم ہے کہ خدا ان کی تعظیم کو محبوب رکھتا ہے لہٰذا ان کی تعظیم کرنا ہی غایت خضوع ہے۔ اگرچہ وہ غیر اللہ ہیں اور درحقیقت یہ تعظیم ان چیزوں کی نہیں بلکہ اللہ کے حکم کی تعظیم ہے۔ اسی طرح حجرِ اسود کو بوسہ دینا گو مصلحت معلوم نہ ہو چونکہ حکم خدا کی فرمانبرداری ہے لہٰذا واجب ہے اور عبادت ہے اگرچہ ظاہراً غیر اللہ کی تعظیم ہے۔ ملائکہ کا حضرت آدمؑ کے سامنے سجدہ کرنا ملائکہ

کی شانِ عبودیت کے منافی نہیں تھا بلکہ شیطان کا سجدہ نہ کرنا منافی خضوع و عبودیت تھا۔ پس معلوم ہوا کہ اللہ کے حکم کی اطاعت کا نام ہے خضوع اور اس کی اطاعت سے گریز کرتا ہے خلاف خضوع۔

مناسک حج میں حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ اور حضرت ہاجرہؑ کی سنت کو زیادہ تر دہرایا گیا ہے اور ان کی نسبت سے منسوب شدہ مقامات کو مشاعر یا شعائر اللہ سے موسوم کیا گیا ہے اور ان مقامات کی حرمت و عزت واجب کر دی گئی ہے تاکہ اللہ کے مخصوص بندوں کی راہِ حق میں قربانیاں اور خوشنودیٔ خالق کے لئے اُن کی جانفشانیاں یادگار رہ کر آنے والی نسلوں کو درسِ عبرت دیں اور قبولِ موعظہ میں ممد ثابت ہوں اور وہ یہ مناظر و منازل اپنی آنکھوں سے دیکھیں کہ اللہ کی اطاعت کرنے والے رضائے خدا کے لئے کونسی کٹھن منزلوں اور پُرخطر وادیوں اور ہوشربا مشقتوں سے دوچار ہوئے لیکن پائے ثبات میں تزلزل نہ آیا اور مقامِ عبودیت میں لغزش نہ آئی۔

اور حضرت رسالتمآبؐ جو تمام گذشتہ انبیاء کے سید و سردار تھے ان کے ساتھ جن مقامات کو خصوصی نسبت و تعلق حاصل ہے جن کی یاد یقیناً جناب رسالتمآبؐ کے عہد کی یاد کو تازہ کرتی ہے جن کی زیارت آنحضورؐ کے ساتھ روحانی محبت کے استوار کرنے میں انتہائی ممد و معاون ہے خصوصاً وہ ضریحِ پاک جس میں جسمِ اطہر صاحبِ لولاکؐ زیرِ خاک ہے وہ خطۂ قدس جو قدسیین کے آقا کے جسدِ اقدس کا گہوارہ ہے۔ وہ مقامِ مشرف جس کو مالکِ شرافت کے ابدی بیت الشرف ہونے کا شرف حاصل ہے اور وہ زمینِ مطہر جس کی طاہر گود میں مالکِ تطہیر آرام فرما ہے۔ وہ کیوں شعائر اللہ سے نہیں اور اس کی حرمت کا برقرار رکھنا اور اس کے عہد کا تازہ کرنا کیوں ناجائز ہے اور اس کو بوسہ دینا کیوں شرک ہے جبکہ حجرِ اسود کو بوسہ دینا عین عبادت ہے؟

اعتراض:۔ حضرت ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ و ہاجرہؑ کی یادگاروں کی تعظیم کا حکم چونکہ ثابت ہے اور جناب رسالتمآبؐ کے روضۂ اقدس کی تعظیم اور اس کا بوسہ دینا کسی حکمِ شرعی سے ثابت نہیں لہٰذا وہ عبادت ہے اور یہ بدعت ہے

جواب:۔ جب ایک عالم اپنے شاگرد کو کہے کہ فلاں شخص کی عزت کیا کرو کیونکہ وہ ایک عالمِ دین کی اولاد اور اس کی نشانی ہیں۔ اب یہ عالم اگر مر جائے تو کیا شاگرد یہ کہہ سکتا ہے کہ مجھے استاد نے اپنی اولاد کی عزت کرنے کا حکم تو نہیں دیا تھا لہٰذا میرے اوپر صرف اسی عالم کی تعظیم کرنا واجب ہے جس کے متعلق استاد نے حکم دیا تھا؟ ہرگز نہیں بلکہ ایسے شاگرد کو احسان فراموش اور بدترین انسان سمجھا جائے گا کیونکہ عقل بتلاتی ہے کہ جب استاد نے ایک معیار بتلا دیا تھا تو افراد کی تطبیق اپنا فریضہ تھا اور استاد کی اولاد اس معیار کی رُو سے بہ نسبت بتلائے ہوئے عالم کی اولاد کے زیادہ قابلِ تعظیم اور لائقِ عزت ہے۔

بعض روایات کا مفہوم ہے کہ جس نے کسی کو ایک حرف پڑھا دیا گویا اس نے اس کو اپنا غلام بنا دیا۔ اس سے شاگرد یہ نتیجہ نہیں نکال سکتا کہ جس نے اس کو زیادہ تعلیم دی ہو وہ اس کلیہ سے خارج ہے بلکہ زیادہ پڑھانے والے کی اسی قاعدہ کی رو سے بدرجۂ اولیٰ زیادہ تعظیم کرنا واجب ہو جاتی ہے۔ اس قسم کی مثالیں بہت زیادہ ہیں۔

پس حضرت ابراہیمؑ کی یاد میں اور اُن کے آثار جن کی بعض سنتوں پر عمل کرنے کا ہم کو حکم ہے تا قیامت ہمارے لئے واجب العمل اور قابل تعظیم ہیں تو فخر ابراہیمؑ اور سید الانبیاؐ جن کی پوری زندگی کا ہر قول و فعل ہمارے لئے مشعلِ راہ اور اسوۂ حسنہ ہے۔ اُن کے نشانات اور مقدس مقامات ہمارے لئے کیوں نہ محل عزت و احترام ہوں؟ حضرت ابراہیمؑ کی اولاد سے منسوب شدہ چیزیں جن کی راہِ خدا میں قربانی ایک محدود حیثیت کی حامل تھی۔ شعائر اللہ ہوں اور حضرت سید الانبیاؐ کی عترت طاہرینؑ کے عتبات عالیات جنکی راہِ حق میں قربانی عالم میں نظیر نہیں رکھتی کیوں نہ شعائر ہوں؟ اور اُن کی یاد کو تازہ کرنا کیوں نہ اعظم قربات سے قرار دیا جائے جب کہ اُن کی سیرت و کردار پر عمل کرنا جزءِ انسانیت کی روح و جان اور عالمی نشست و اشتراق کے لئے دعوتِ اتحاد اور پیغامِ امان و اطمینان ہے پس ان ضرائح مقدسہ کی زیارت اور اُن کے آستانِ قدس پر جبیہ سائی اور ان کی حرمت و عظمت کی پاسبانی تاکہ ان کے واقعات کی یاد کو تازہ کر کے اپنے جسدِ ظلمانی کو روحِ ایمانی سے زندہ کیا جا سکے یا حضیض حیوانیت سے روح انسانیت کی طرف قدم بڑھایا جا سکے یقیناً مطلوب بارگاہِ رب العزت ہے اور قربِ خدا تک رسائی کا بہترین زینہ ہے۔

اگر بوسہ دینا شرک فی العبادۃ ہے تو گنہگار ہے کہ احترام کی غرض سے قرآن مجید کے حروف اور وہ کاغذ جن پر قرآن لکھا ہے کو بوسہ دینا شرک نہیں ہے۔ محبت کی غرض سے اپنی اولاد کو بوسہ دینا بدعت و شرک نہیں تو پھر اظہارِ محبت یا مقامِ احترام کے پیشِ نظر مقاماتِ مقدسہ کو بوسہ دینا کیوں بدعت و شرک ہے؟۔ جب کہ مقصود صرف یہ ہوتا ہے کہ یہ اللہ والوں کی یادگاریں ہیں جنکی یاد یادِ خدا کا درس دیتی ہے اور جن کا ذکر ذکرِ خدا کا شوق دلاتا ہے۔

ہاں آئمہ طاہرینؑ کے عتبات عالیات کی زیارت اس لئے کی جاتی ہے کہ طبیعت میں جذبہ عبادت پیدا ہو اس لئے نہیں کہ وہ خود مقصودِ عبادت ہیں ورنہ ہمارے نزدیک ضرائح مقدسہ تو بجائے خود کعبہ (بیت اللہ) کا سجدہ کرنا بھی ناجائز ہے حیکہ بیت اللہ کو معبود قرار دیا جائے۔ یعنی شعائر اللہ کی تعظیم اس لئے ضروری ہے کہ ان سے درس عبادت حاصل ہو نہ اس لئے کہ خود ان کو مقصودِ عبادت قرار دیا جائے۔ پس صفا۔ مروہ۔ مقام ابراہیمؑ۔ حجر اسود۔ کعبہ وغیرہ یہ سب چیزیں غیر اللہ ہیں اور خود ان کو معبود ماننا کفر و شرک ہے۔ جب ہم کعبہ کو معبود نہیں جانتے تو کسی اور مقام کو کیوں معبود قرار دینے لگے؟

یہی وجہ ہے کہ ہمارے نزدیک آئمہ معصومین کی ضرائح مقدسہ کی زیارت پڑھنے کے بعد مستحب ہے کہ دو رکعت

نماز زیارت سر کی جانب پڑھی جائے یعنی ضرائح کے سیدھا پیچھے ہو کر پڑھنے سے بچا جائے تاکہ ضرائح مقدس کے سامنے آجانے کی صورت میں یہ شائبہ تک پیدا نہ ہو کہ غیر اللہ کو سجدہ ہو رہا ہے ورنہ جب مقصود عبادت خود جناب رب العزت ہوتا ہے تو ضرائح کے پیچھے نماز ادا کرنے میں کوئی جرح نہیں ہوا کرتی۔ البتہ کوئی نااہل اپنی کوتاہ علمی کی بناء پر ایسا فعل کرے جس سے شرک و کفر لازم آجائے تو یہ تعلیم مذہب نہیں بلکہ اس کا ذمہ دار وہ خود ہے۔

اب رہا ضرائح مقدسہ کی شبیہات کا معاملہ جو ہمارے ملک میں مروج ہے تو ان کی تعظیم کو بت پرستی یا شرک سے تعبیر کرنا صرف چشم کوری اور عناد شعاری سے ہی تعبیر کیا جا سکتا ہے کیونکہ کسی ذی روح کی سایہ دار تصویر کو بت کہا جاتا ہے اور غیر ذی روح کی غیر ذی روح شبیہ قطعاً نہ بت ہے نہ بت پرستی ورنہ اگر کسی مکان کی غیر مستقل شبیہ بنا جائز ہو تو پھر مکان کی مستقل شبیہ یعنی ایک مکان جیسا دوسرا مستقل مکان بنانا تو بدرجہ اولیٰ بت پرستی ہوگا۔ بلکہ ہر وہ کلام جس میں کسی دوسرے کی نقل اتاری جا رہی ہو وہ بدعت و شرک سے موسوم ہوگا۔ حالانکہ ان چیزوں کو کوئی بھی شرک سے تعبیر نہیں کرتا۔ اور صرف ایوانِ امامت کی نقل کو بت اس لئے کہا جاتا ہے کہ امامت حقہ کی یاد لوگوں کے دلوں سے اتر جائے اور ان کی صداقت و حقانیت و مظلومیت کے قصے فراموش ہو جائیں اور مبادا بنائی ہوئی امامت کی دکان کی شہرت مدھم پڑ جائے۔ اور لوگ اس طرف سے کنارہ کش ہو کر حق سے ہم آغوش ہو جائیں۔ بالجملہ یہ عتبات عالیات خود مقصود عبادت ہیں اور نہ ان کی شبیہات مقصود عبادت ہیں اور قابلِ احترام اس لئے ہیں کہ ان کو خدا والوں سے نسبت ہے۔ ان کی زیارت ان خدا والوں کی یاد تازہ کرتی ہے جن کی طرف یہ منسوب ہیں اور ان کی یاد خدا کی یاد کا وسیلہ اور عبادت کا ذریعہ ہے۔

پس اِیَّاکَ نَعْبُدُ صحیح طرح ہم زبان سے جاری کرتے ہیں۔ ہمارا اعتقاد بھی یہی ہے۔ اور جو لوگ عمل شیعہ پر بے جا اعتراض کرتے ہیں وہ صرف لفظ عبادت جانتے ہیں حقیقی معنی و مفہوم عبادت سے غافل ہیں ان کے پاس صرف ظاہر ہے دامن حقیقت سے ان کے ہاتھ کوتاہ ہیں۔ خلاصہ یہ کہ خوشنودیٔ خدا کے لئے ہر واجب التعظیم شئی کی تعظیم کرنا مفہوم عبادت کے منافی نہیں بلکہ عین عبادت ہے پس اِیَّاکَ نَعْبُدُ کی آڑ لیکر کفر و شرک و بدعت و بت پرستی وغیرہ کی ارزاں تقسیم بلکہ مفت تقسیم اپنے ہاں ان جنسوں کی فراوانی و بہتات کی دلیل ہے اور سچ ہے۔ برتن سے وہی چیز برآمد ہوتی ہے جو اس میں ہو۔ زمین میں جو بیج بویا جائے تو اس کی پیداوار کا فصل برآمد ہوتا ہے۔

اِیَّاکَ نَسْتَعِیْن اور شیعی عقیدہ

اس مقام پر یہ سوال عام طور پر کیا جاتا ہے کہ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کا مطلب ہے (اے اللہ ہم صرف تجھ سے مدد چاہتے ہیں لہٰذا آئمہ طاہرینؑ سے مدد کا طلب کرنا اور ان کو خطاب کر کے پکارنا اِس فقرہ آیت کے صریح منافی ہے لہٰذا ناجائز بلکہ کفر ہے۔

اس کا حل یہ ہے آئمہ طاہرین علیہم السلام کے متعلق اُن سے مدد طلب کرنے میں عقیدہ کی دو قسمیں ہیں۔

۱۔ تفویض کا قول یعنی یہ کہ خداوند کریم نے اَمر خلق و رزق و موت و حیات وغیرہ کے تمام معاملات محمدؐ و آلِ محمدؐ کے سپرد کر دیئے۔ پس وہی پیدا کرتے ہیں اور مارتے ہیں اور وہی خلائق کو رزق دیتے ہیں اور خدا اپنے مقام میں بے کار سارہ گیا ہے۔

۲۔ وسیلہ کا قول۔ کہ خداوند کریم نے ان ذواتِ مقدسہ کو چونکہ تمام کائنات سے افضل اور کل مخلوق کا سردار بنایا۔ پس یہ لوگ اللہ تک رسائی حاصل کرنے کا وسیلہ ہیں جس طرح احکامِ خدا کے ہم تک پہنچانے کے لئے وہ مامور من اللہ ہیں۔ اسی طرح ہماری دُعا و مناجات کی قبولیت کا بھی وہی وسیلہ ہیں۔ پس اگر پہلی قسم کا اعتقاد رکھا جائے تو اس سے کفر و شرک لازم آتا ہے اور آئمہ معصومین علیہم السلام کی طرف سے اس عقیدہ فاسدہ کی پرزور تردید کی گئی ہے جیسا کہ کتاب کی جلد اوّل یعنی مقدمہ تفسیر میں عقلی و نقلی طریقے سے اس کو باطل کیا گیا ہے۔ اور اگر حضرات محمدؐ و آلِ محمدؐ کو وسیلہ قرار دے کر ان کو پکارا جائے اور امداد طلب کی جائے تو جائز اور موجب نصرتِ خدا ہے اور اس بارہ میں اہلبیت عصمت سے جو آثار و روایات منقول ہیں۔ حد تواتر سے زیادہ ہیں۔

تفسیر برہان ج ۱ میں بروایت سلیم بن قیس ہلالی جناب رسالتمآبؐ سے منقول ہے جس میں اہلبیت عصمت کے متعلق یہ الفاظ تصریح سے موجود ہیں (وہ قرآن کے ساتھ ہوں گے اور قرآن ان کے ساتھ ہوگا۔ قرآن ان کو نہ چھوڑے گا اور وہ قرآن کو نہ چھوڑیں گے میری امت پر اللہ کی مدد انہی کے ذریعہ سے نازل ہوگی انہی کے ذریعہ سے مینہ برسے گا اور انہی کے وسیلہ سے مصائب دور ہوں گے اور انہی کے واسطہ سے دُعا مستجاب ہوگی) اس کے بعد حضورؐ نے بارہ اماموں کی تعداد بیان فرمائی اور نام بھی بتائے۔ پوری روایت جلد اوّل ص ۷۵، ۷۶ پر ملاحظہ ہو۔

یہ روایت بطور تبرک و تیمن کے پیش کی ورنہ اس مقام پر ادعیہ ماثورہ کے چند اقتباسات پیش کرنا چاہتا ہوں تاکہ

یہ مطلب صاف ہو جائے اور تعلیم آئمہ کے پیشِ نظر نظریات اور اعتقادات صحیحہ فاسدہ کا جائزہ لیا جا سکے۔

دُعائے توسّل

یہ دُعا مفاتیح الجنان میں شیخ عباس قمی قدہ نے علامہ مجلسی قدہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے اس کو محمد بن بابویہ قدہ سے اور انہوں نے آئمہ طاہرین سے روایت کی ہے۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ وَاَتَوَجَّہُ اِلَیْکَ بِنَبِیِّکَ نَبِیِّ الرَّحْمَۃِ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ یَا اَبَا الْقَاسِمِ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ یَا اِمَامَ الرَّحْمَۃِ یَا سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا اِنَّا نَتَوَجَّھُ بِکَ وَاسْتَشْفَعُ بِکَ وَنَتَوَسَّلُ بِکَ اِلَی اللّٰہِ وَقَدَّمْنَاکَ بَیْنَ یَدَیْ حَاجَاتِنَا یَا وَجِیْھًا عِنْدَ اللّٰہِ اشْفَعْ لَنَا عِنْدَ اللّٰہِ۔

یَا اَبَا الْحَسَنِ یَا اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ یَا عَلِیَّ ابْنَ اَبِیْطَالِبٍ یَا حُجَّۃَ اللّٰہِ عَلٰی خَلْقِہٖ یَا سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا اِنَّا نَتَوَجَّھُ بِکَ وَاسْتَشْفَعُ بِکَ وَنَتَوَسَّلُ بِکَ اِلَی اللّٰہِ وَقَدَّمْنَاکَ بَیْنَ یَدَیْ حَاجَاتِنَا یَا وَجِیْھًا عِنْدَ اللّٰہِ اشْفَعْ لَنَا عِنْدَ اللّٰہِ۔

یَا فَاطِمَۃُ الزَّھْرَاءُ یَا بِنْتَ مُحَمَّدٍ یَا قُرَّۃَ عَیْنِ الرَّسُوْلِ یَا سَیِّدَتَنَا وَمَوْلَاتَنَا اِنَّا نَتَوَجَّھُ بِکِ وَاسْتَشْفَعُ بِکِ وَنَتَوَسَّلُ بِکِ اِلَی اللّٰہِ وَقَدَّمْنَاکِ بَیْنَ یَدَیْ حَاجَاتِنَا یَا وَجِیْھَۃً عِنْدَ اللّٰہِ اشْفَعِیْ لَنَا عِنْدَ اللّٰہِ۔

یَا اَبَا مُحَمَّدٍ یَا حَسَنَ بْنَ عَلِیٍّ اَیُّھَا الْمُجْتَبٰی یَا ابْنَ رَسُوْلِ اللّٰہِ یَا حُجَّۃَ اللّٰہِ عَلٰی خَلْقِہٖ یَا سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا اِنَّا نَتَوَجَّھُ بِکَ وَاسْتَشْفَعُ بِکَ وَنَتَوَسَّلُ بِکَ اِلَی اللّٰہِ وَقَدَّمْنَاکَ بَیْنَ یَدَیْ حَاجَاتِنَا یَا وَجِیْھًا عِنْدَ اللّٰہِ اشْفَعْ لَنَا عِنْدَ اللّٰہِ۔

یَا اَبَا عَبْدِ اللّٰہِ یَا حُسَیْنَ ابْنَ عَلِیٍّ اَیُّھَا الشَّھِیْدُ یَا ابْنَ رَسُوْلِ اللّٰہِ یَا حُجَّۃَ اللّٰہِ عَلٰی خَلْقِہٖ یَا سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا اِنَّا نَتَوَجَّھُ بِکَ وَاسْتَشْفَعُ بِکَ وَنَتَوَسَّلُ بِکَ اِلَی اللّٰہِ وَقَدَّمْنَاکَ بَیْنَ یَدَیْ حَاجَاتِنَا یَا وَجِیْھًا عِنْدَ اللّٰہِ اشْفَعْ لَنَا عِنْدَ اللّٰہِ

یَا اَبَا الْحَسَنِ یَا عَلِیَّ بْنَ الْحُسَیْنِ یَا زَیْنَ الْعَابِدِیْنَ یَا ابْنَ رَسُوْلِ اللّٰہِ یَا حُجَّۃَ اللّٰہِ عَلٰی خَلْقِہٖ یَا سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا اِنَّا نَتَوَجَّھُ بِکَ وَاسْتَشْفَعُ بِکَ وَنَتَوَسَّلُ بِکَ اِلَی اللّٰہِ وَقَدَّمْنَاکَ بَیْنَ یَدَیْ حَاجَاتِنَا یَا وَجِیْھًا عِنْدَ اللّٰہِ اشْفَعْ لَنَا عِنْدَ اللّٰہِ

یَا اَبَا جَعْفَرٍ یَا مُحَمَّدَ بْنَ عَلِیٍّ اَیُّھَا الْبَاقِرُ یَا ابْنَ رَسُوْلِ اللّٰہِ یَا حُجَّۃَ اللّٰہِ عَلٰی خَلْقِہٖ یَا سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا اِنَّا نَتَوَجَّھُ بِکَ وَاسْتَشْفَعُ بِکَ وَنَتَوَسَّلُ بِکَ اِلَی اللّٰہِ وَقَدَّمْنَاکَ بَیْنَ یَدَیْ حَاجَاتِنَا وَجِیْھًا عِنْدَ اللّٰہِ اشْفَعْ لَنَا عِنْدَ اللّٰہِ

یَا اَبَا عَبْدِ اللّٰہِ یَا جَعْفَرَ بْنَ مُحَمَّدٍ اَیُّھَا الصَّادِقُ یَا ابْنَ رَسُوْلِ اللّٰہِ یَا حُجَّۃَ اللّٰہِ عَلٰی خَلْقِہٖ یَا سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا اِنَّا نَتَوَجَّھُ بِکَ وَاسْتَشْفَعُ بِکَ وَنَتَوَسَّلُ بِکَ اِلَی اللّٰہِ وَقَدَّمْنَاکَ بَیْنَ یَدَیْ حَاجَاتِنَا یَا وَجِیْھًا عِنْدَ اللّٰہِ اشْفَعْ لَنَا عِنْدَ اللّٰہِ

یَا اَبَا الْحَسَنِ یَا مُوْسَی ابْنَ جَعْفَرٍ اَیُّھَا الْکَاظِمُ یَا ابْنَ رَسُوْلِ اللّٰہِ یَا حُجَّۃَ اللّٰہِ عَلٰی خَلْقِہٖ یَا سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا

اِنَّا نَتَوَجَّهُنَا وَاسْتَشْفَعْنَا وَنَتَوَسَّلُنَا بِكَ اِلَى اللّٰهِ وَقَدَّمْنَاكَ بَيْنَ يَدَىْ حَاجَاتِنَا يَا وَجِيْهًا عِنْدَ اللّٰهِ اشْفَعْ لَنَا عِنْدَ اللّٰهِ ۔

يَا اَبَا الْحَسَنِ يَا عَلِىَّ بْنَ مُوْسَى اَيُّهَا الرِّضَا يَا ابْنَ رَسُوْلِ اللّٰهِ يَا حُجَّةَ اللّٰهِ عَلَى خَلْقِهٖ يَا سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا اِنَّا نَتَوَجَّهُنَا وَاسْتَشْفَعْنَا وَنَتَوَسَّلُنَا بِكَ اِلَى اللّٰهِ وَقَدَّمْنَاكَ بَيْنَ يَدَىْ حَاجَاتِنَا يَا وَجِيْهًا عِنْدَ اللّٰهِ اشْفَعْ لَنَا عِنْدَ اللّٰهِ ۔

يَا اَبَا جَعْفَرٍ يَا مُحَمَّدَ بْنَ عَلِىٍّ اَيُّهَا التَّقِىُّ الْجَوَّادُ يَا ابْنَ رَسُوْلِ اللّٰهِ يَا حُجَّةَ اللّٰهِ عَلَى خَلْقِهٖ يَا سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا اِنَّا نَتَوَجَّهُنَا وَاسْتَشْفَعْنَا وَنَتَوَسَّلُنَا بِكَ اِلَى اللّٰهِ وَقَدَّمْنَاكَ بَيْنَ يَدَىْ حَاجَاتِنَا يَا وَجِيْهًا عِنْدَ اللّٰهِ اشْفَعْ لَنَا عِنْدَ اللّٰهِ ۔

يَا اَبَا الْحَسَنِ يَا عَلِىَّ بْنَ مُحَمَّدٍ اَيُّهَا الْهَادِىُ النَّقِىُّ يَا ابْنَ رَسُوْلِ اللّٰهِ يَا حُجَّةَ اللّٰهِ عَلَى خَلْقِهٖ يَا سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا اِنَّا نَتَوَجَّهُنَا وَاسْتَشْفَعْنَا وَنَتَوَسَّلُنَا بِكَ اِلَى اللّٰهِ وَقَدَّمْنَاكَ بَيْنَ يَدَىْ حَاجَاتِنَا وَجِيْهًا عِنْدَ اللّٰهِ اشْفَعْ لَنَا عِنْدَ اللّٰهِ ۔

يَا اَبَا مُحَمَّدٍ يَا حَسَنَ بْنَ عَلِىٍّ اَيُّهَا الزَّكِىُّ الْعَسْكَرِىُّ يَا ابْنَ رَسُوْلِ اللّٰهِ يَا حُجَّةَ اللّٰهِ عَلَى خَلْقِهٖ يَا سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا اِنَّا نَتَوَجَّهُنَا وَاسْتَشْفَعْنَا وَنَتَوَسَّلُنَا بِكَ اِلَى اللّٰهِ وَقَدَّمْنَاكَ بَيْنَ يَدَىْ حَاجَاتِنَا وَجِيْهًا عِنْدَ اللّٰهِ اشْفَعْ لَنَا عِنْدَ اللّٰهِ ۔

يَا رَضِىَّ الْحَسَنِ وَالْخَلَفَ الْحُجَّةَ اَيُّهَا الْقَائِمُ الْمُنْتَظَرُ الْمَهْدِىُّ يَا ابْنَ رَسُوْلِ اللّٰهِ يَا حُجَّةَ اللّٰهِ عَلَى خَلْقِهٖ يَا سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا اِنَّا نَتَوَجَّهُنَا وَاسْتَشْفَعْنَا وَنَتَوَسَّلُنَا بِكَ اِلَى اللّٰهِ وَقَدَّمْنَاكَ بَيْنَ يَدَىْ حَاجَاتِنَا يَا وَجِيْهًا عِنْدَ اللّٰهِ اشْفَعْ لَنَا عِنْدَ اللّٰهِ ۔

اس پاک دعا میں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ سے لے کر حضرت قائم آلِ محمد عج علیہ السلام تک چہاردہ معصومین کو اپنے مخصوص نام اور معروف لقب کے ساتھ خطاب کیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ اے ہمارے آقا و مولا ہم اللہ کی طرف متوجہ ہوئے اور اُس کی بارگاہ میں آپ کو بطور شفیع و وسیلہ کے پیش کیا اور اس کی بارگاہ میں اپنی حاجات حاصل کرنے کے لئے آپ کو مقدم کیا اے مقربِ بارگاہِ خدا۔ اللہ کی بارگاہ میں ہماری شفاعت کیجئے۔

نقل مذکورہ کی رُو سے ابن بابویہ فرماتے ہیں کہ میں نے جس امر کے لئے اس دُعا کو پڑھا ہے اس کو مقبول پایا ہے۔ میں نے اس دُعا کو پُورا اس مقام پر نقل کر دیا ہے۔ حالانکہ اقتباس پیش کرنے کا وعدہ تھا تاکہ اس کتاب کا

مطالعہ کرنے والا اِس دُعا کے بعد دوسری کتاب کی طرف رجوع کا محتاج نہ ہو اور نیز تاکہ اس دُعا کی خیر و برکت سے خداوند کریم میری جملہ حاجات صحیحہ بر لائے اور خصوصاً اس تفسیر کی تکمیل پر مجھے موفق فرمائے۔

۱۔ اب بعض دوسری ادعیہ کے اقتباسات ملاحظہ ہوں۔ چنانچہ دعائے توسّل دیگر کے الفاظ اس طرح ہیں۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی ابْنَتِہٖ وَعَلٰی ابْنَیْھَا وَاَسْئَلُکَ بِھِمْ اَنْ تُعِیْنَنِیْ عَلٰی طَاعَتِکَ وَرِضْوَانِکَ وَاَنْ تُبَلِّغَنِیْ بِھِمْ اَفْضَلَ مَا بَلَّغْتَ اَحَدًا مِنْ اَوْلِیَائِکَ اِنَّکَ جَوَادٌ کَرِیْمٌ (الیٰ آخر الدعا)

(ترجمہ) اے اللہ رحمت نازل فرما اوپر حضرت محمدؐ اور اس کی شہزادی اور اُس کے دو فرزندوں کے اور انہی کے واسطہ سے میں سوال کرتا ہوں کہ مجھے اپنی اطاعت اور رضامندی پر میری مدد فرما اور انہی کے ذریعہ سے مجھے بہترین مقام پہ فائز فرما جس پر تُو نے اپنے کسی ولی کو فائز فرمایا ہے کیونکہ تو جواد و کریم ہے۔

۲۔ دُعائے سریع الاجابت کے الفاظ ہیں۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ بِاَلْوَاحِدَانِیَّۃِ الْکُبْرٰی وَالْمُحَمَّدِیَّۃِ الْبَیْضَآءِ وَالْعَلَوِیَّۃِ الْعُلْیَا وَبِجَمِیْعِ مَا احْتَجَجْتَ بِہٖ عَلٰی عِبَادِکَ وَبِالِاسْمِ الَّذِیْ حَجَبْتَہٗ عَنْ خَلْقِکَ (الیٰ آخر الدعا)

اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں بواسطہ تیری وحدانیت کبریٰ کے اور محمدیت بیضا کے اور علویت علیا کے اور بواسطہ تمام اُن چیزوں کے جن کو تو نے اپنے بندوں پر حجت قرار دیا اور بواسطہ اُس اسم کے جس کو تو نے اپنی مخلوق سے پوشیدہ رکھا۔

۳۔ ماہ رمضان کی شب ہائے قدر میں قرآن کو سر پر رکھ کر یہ دُعا پڑھی جاتی ہے۔

اَللّٰھُمَّ بِحَقِّ ھٰذَا الْقُرْاٰنِ وَبِحَقِّ مَنْ اَرْسَلْتَہٗ بِہٖ وَبِحَقِّ کُلِّ مُؤْمِنٍ مَدَحْتَہٗ فِیْہِ وَبِحَقِّکَ عَلَیْھِمْ فَاِنَّہٗ لَا اَحَدَ اَعْرَفُ بِحَقِّکَ مِنْکَ بِکَ یَا اللّٰہُ وَبِمُحَمَّدٍ وَبِعَلِیٍّ وَبِفَاطِمَۃَ وَبِالْحَسَنِ وَبِالْحُسَیْنِ وَبِعَلِیِّ بْنِ الْحُسَیْنِ وَبِمُحَمَّدِ بْنِ عَلِیٍّ وَبِجَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ وَبِمُوْسٰی بْنِ جَعْفَرٍ وَبِعَلِیِّ بْنِ مُوْسٰی وَبِمُحَمَّدِ بْنِ عَلِیٍّ وَبِعَلِیِّ بْنِ مُحَمَّدٍ وَبِالْحَسَنِ بْنِ عَلِیٍّ وَبِالْحُجَّۃِ۔ (ترجمہ) میرے اللہ اس قرآن کے واسطہ سے اور اُس ذات کے واسطہ سے جس کو تو نے قرآن دے کر بھیجا اور ہر اُس مومن کے واسطہ سے جس کی تو نے قرآن میں تعریف کی اور تیرے اس حق کا واسطہ جو اُن پر واجب الادا ہے جس کو تو ہی بہتر جانتا ہے اور تجھے اپنی ذات کا واسطہ اور اس کے بعد حضرت محمدؐ سے لے کر حضرت حجتؑ تک چہاردہ معصومین کا نام بنام واسطہ دے کر آخر میں اپنی حاجت کو طلب کرے اور دس دس دفعہ ہر واسطہ کو ذکر کیا جائے۔

۴ اب زیاراتِ مشاہد مشرفہ میں مخصوصہ زیارات کے بعض الفاظ ملاحظہ ہوں۔ چنانچہ زیارتِ مطلقہ حضرت امیرالمومنینؑ میں ہے۔

یَامَوْلَایَ اِلَیْکَ وُفُوْدِیْ وَبِکَ اَتَوَسَّلُ اِلٰی رَبِّیْ فِیْ بُلُوْغِ مَقْصُوْدِیْ وَاَشْهَدُ اَنَّ الْمُتَوَسِّلَ بِکَ غَیْرُ خَائِبٍ وَالطَّالِبَ بِکَ عَنْ مَعْرِفَةٍ غَیْرُ مَرْدُوْدٍ اِلَّا بِقَضَاءِ حَوَائِجِهٖ فَکُنْ لِیْ شَفِیْعًا اِلَی اللّٰهِ رَبِّکَ وَرَبِّیْ فِیْ قَضَاءِ حَوَائِجِیْ وَتَیْسِیْرِ اُمُوْرِیْ وَکَشْفِ شِدَّتِیْ وَغُفْرَانِ ذَنْبِیْ وَسَعَةِ رِزْقِیْ وَتَطْوِیْلِ عُمْرِیْ وَاِعْطَاءِ سُؤْلِیْ فِیْ اٰخِرَتِیْ وَدُنْیَایَ۔ (ترجمہ) اے میرے مولا میں آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوا ہوں اور اپنے مقصود تک پہنچنے کے لئے میں نے آپ کو وسیلہ بنایا ہے اور میں شہادت دیتا ہوں کہ آپ کو وسیلہ بنانے والا اپنے مقصد میں ناکام نہیں ہوتا اور آپ کی معرفت کے ساتھ آپ کے وسیلہ سے کوئی چیز طلب کرنے والا قضائے حاجات کی بغیر نہیں پلٹایا جاتا پس آپ اللہ کی بارگاہ میں جو آپ کا اور میرا رب ہے۔ میرے قضائے حوائج۔ آسانی معاملات۔ سختی کے دور ہونے گناہوں کی مغفرت وسعتِ رزق۔ زیادتی عمر اور دنیا و آخرت کے سوالات کی منظوری میں میرے شفیع ہوں۔

۵ زیارت مخصوصہ یوم مولود کے الفاظ ہیں۔

یَامَوْلَایَ یَا حُجَّةَ اللّٰهِ یَا اَمِیْنَ اللّٰهِ یَا وَلِیَّ اللّٰهِ اِنَّ بَیْنِیْ وَبَیْنَ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ ذُنُوْبًا قَدْ اَثْقَلَتْ ظَهْرِیْ وَمَنَعَتْنِیْ مِنَ الرُّقَادِ وَذِکْرُهَا یُقْلِقُ اَحْشَایَ وَقَدْ هَرَبْتُ اِلَی اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ وَاِلَیْکَ فَبِحَقِّ مَنِ ائْتَمَنَکَ عَلٰی سِرِّهٖ وَاسْتَرْعَاکَ اَمْرَ خَلْقِهٖ وَقَرَنَ طَاعَتَکَ بِطَاعَتِهٖ وَمُوَالَاتَکَ بِمُوَالَاتِهٖ کُنْ لِیْ اِلَی اللّٰهِ شَفِیْعًا وَمِنَ النَّارِ مُجِیْرًا (ترجمہ) اے میرے آقا۔ اے اللہ کی حجت۔ اے اللہ کے امین! اے اللہ کے ولی تحقیق اللہ کے سامنے میرے پاس اتنے گناہ ہیں کہ انہوں نے میری پیٹھ جھکا دی اور مجھے نیند سے محروم کر دیا۔ اُن کی یاد میرے دل کو تڑپا دیتی ہے اور میں اُن سے بھاگ کر اللہ کی طرف آیا ہوں اور آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوا ہوں پس اس ذات کا واسطہ دیتا ہوں جس نے آپ کو اپنے راز کا امین اور معاملاتِ خلق کا محافظ بنایا اور آپ کی عبت و اطاعت کو اپنی محبت و اطاعت کے ساتھ ملا دیا کہ آپ اللہ کی بارگاہ میں میرے شفیع بنیں اور آتشِ جہنم سے مجھے پناہ دلانے والے بنیں۔

اسی طرح باقی آئمہ کی زیارات اور ان کی بارگاہوں میں منقول دعاؤں کے الفاظ اسی نہج پر ہیں اگر تمام کو جمع کیا جائے تو کتاب موضوع سے خارج ہو جائے گی۔ پس ان سب دعاؤں میں مقصود ذاتِ جناب رب العزت ہے اور حضرات طاہرین محمدؐ و آلِ محمدؐ کو اس کی بارگاہ تک رسائی کا وسیلہ قرار دیا گیا ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ طلب مدد اللہ

کی حیاتی ہے اور آلِ محمدؐ واسطہ ہیں۔ چونکہ ان کے وسیلہ قرار دینے کے بغیر دعاؤں کی استجابت مشکل ہے لہٰذا۔ اس کی ذات تک پہنچنے کے لئے ان ذواتِ طاہرہ کو واسطہ قرار دینا ضروری امر ہے۔

اشتباہ:۔ اِس مقام پر بعض لوگوں کو اشتباہ ہوتا ہے کہ الفاظ بعض دعاؤں کے یہ بتلاتے ہیں کہ حضرات طاہرین قضائے حاجات کے لئے خود کفیل ہیں اور وسیلہ نہیں گویا مطلب یہ نکلتا ہے کہ صرف انہیں کو پکارا جائے اور انہیں سے مدد وغیرہ طلب کی جائے۔ اللہ سے مانگنے اور مدد طلب کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ یعنی ان دعاؤں سے تفویض کے مسلک کی درستی ثابت ہوتی ہے چنانچہ دعائے فرج کے الفاظ ہیں۔

یَا مُحَمَّدُ یَا عَلِیُّ یَا مُحَمَّدُ اِکْفِیَانِیْ فَاِنَّکُمَا کَافِیَانِ وَانْصُرَانِیْ فَاِنَّکُمَا نَاصِرَانِ یَا مَوْلَانَا یَا صَاحِبَ الزَّمَانِ الْغَوْثَ الْغَوْثَ الْغَوْثَ اَدْرِکْنِیْ اَدْرِکْنِیْ اَدْرِکْنِیْ اَلسَّاعَۃَ اَلسَّاعَۃَ اَلسَّاعَۃَ اَلْعَجَلَ اَلْعَجَلَ اَلْعَجَلَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہِ الطَّاہِرِیْنَ (ترجمہ) اے محمدؐ۔ اے علیؑ آپ دونوں میری کفایت کریں کیونکہ آپ دونوں مجھے کافی ہیں اور آپ میری مدد کریں کیونکہ آپ دونوں مددگار ہیں۔ اے ہمارے مولا۔ صاحب الزمان فریاد۔ فریاد۔ فریاد میری مدد کو پہنچئے۔ پہنچئے پہنچئے۔ ابھی ابھی ابھی۔ جلدی جلدی۔ جلدی اے ارحم الراحمین حضرت محمد مصطفیٰؐ اور اس کی آل طاہر کے صدقہ میں۔

پس اس دعا میں وسیلہ ہونے کا کوئی ذکر نہیں۔

جواب اشتباہ:۔ صرف تخریب عقائد کیلئے انہی جملوں کو پیش کرنا ناخدا ترسی بلکہ تعلیماتِ آئمہ کے خلاف اعلان جنگ کے مترادف ہے اگر چشمِ بصیرت سے ان کو ملاحظہ کیا جاوے تو اس دعا میں عقائدِ حقہ کے خلاف کوئی بات نہیں نکلتی بلکہ یہ دعا بھی پہلی دعاؤں کے اقتباساتِ گذشتہ کی تائید کرتی ہے کیونکہ انہی جملوں سے پہلے صاف طور پر یہ کلمات ہیں

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ اُولِی الْاَمْرِ الَّذِیْنَ فَرَضْتَ عَلَیْنَا طَاعَتَھُمْ وَعَرَّفْتَنَا بِذٰلِکَ مَنْزِلَتَھُمْ فَفَرِّجْ عَنَّا بِحَقِّھِمْ فَرَجًا عَاجِلًا قَرِیْبًا کَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ ھُوَ اَقْرَبُ (ترجمہ) اے اللہ محمدؐ و آلِ محمدؐ پر رحمت نازل فرما وہ جو صاحبانِ امر ہیں جن کی تو نے ہم پر اطاعت فرض کی ہے اور اسی سے تو نے ہم کو اُن کی منزلت کی معرفت عطا کی ہے پس انہی کے حق کا واسطہ دے کر ہم عرض کرتے ہیں کہ ہمیں جملہ مصائب سے فوری پلک جھپکنے یا اس سے بھی جلدی نجات عطا فرما۔

اب یہ الفاظ۔ یا نگِ دہل پکار رہے ہیں کہ مقصود بالذات نداء ذاتِ احدیت ہے اور محمدؐ و آلِ محمدؐ وسیلہ و واسطہ ہیں۔ اب اس کے بعد یا محمدؐ اور یا علیؑ کہہ کر یہ کہنا کہ تم ہی میری مدد کرو اور تم ہی میری کفایت کرو۔ کیونکہ تم دونوں

مددگار اور کافی ہو اور حضرت حجت عج کو ندا کر کے اُن سے فریاد و طلب دُعا ہونا۔ اس سب کا مطلب یہی ہے کہ تم وسیلہ
واسطہ بننے میں میرے لیئے کافی ہو اور اس امر کے لئے مجھے کسی اور سے مدد طلب کرنے کی ضرورت نہیں کیوں کہ
سوائے تمہارے وسیلہ کے باقی ذرائع میری کفایت مہم کے لئے ناکافی ہیں۔ اور نیز دعا مے مذکور کے آخری
کلمات کہ یا ارحم الراحمین بحق محمدؐ و آلِ الطاہرین بھی اسی مطلب کی تائید کر رہے ہیں کہ اُن کو پکارنا اور اُن سے فریاد کرنا۔
صرف وسیلہ قرار دینے کی خاطر تھا ورنہ اللہ کو خطاب کر کے بحق محمدؐ و آلہ الطاہرین کہنا بے معنی ہو جاتا۔

maablib.org

یا علی مدد

سوال :۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہر وقت ہر مقام پہ حاضر و ناظر ہونا۔ خداوند کریم کی ذات سے مخصوص ہے اور اس میں کسی اور کو شریک کرنا کفر و شرک ہے لہٰذا شیعوں کا یا علیؑ مدد کہنا یا ۔ یا عباس اور کنی کہنا وغیرہ ناجائز و شرک ہے ۔

جواب :۔ خداوند کریم سے جو صفت اختصاص رکھتی ہے۔ ہمارا اعتقاد ہے کہ واقعی اس میں کسی کو شریک ماننا ناجائز اور کفر ہے۔ لیکن جہاں تک محمدؐ و آلِ محمدؐ کے علوم کا تعلق ہے جو خدا نے اُن کو عطا فرمائے ہیں اور کائناتِ عالم میں جس حد تک ان کی رسائی ہے جس کو شیعی عقیدہ درست قرار دیتا ہے آیا خدا کا اختصاص انہی حدود تک ہے اور بس ؟ تو یہ ناخدا شناسی اور دامن علم و قدرتِ خداوندی پہ ایسا بدنما داغ ہے کہ اس اعتقاد سے انسان حیطۂ اسلام سے کوسوں دُور ہو جاتا ہے کیونکہ خدا واجب ہے اور اس کے علم اور اس کی قدرت کی کوئی حد نہیں اور محمدؐ و آلِ محمدؐ ممکن ہیں۔ ان کا علم و قدرت محدود ہے خواہ ہم اپنے ناقص دماغ سے ان کی حدود معین کرنے سے قاصر ہیں لیکن ہمارے اُن کی حدود معین نہ کر سکنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ واقعی طور پہ ان کے علم و قدرت کی حد نہیں۔

۲۔ روح جب عناصر کے شکنجہ میں پھنسا ہوا ہوتا ہے۔ اس کے تصرفات کافی حد تک پابندِ عناصر ہوتے ہیں لیکن جب قفس عنصری کی تاروں کو توڑ کر آزادی کی وادی میں قدم رکھتا ہے تو اس کے اختیارات میں وسعت پیدا ہو جاتی ہے مثلاً نیند اور موت کسی حد تک ایک دوسرے سے ملتی جلتی دو چیزیں ہیں۔ عالمِ خواب میں روح انسانی کچھ تھوڑی سی آزاد ہو جاتی ہے اور موت کے بعد بالکل آزاد ہی ہوتی ہے۔ عالمِ خواب کی تھوڑی سی آزادی حاصل ہوتے ہی اپنے بستر پہ لیٹ کر گو ظاہری جسمانی آنکھیں بند ہوتی ہیں لیکن روح اسی جسمِ ظاہری جیسا ایک مثالی جسم لیکر بہت دُور دُور کے سفر کرنے پہ موفق ہوتی ہے۔ اس مثالی جسم کی آنکھیں یہ آنکھیں نہیں جو جسم ظاہری کی جزء ہو کر بستر پہ موجود ہیں اسی طرح مثالی جسم کے پاؤں اس ظاہری جسم کے پاؤں سے الگ ہیں اس کے ہاتھ اور ہوتے ہیں حتیٰ کہ مثالی جسم کے تمام اعضاء اس واقعی اور ظاہری جسم کے تمام اعضاء سے جدا ہیں کیونکہ یہ تو ایک جگہ موجود ہیں اور وہ اسی وقت مثالی جسم کی معیت میں اطراف عالم کی سیر میں مصروف ہیں لیکن اُن کا ہر فعل ان کا فعل کہا جاتا ہے اور ان کی تمام سیر و تفریح ان کی طرف منسوب کی جاتی ہے مثلاً خواب دیکھنے والا بیدار ہو کر خواب کی تعبیر حاصل کرنے کے لئے بیان کرتا ہے کہ میں خواب میں فلاں جگہ گیا یہ دیکھا وہ دیکھا فلاں سے ملا۔ اس نے مجھے یہ کہا۔ وہ کہا۔ فلاں زیارت کی فلاں خوشی دیکھی۔ فلاں مصیبت میں مبتلا ہوا وغیرہ۔ اب یہ

نہیں کہتا کہ میرے مثالی جسم نے یہ مناظر دیکھے یا مصائب جھیلے بلکہ اسی ظاہری جسم کی طرف وہ سب کچھ منسوب کرتا ہے جو اس کو عالم خواب میں مثالی جسم کے ساتھ پیش آیا۔ اور سننے والا کوئی ہوش مند اس کو غلط بیانی سے بھی تعبیر نہیں کرتا اور کوئی موحد اس پر کفر و شرک کا فتویٰ بھی نہیں لگاتا کہ حاضر و ناظر ہونا تو اللہ کا خاصہ ہے۔ تو کہاں سے حاضر و ناظر ہو گیا؟ سو یا یہاں تھا اور ایک ہی وقت میں پہنچ وہاں گیا؟ اور طرہ یہ کہ فتویٰ لگانے والے خود بھی انہی حالات سے دوچار ہوتے ہیں۔ اور لطف یہ کہ ظاہری جسم کی آنکھیں بند ہیں اور مثالی جسم کی آنکھیں کھلی ہیں۔ اس کے پاؤں ساکن ہیں اور اس کے متحرک ہیں اس کے ہاتھ ایک جگہ پڑے ہیں اور ہل جل رہے ہیں وعلیٰ ہذا القیاس۔ بیان کے وقت یہ بند آنکھیں کہتی ہیں کہ وہ کھلی ہوئی آنکھیں ہم تھیں یہ خاموش زبان کہتی ہے کہ اس عین خاموشی کے وقت بول میں رہی تھی اور یہ سب ساکن اعضاء کہتے ہیں کہ بعینہٖ اسی سکون کے عالم میں وہاں متحرک ہم تھے تو گویا حاضر و ناظر ہونا تو بجائے خود اجتماع ضدین کا ہر جگہ مسئلہ درپیش ہے اور اسے محال کوئی نہیں کہتا؟ نیز عالم خواب میں بعض اوقات مثالی جسم مصائب سے دوچار ہوتا ہے تو یہ حقیقی جسم تکلیف کی حالت میں تڑپ جاتا ہے بلکہ زبان سے واویلا کرنا شروع کر دیتا ہے یا وہ مثالی جسم مناظر عجیبہ دیکھتا ہے تو یہ بستر پر سویا ہوا جسم مسکرا دیتا ہے۔ حالانکہ اس پر نیند طاری رہتی ہے۔ اب اگر سوال کیا جائے کہ تو ہنس کیوں رہا تھا یا رو کیوں رہا تھا تو جواب دیتا ہے کہ میں فلاں مقام پر کسی منظر عجیب کو دیکھ کر ہنسا تھا یا فلاں مقام پر کسی مصیبت میں ہنس کر رویا تھا

بہرکیف یہاں ایک ہی روح ہے جو ایک ہی وقت میں دونوں جسموں سے تعلق رکھتی ہے۔ ایک یہاں خاموش سویا ہوا ہے۔ دوسرا وہاں سیر کر رہا ہے۔ وہ عجیب منظر دیکھ کر وہاں ہنستا ہے تو یہ سویا ہوا یہاں ہنستا ہے مصیبت سے گھبرا کر ایک ہی وقت میں وہ وہاں روتا ہے یہ یہاں واویلا کرتا ہے۔ اسی طرح باقی تمام افعال سمجھ لیجئے۔ پس ایک ہی وقت میں یہاں بھی حاضر وہاں بھی حاضر۔ زبان سے دونوں مقاموں پر بولتا ہے۔ آنکھوں سے ہر دو مقام پر روتا ہے منہ سے دونوں مقاموں پر ہنستا ہے۔ اور ہر ایک ایسی تلخ حقیقت ہے کہ کسی کو مجال انکار نہیں۔ اگر دونوں جگہ پر حاضر و ناظر نہیں تو بتائیے۔ نظارہ تو وہاں تھا یہ یہاں کیوں ہنسا ہے؟ مصیبت تو وہاں تھی یہ یہاں کیوں چلایا ہے؟ ہمکلام تو وہاں تھا یہ یہاں کیوں بولا ہے؟ کیا اب یہاں فتویٰ لگانے کی جرأت ہے کہ جو شخص ایک انسان کے دو مختلف مقامات یا زیادہ پر ایک ہی وقت میں حاضر و ناظر ہونے کا اعتقاد رکھے وہ مشرک ہے؟

سوال:۔ اگر کوئی کہے کہ وہ جسم مثالی ایک فرضی جسم ہے اس کی کوئی حقیقت نہیں اور درحقیقت جسم صرف یہی ایک ہے اور روح بھی صرف اسی ایک میں موجود ہے اور یہ ایک وقت میں صرف ایک ہی مقام پر ہے۔

جواب:۔ بے شک وہ ایک مثالی جسم ہے اور یہ جسم حقیقی ہے لیکن بات تو یہ ہے کہ روح کا تعلق ایک

ہی وقت میں دونوں سے ہے یا نہیں؟ اگر وہ صرف فرضی ہے اور روح کا تعلق اس سے نہیں تو بتایئے کہ اس کے اثرات اس پر کیسے طاری ہو گئے۔ اس کے رونے سے اسی وقت اس کی زبان سے فریاد کیوں نکلی اس کے ہنسنے سے یہ کیوں ہنسا؟ اور اگر آپ انکار ہی پر مُصر ہوں اور کہیں کہ اس جسم پر اس مثالی جسم کے کوئی اثرات نہیں۔ یہ نہ روتا ہے نہ ہنستا ہے بلکہ یہ سب واقعات اسی مثالی جسم سے تعلق رکھتے ہیں تو میں عرض کروں گا کہ اگر حقیقت کچھ نہیں ہوتی تو بصورت وجوب غسل واقعہ کا تعلق تو اُس مثالی جسم سے ہوتا ہے اور منی کا خروج بھی اسی سے ہوتا ہے۔ فرمایئے اس پر غسل کیوں واجب ہو گیا اور اس کے کپڑے کیوں نجس ہو گئے؟

اگر ایک مسلمان عالم خواب میں حضرت رسالتمآبؐ کی زیارت کا شرف حاصل کر رہا ہو اور اسی اثناء میں کوئی باہر سے آکر اس جسم کو بیدار کر دے تو وہ چونکہ اس جسم ظاہری کا مدبر ہے خواہ وہاں کتنا ہی پُر لطف وقت گذر رہا ہو۔ اُسی آن میں وہ سب پُر کیف حالات چھوڑ کر فریضۂ تدبیر سنبھالنے کے لئے یہاں آپہنچے گا اور فوراً ہی جگانے والے پر خفا ہوگا کہ تو نے ایسا کیوں کیا اور اسی ظاہری جسم کی زبان سے کہے گا کہ میں نے انہی آنکھوں سے زیارت کی۔ اس زبان سے سلام عرض کیا وغیرہ۔ اور بیدار ہونے پر اُس کو اس پر کیف منظر کے ترک کرنے کا افسوس حد سے زیادہ ہوگا۔ حتّٰی کہ اگر جگانے والا کمزور ہوگا تو اسے پٹنے سے بھی گریز نہ کرے گا۔ اب اگر واقعات کا تعلق صرف اس فرضی جسم سے ہے تو افسوس یا خوشی کیوں ہے؟

بہرکیف یہ روح کی اس تھوڑی سی آزادی کا نتیجہ ہے کہ ایک ہی وقت میں دو مقاموں پر حاضر ہوتا ہے۔ نیز یہ حالات صرف مومن و مسلمان سے مختص نہیں بلکہ کافر و مشرک بھی اس قسم کے حالات سے دوچار ہوتے رہتے ہیں پس اگر کافر کی روح ایک وقت میں دو مقاموں پر حاضر ہو سکتی ہے اور اس کے متعلق یہ عقیدہ رکھنا شرک نہیں تو کسی اور کے متعلق یہ عقیدہ رکھنا شرک کیوں ہوگا۔؟

مومن کے خواب کے متعلق احادیث میں وارد ہے کہ نبوت کے اجزاء میں سے ایک جزء ہے چنانچہ صحیح بخاری جلد چہارم ص ۱۲۸، ۱۲۹ چاپ مصر میں ہے۔

۱۔ عن انس بن مالکؓ ان رسول اللہؐ قال الرؤیا الحسنۃ من الرجل الصالح جزءٌ من ستۃ واربعین جزءًا من النبوۃ (ترجمہ) انس بن مالک سے مروی ہے کہ جناب حضرت رسالتمآبؐ نے فرمایا کہ نیک مرد کا اچھا خواب نبوت کی چھیالیسویں جزء ہوا کرتا ہے۔

۲۔ عن عبادۃ بن الصامتؓ عن النبیؐ قال رؤیا المومن جزءٌ من ستۃ واربعین جزءًا من النبوۃ

(ترجمہ) عبادہ بن صامت نے جناب رسالتمآبؐ سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا مومن کا خواب نبوت کی چھیالیسویں جزو ہوتا ہے۔

۳۔ عن ابی هریرةؓ ان رسولَ اللہ قال رویا المومن جزءٌ من ستة واربعین جزءاً من النبوة۔ (ترجمہ) ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ جناب پیغمبر خدا نے فرمایا مومن کا خواب نبوت کی ۱/۴۶ جزء ہے۔

۴۔ عن ابی سعید الخدریؓ انه سمع رسول اللہ یقول الرؤیا الصالحة جزءٌ من ستة واربعین جزءاً من النبوة۔ (ترجمہ) ابوسعید خدری سے مروی ہے کہ میں نے جناب رسالتمآبؐ کو فرماتے ہوئے سنا کہ اچھا خواب نبوت کی جزوں میں چھیالیسویں جزو ہے۔

بہرکیف ہر چہار روایات کا مطلب واحد ہے یعنی ایک صالح مومن کی روح کی قید عناصر سے معمولی آزادی جس کی بدولت وہ بیک وقت دو مقاموں پر حاضر ہو سکتی ہے۔ اس سے روحِ نبوت باوجودیکہ محبوسِ قید عناصر ہو چھیالیس گنا زیادہ طاقت رکھتی ہے جب عام روحِ نبوت کی یہ طاقت ہے تو پھر وہ نبوت جس کے زیرِ فرمان ایک لاکھ ایک کم چوبیس ہزار نبوتوں کی دنیا آباد ہو۔ اس کی طاقت یا پہنچ کا کون اندازہ کر سکتا ہے؟ میں نے تفسیر کی جلد اوّل یعنی مقدمہ تفسیر میں اس امر کی وضاحت کی ہے کہ گذشتہ انبیاء سرکارِ رسالتمآبؐ کے مقابلہ میں جزوی حیثیت رکھتے تھے اور یہ اُن کے مقابلہ میں کلی حیثیت کے حامل ہیں وہ محدود قوم اور محدود علاقہ پر مامور بنبوت تھے اور ان کی نبوت عالمی نبوت ہے تو اس چیز سے یہ چیز خود بخود ثابت ہو جاتی ہے کہ ان کا صحیح جانشین گذشتہ نبیوں سے افضل ہوگا۔ کیونکہ بادشاہ کا قائم مقام اس کی تمام رعایا کا حاکم ہوا کرتا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ ہم اس کے صحیح جانشین کے انتخاب میں خطا کر جائیں اور ایسے شخص کو منتخب کر بیٹھیں جو ان صفات کا دارا نہ ہو پس صحیح بخاری کی روایات کی تطبیق سے معلوم ہوا کہ اگر مومن کی روح عالمِ خواب میں دو مقاموں پر پہنچ سکتی ہے تو نبی عالمِ بیداری میں چھیالیس جگہ حاضر ہو سکتا ہے اور جب عام نبی کی پہنچ یہ ہے تو خاتم الانبیاء ایک وقت میں کتنے مقامات میں حاضر ہو سکتا ہے وہ شبِ معراج کی حقیقت سے واضح ہے اور پھر جو ان کا صحیح قائم مقام ہو اس کے لئے متعدد مقامات پر حاضر ہونے کا اشکال ہی فضول ہے۔

پس اگر یہی حاضر و ناظر ہونا خدا کے ساتھ مختص کر دیں تو یہ ناخدا شناسی ہے اور اگر خدا کی ذات کو اس سے اجل و ارفع قرار دیں اور کہہ دیں کہ خدا اتنی طاقت اپنی خاص مخلوق کو دے سکتا ہے تو یہ اس کی عظمت و قدرت کی دلیل ہے کیونکہ وہ خدا جو اپنے خاص بندوں کو اس قدر طاقت دے سکتا ہے جس سے ہمارے ناقص عقول عاجز

ہیں تو ہمارے وہم و گمان کی رسائی اس کی اپنی ذات تک کیسے ہو سکتی ہے؟

جواب علم مسمریزم کے عامل اپنے معمول کے ذریعہ سے عجیب و غریب باتیں ظاہر کرتے ہیں۔ ایک عامل علم مسمریزم کی طاقت سے ایک نابالغ معمول کو بے ہوش کر کے سُلا دیتا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اب اس میں کوئی حس و حرکت نہیں۔ اب پوچھتا ہے تو کون؟ وہ کہتا ہے میں معمول۔ پھر پوچھتا ہے میں کون؟ وہ جواب دیتا ہے تو عامل پھر عامل ایک شخص کے سر پہ ہاتھ رکھ کر معمول سے دریافت کرتا ہے تو معمول جس نے اس سے پہلے نہ اس شخص کو دیکھا نہ سُنا۔ عامل کے سوال کے بعد اس شخص کا نام بتلاتا ہے اس کے باپ کا نام لیتا ہے اس کے شہر کا پتہ بیان کرتا ہے اور اس کا سوال بیان کر کے اس کے نتیجہ کی خبر بھی دے دیتا ہے اور یہ سب چیزیں عام طور پہ درست بھی ہوا کرتی ہیں جیسا کہ عام مشہور ہے۔ پھر عامل دوسرے شخص کے سر پہ ہاتھ رکھتا ہے تو وہی معمول اس شخص کے تفصیلی حالات بیان کرتا ہے۔ اور مجمع میں سے جس جس کے متعلق عامل سوال کرتا جائے وہ بیان کرتا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ لوگ دُور دُور کے بسنے والے ہوتے ہیں۔ جن سے معمول ظاہری طور پہ قطعاً ناآشنا ہوا کرتا ہے اب بتائیے کہ وہ معمول یہ خبریں کہاں سے لایا؟ اور ان پہ کیسے مطلع ہوا؟ پس جب ایک عامل اپنے علم مسمریزم کے ذریعہ سے اپنے معمول میں یہ طاقت بھر سکتا ہے تو خالقِ کائنات اپنے مخصوص بندوں کو اتنی یا اس سے زیادہ طاقت عطا کرنے سے عاجز ہے؟

۴۔ معراج جسمانی مسلمانوں کا مسلمہ عقیدہ ہے جناب رسالتمآبؐ رات کے ایک مختصر حصہ میں تمام ملاءِ اعلیٰ کی سیر کر کے واپس بھی آ گئے اور اس تھوڑے سے وقت میں آپ نے جو تفصیلی مناظر ملاحظہ فرمائے اس کی لمبی فہرست ہے ملائکہ سے باتیں ہوئیں۔ بیت المعمور پر نماز پڑھی جنت کو دیکھا، دوزخ کو دیکھا، عرش کی سیر کی۔ حجابات قدرت دیکھے نامعلوم کیا کیا دیکھا؟ اور پھر پلٹ بھی آئے۔ جو خدا جسم عنصری کی پابندی کے ساتھ اپنے رسولؐ کو اتنی طاقت دے سکتا ہے اور وہ اس پابندی کے ہٹ جانے کے بعد صرف روح رسالتؐ کو اتنی طاقت نہیں دے سکتا کہ چشم زدن میں پورے عالم کا معائنہ فرما لیں۔

پھر یہ سوال بھی پیدا کیا جاتا ہے کہ مر جانے کے بعد کسی کو پکارنا عبث ہے کیونکہ وہ نہ سُن سکتا ہے اور نہ کچھ کر سکتا ہے۔ جواب نماز کے تشہد میں تمام مسلمان اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ پڑھتے ہیں حالانکہ ان کے رحلت فرما جانے کا علم ہے تو کیا نماز کے وقت وہ حاضر و ناظر ہیں اور باقی حالات میں ان کی یہ خصوصیت مفقود ہوتی ہے۔ ۲۔ اگر کسی کا بھائی یا فرزند مر جاتا ہے تو قبر پہ جا کر قبر سے خطاب کیا جاتا ہے کہ بھائی جان میں تیرے بعد

تنہا ہوں۔ تیرے بچے یتیم ہیں۔ یا بیٹا تیرے بعد باپ کا کوئی سہارا نہیں۔ میں تیری قبر پر آیا ہوں میرے ساتھ کلام کر حالانکہ علم ہوتا ہے کہ یہ جواب نہ دیں گے اور ان خطابات کو کوئی شخص شرک و کفر سے تعبیر نہیں کرتا کیونکہ یہ خطابات صرف اظہارِ محبت کے لئے ہوتے ہیں۔ پس جب عام عزیزوں کی قبروں سے خطاب کیا جا سکتا ہے تو اولیاء اللہ کی قبروں کے سامنے اظہارِ عقیدت سے کیا مانع ہے کہ ان کو خطاب کر کے اپنی مشکلات کا ذکر کیا جائے جب کہ مقصود ان کو بارگاہِ خدا میں وسیلہ بنانا ہو۔

پس نتیجہ یہ نکلا کہ نہ گھر بیٹھے ان کا پکارنا ممنوع ہے اور نہ ان کی قبروں پر جا کر ان کو خطاب کرنا بدعت ہے کیوں کہ مقصود ہر دو صورتوں میں ان کا وسیلہ بنانا ہوا کرتا ہے اور اللہ سے ہی طلب حاجات مراد ہوتی ہے پس اِیَّاکَ نَسْتَعِیْن سے اس فعل کی کوئی منافات نہیں ہے۔

maablib.org

آیات فاتحہ ابواب جنّت کی کنجیاں ہیں

کتاب بحار الانوار ج ۳ ص ۲۹۴ پر عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ حضرت رسالتمآبؐ نے فرمایا کہ مجھے شب معراج جب آسمانوں کی سیر کرائی گئی تو جنت و نار میرے سامنے لائی گئیں میں نے جنّت کی نعمات کو دیکھا اور جہنم کے عذاب کو بھی دیکھا۔ جنّت کے آٹھ دروازے تھے کہ ہر دروازے پر چار ایسے کلمات مرقوم تھے کہ ان کا ہر ایک جاننے اور عمل کرنے والے کے لئے دنیا و مافیہا سے بہتر ہے مجھے جبرئیلؑ نے کہا کہ پڑھو تو میں نے پڑھا۔

پہلے دروازے پر لکھا تھا لَا اِلٰہَ اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰہِ عَلِیٌّ وَلِیُّ اللّٰہِ ہر شے کے لئے حیلہ ہوا کرتا ہے اور آرام کی زندگی کے چار حیلے ہیں ۱۔ قناعت ۲۔ بجا خرچ ۳۔ کینے کا ترک کرنا ۴۔ نیکوں کی صحبت

دوسرے دروازہ پر مرقوم تھا لَا اِلٰہَ اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰہِ عَلِیٌّ وَلِیُّ اللّٰہِ ہر شے کے لئے حیلہ ہوتا ہے اور آخرت کی خوشی کے چار حیلے ہیں ۱۔ یتیموں کے سر پر ہاتھ پھیرنا ۲۔ بیواؤں پر رحم کرنا۔ ۳۔ مومنین کی حاجات میں کوشش کرنا۔ ۴۔ فقرأ اور مساکین کی خبر گیری کرنا۔

تیسرے دروازے پر تحریر تھا۔ لَا اِلٰہَ اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰہِ عَلِیٌّ وَلِیُّ اللّٰہِ ہر شے کے لئے حیلہ ہوتا ہے اور دنیا کی تندرستی کے چار حیلے ہیں۔ ۱۔ کم بولنا۔ ۲۔ کم سونا۔ ۳۔ کم چلنا۔ ۴۔ کم کھانا۔

چوتھے دروازے پر منقوش تھا۔ لَا اِلٰہَ اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰہِ عَلِیٌّ وَلِیُّ اللّٰہِ۔ جو شخص اللہ پر اور قیامت پر یقین رکھتا ہو پس اس کو لازم ہے کہ مہمان کی عزت کرے جو شخص اللہ اور یوم قیامت پر ایمان رکھتا ہو۔ اس کو چاہیئے اپنے ہمسایہ کی حرمت کا خیال رکھے جو شخص اللہ اور یوم قیامت پر ایمان رکھتا ہو ضروری ہے کہ اپنے والدین کا احترام کرے اور جو شخص اللہ اور یوم قیامت پر ایمان رکھتا ہو پس وہ نیکی کی بات کہے ورنہ چپ اختیار کرے۔

پانچویں دروازہ پر مکتوب تھا لَا اِلٰہَ اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰہِ عَلِیٌّ وَلِیُّ اللّٰہِ جو شخص اپنے اوپر ظلم برداشت نہ کرے تو وہ دوسرے پر ظلم سے اجتناب کرے۔ جو گالی دیا جانا نہ پسند کرے چاہیئے کہ خود بھی کسی کو گالی نہ دے۔ جو ذلیل ہونا نہ چاہے وہ کسی دوسرے کو ذلیل نہ کرے اور جو دنیا و آخرت میں مضبوط تعلق سے وابستگی چاہے پس اس کلمہ کو پڑھے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰہِ عَلِیٌّ وَلِیُّ اللّٰہِ۔

چھٹے دروازہ پہ درج تھا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ عَلِیٌّ وَّلِیُّ اللّٰہِ جو قبر میں کشادگی کا تمنائی ہو چاہیئے کہ مساجد کی بنا کرے (نمبر ۲) جو تر و تازہ رہنا چاہے کہ میں قبر میں پوسیدہ نہ ہوں پس (عبادت خدا کے لئے) مساجد میں نگوں کرے جو چاہے کہ زمین کے نیچے مجھے کیڑے نگوڑے نہ کھائیں پس وہ (یادِ خدا کے لئے) مساجد میں بسر کرے اور جو جنّت میں اپنا گھر دیکھنا چاہے (پس ذکرِ خدا کے لئے) مساجد میں رہے۔

ساتویں دروازہ پر ثبت تھا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ عَلِیٌّ وَّلِیُّ اللّٰہِ۔ دل کی نورانیت چار چیزوں میں ہے ۱۔ بیمار پرسی ۲ تشییعِ جنازہ ۳۔ کفن خرید کر رکھنا۔ ۴۔ قرض کا ادا کرنا۔

آٹھویں دروازہ پر رقم تھا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ عَلِیٌّ وَّلِیُّ اللّٰہِ۔ جو شخص ان دروازہ ہائے جنّت سے گذرنے کا متمنی ہو وہ اپنے اندر چار خصلتیں پیدا کرے ۱۔ سخاوت ۲۔ خوش خلقی ۔ ۳۔ صدقہ ۴۔ اللہ کے بندوں کی ایذا رسانی سے پرہیز (الخبر)

مُلّا صدر الدین شیرازی اپنی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں جس کا ماحصل یہ ہے کہ نماز چونکہ بفرمان معصوم مومن کی معراج ہے پس اس معراج کی تیاری کے لئے پہلے پہل ظاہری نجاسات و کثافات کو بدن و لباس سے دور کرے تاکہ اس کی روح اس معراج پر فائز ہونے کے قابل ہو سکے پھر بارگاہِ رب العزت میں حاضر ہو کر پورے سکونِ قلب اور توجہ خاطر کے ساتھ زبان سے اللہ اکبر کے کلمات جاری کر کے جلال و عظمت و خداوندی کے سامنے اپنے آپ کو جمیع ماسوائے اللہ سے علیحدہ پائے پس یہ دعائے توجہ جو مستحب ہے۔ پڑھے وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ الایۃ اور یہ مقام حضرت ابراہیم خلیل الرحمٰن کا ہے کہ انہوں نے یہی کلمات ادا فرمائے تھے۔ جب روحانیت کے منازل اس حد تک طے ہو گئے تو اب جنّت کے دروازے کھلنے شروع ہو جاتے ہیں جن کی ترتیب یہ ہے۔

۱۔ بابِ المعرفۃ، اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ پڑھنے سے کھلتا ہے کیونکہ اس میں اغوائے شیطانی سے برأت کا اظہار ہے اور تکبّر سے یکسوئی ہے۔

۲۔ باب الذکر۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کے زبان سے جاری کرنے سے کھلتا ہے۔

۳۔ باب الشکر۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کے پڑھنے سے کھل جاتا ہے۔

۴۔ باب الرجاء۔ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کے پڑھنے سے کھلتا ہے

۵۔ باب الخوف مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ کی تلاوت سے کھلتا ہے۔

۶۔ باب الاخلاص ،۔ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کے پڑھنے سے باز ہوتا ہے
۷۔ باب الدُّعاء ،۔ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ کے زبان پر جاری کرنے سے کھُلتا ہے۔
۸۔ باب الاقتداء ،۔ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّالِّیْنَ کے پڑھنے سے کھلتا ہے۔

پس جس طرح جَنّت الخُلد کے آٹھ دروازے ہیں اسی طرح معارفِ ربانیہ کی جنّت کے بھی آٹھ دروازے ہیں اور یہ اُن کی روحانی کُنجیاں ہیں اور نماز کا معراجِ روحانی یہی ہے۔ زیادتیٔ وضاحت کے لئے میں نے مُلّا صدرا مرحوم کے بیان کو اپنے بیان سے مخلوط کر دیا ہے۔

MAAB 1431
مرکز احیاء تراث سنّیہ
maablib.org

آیات فاتحہ کی دوسری معنوی توجیہ

نماز چونکہ مومن کی معراج ہے اور روحانی معراج کا حصول جملہ روحانی بیماریوں سے شفایابی کے بعد ہوتا ہے اور آیات سورہ فاتحہ اُن روحانی بیماریوں سے تندرست ہونے کی تعبیریں ہیں جس کی ترجمانی ملا صدرا نے جس رنگ میں کی ہے اس کا ماحصل یہ ہے۔ انسان کی گمراہی کے تین رستے ہیں ۱۔ شہوت ۲۔ غضب ۳۔ ہوائے نفس۔ ۱۔ شہوت قوت بہیمیہ ہے۔ غضب قوتِ درندہ ہے اور ہوئی نفس شیطان ہے۔ شہوت بُری بلا ہے لیکن غضب اس سے زیادہ ہے اور غضب آفتِ عظیمہ ہے لیکن ہوائے نفس اس سے سخت ترین ہے اور خداوندِ کریم کلام مجید میں ارشاد فرماتا ہے تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ۔ (ترجمہ) نماز فحشاء منکر اور بغی سے روکتی ہے فحشاء شہوت ہے۔ منکر سے مراد غضب ہے اور بغی ہوائے نفس کی تعبیر ہے اور انہی تین وجوہات کی بناء پر حضرت موسےٰ علی نبینا وعلیہ السلام کی امت میں مسخ واقع ہوا چنانچہ بندر۔ سور اور عبدِ طاغوت ہوئے۔ شہوت سے انسان اپنے نفس کا ظالم ہوتا ہے اور غضب سے دوسروں پر ظلم کرتا ہے اور ہوائے نفس سے اپنے اللہ پر ظلم کرتا ہے اور اسی بنا پر جناب رسالتمآبؐ کا ارشاد ہے کہ ظلم تین قسم کے ہیں ایک ظلم وہ ہے جو قابل بخشش نہیں۔ دوسرا ظلم وہ ہے جو ترک نہ کیا جائے گا اور تیسرا ظلم وہ ہے جس کو ممکن ہے کہ خدا معاف کر دے پس وہ ظلم جو قابلِ مغفرت نہیں۔ وہ شرک ہے جو ہوائے نفس کی پیداوار ہے وہ ظلم جس کو چھوڑا نہ جائے گا یعنی اس کا معاوضہ لیا جائے گا وہ بندوں پر ظلم کرنا ہے جو غضب کی پیداوار ہے اور وہ ظلم جس کو اگر خدا چاہے تو معاف کر دے وہ اپنے نفس کا ظلم ہے جو قوتِ شہویہ کی پیداوار ہے۔ ان تین بدخصلتوں میں سے ہر ایک کی دو دو فرعیں ہیں۔ شہوت کی دو فرعیں حرص اور بخل ہیں غضب کی دو فرعیں خود پسندی اور تکبر ہیں ہوائے نفس کی دو فرعین کفر و بدعت ہیں۔ ان کے جمع ہو جانے کا نتیجہ رحمت خدا سے دوری ہے۔ ان برائیوں کے اصول یعنی شہوت۔ غضب۔ ہوئی سورہ فاتحہ کی پہلی آیت یعنی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی تلاوت و معرفت سے ختم ہو جاتے ہیں اور باقی آیاتِ فاتحہ سے تفصیلی طور پر ان کی فرعین ختم ہو جاتی ہیں اور ان کا لازمی نتیجہ ہے قربِ خداوندی جو مومن کی روحانی معراج ہے کیوں کہ جب انسان بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھتا ہے تو اللہ کی معرفت سے ہوائے نفس کا بھوت اس کے سر سے اتر جاتا ہے کیونکہ خدا ارشاد فرماتا ہے۔ اَفَرَاَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ (ترجمہ) کیا تو نے اس کو دیکھا جو اپنی ہوائے نفس

کو خدا جانتا ہے؟ یعنی ہوائے نفس اُلوہیت سے برسرپیکار رہتی ہے چنانچہ حضرت موسیٰؑ کو خطاب ہوا کہ میری مخلوق میں سے کوئی بھی سوائے ہوائے نفس کے میرے ساتھ میرے ملک میں جھگڑا نہیں کرتا پس انسان کو جب اللہ کی معرفت حاصل ہو گئی اور اس کو خدا تسلیم کر لیا تو ہوائے نفس کے شکنجے سے آزاد ہو گیا۔ اور جب الرحمٰن کا تصور کیا تو غضب چلا گیا۔ کیونکہ غضب بھی طلب بڑائی اور تحصیل ملک وجاہ کے لئے ہوتا ہے اور ملک وجاہ ذاتِ احدیت ہی کے لئے ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذِ الْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ جب یہ معلوم ہو گیا کہ ملک رحمٰن کے لئے ہے تو طلب ملک، وجاہ کے لئے غضب کی اتباع سے خود بخود کنارا کش ہو جائے گا۔ اور الرحیم کے کہنے سے شہوت کا آہنی جال بوسیدہ ہو کر خاکستر ہو جائے گا۔ کیونکہ رحیمیت کا تصور بہیمانہ کردار کے قلع قمع کے لئے کافی ہے۔ پس معلوم ہوا کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے تینوں اسمائے طاہرہ ہر سہ صفاتِ بد شہوت غضب اور ہوائے نفس کے دور کرنے کے کفیل ہیں اور یہی روحانی امراض کی جڑیں ہیں اور تمام بد افعال انہی کی شاخیں اور نتیجہ ہیں۔ باقی آیاتِ فاتحہ ان روحانی امراض کا دفیعہ اس طرح کرتی ہیں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ:۔ جب زبان پر جاری ہوا تو گویا اعتراف کر لیا کہ خدا نے مجھے جو کچھ عطا فرمایا۔ میں اس پر راضی ہوں اور اس کا شکر ادا کرتا ہوں پس شہوت کا فد ہو گئی۔

رَبِّ الْعَالَمِيْنَ:۔ پڑھا تو معلوم ہوا کہ عالمین کا رازق و مربی اللہ ہے تو اپنی کفایت سے زیادہ کا حرص نہ کرے گا اور اپنے پاس جمع شدہ کا بخل نہ کرے گا۔

الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ کے پڑھنے سے اس کا غضب رفع ہو جائے گا کیونکہ معلوم ہو گیا کہ ملک اور عظمت اسی کی ذات کے لئے ہی ہے

اِيَّاكَ نَعْبُدُ کے پڑھنے سے تکبر کا قلع قمع ہو گیا۔

وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ سے خود پسندی ختم ہو گئی کیونکہ معلوم ہو گیا کہ ہر امر کی انجام دہی کے لئے میں خود ناکافی ہوں اور اللہ کی مدد کے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے۔

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ سے ہوائے نفس کا خاتمہ ہو گیا۔ اپنے من بھائے رستے پر چلنے سے گریز کر کے اللہ سے صراط مستقیم پر رہنے کی دعا ہے۔

صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کے پڑھنے سے کفر رفع ہو گیا اور

غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ:۔ سے بدعات کا طریقہ ختم ہو گیا۔

پس جب روحانی بیماریوں کے اصول دفروع کا پوری طرح ازالہ ہو گیا تو ظلمانی حجابات دور ہو گئے ہر طرف سے رحمت خداوندی نے گھیر لیا اور قرب روحانی حاصل ہو گیا اور یہی ہے معراجِ روحانی۔ (ملخص از تفسیر صدرا) اور قرآنِ مجید میں انہی بیماریوں سے بچنے کی تعلیمات ہیں جن کا اصولی طور پر سورۃ فاتحہ نے اجمالی رنگ میں ذکر کر دیا ہے۔ لہٰذا یہ سورہ مبارکہ اُمّ القرآن اور الاساس ہے اور من جملہ تقدیم سورہ فاتحہ کی وجوہ کے یہ بھی ایک وجہ ہے۔ اس مقام پر پہنچ کر گذشتہ بحار الانوار ص ۲۹۴ کی روایت کا آخری حصہ ذکر کرنا نہایت موزوں ہے جس میں سرکار رسالتمآبؐ نے ابوابِ جنت کی تعداد سات بتائی ہے اور ہر دروازہ پر جو کچھ لکھا تھا بیان فرمایا چنانچہ حضورؐ ارشاد فرماتے ہیں۔

جہنم

پہلے دروازہ پر تین کلمات لکھے ہوئے تھے (۱) اللہ سے اُمید کرنے والا نیک بخت ہے (۲) اللہ سے ڈرنے والا بے خوف ہے (۳) اور ہلاک ہونے والا فریب خوردہ وہ ہے جو اللہ کے غیر سے اُمید رکھے اور اس کے غیر سے خوف زدہ ہو۔

دوسرے دروازہ پر مرقوم تھا (۱) جو قیامت کی بھوک سے بچنا چاہے وہ دنیا میں بھوکے لوگوں کو کھانا کھلائے (۲) جو روز قیامت برہنہ محشور ہونے سے بچنا چاہے وہ دنیا میں برہنہ جسم لوگوں کو لباس پہنائے۔ (۳) جو قیامت کی پیاس سے بچنا چاہے وہ دنیا میں پیاسوں کو سیراب کرے۔

تیسرے دروازہ پر تحریر تھا (۱) جھوٹوں پر اللہ کی لعنت (۲) بخیلوں پر اللہ کی لعنت (۳) ظالموں پر اللہ کی لعنت

چوتھے دروازہ پر مکتوب تھا (۱) اسلام کو ذلیل کرنے والا اللہ کے نزدیک ذلیل ہے (۲) اہلبیت کی توہین کرنے والا اللہ کے نزدیک ذلیل ہے (۳) ظالموں کی امداد کرنے والا اللہ کے نزدیک ذلیل ہے۔

پانچویں دروازہ پر لکھا تھا۔ ہوائے نفس کی اتباع نہ کرو کیونکہ یہ ایمان کی دشمن ہے (۲) بے محل کلام نہ کرو کیونکہ یہ اللہ کی رحمت سے دوری کی موجب ہے (۳) ظالموں کی امداد نہ کرو۔

چھٹے دروازہ پر مرقوم تھا (۱) میں مجتہدین پر حرام ہوں (۲) میں صدقہ دینے والوں پر حرام ہوں (۳) میں روزہ داروں پر حرام ہوں۔

ساتویں دروازہ پر مکتوب تھا (۱) حساب لئے جانے سے پہلے اپنے نفسوں کا حساب کر لو (۲) تنبیہ کئے جانے سے پہلے اپنے نفسوں کو تنبیہ کر لو (۳) اللہ کی بارگاہ میں پیش ہونے سے قبل اس سے دعا کر لو۔

پس ادنیٰ تأمل و تتبع سے معلوم ہو سکتا ہے کہ دروازہ ہائے جنّت پر جو خصلتیں مرقوم تھیں وہ آیات سورہ فاتحہ کے منطوقی اصول اور ان کی فروعات ہیں لہٰذا آیاتِ فاتحہ کو کلید جنّت کہنا بالکل بجا ہے اسی طرح وہ خصلتیں جن سے بچنے کے لئے دروازہ ہائے جہنّم کی تحریر صدا دے رہی ہے وہ آیات سورہ فاتحہ کے مفہوم مخالف کے اصولاً و فروعاً نتائج ہیں جن کا نتیجہ جہنّم ہے۔

پس سورہ فاتحہ کے متعلق مختصر طور پر جو کچھ عرض کرنا چاہتا تھا۔ پورا ہو گیا۔ اس کے بعد سورہ بقرہ کی تفسیر آئے گی۔

واللہ الموفق والمعین علیہ توکلت وھو حسبی ونعم الوکیل۔ اللھم صل علی محمد وآل محمد۔

مرکز احیاء التراث
maablib.org
MAAB 1431

تفسیر

سُورۂ البقرہ

اس کی آیات ۲۸۶ ہیں اور سب مدنی ہیں۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے ملانے سے ان کی تعداد ۲۸۷ ہے

۱۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جو شخص سورہ بقرہ اور سُورہ آلِ عمران کو پڑھے گا۔ تو بروزِ محشر یہ دونو سورتیں اس کے سر پر سایہ کریں گی

۲۔ حضرت رسالت مآب سے منقول ہے کہ جو شخص سورۃ بقرہ کی پہلی چار آیتیں اور آیۃ الکرسی خالدون تک اور آخر سورہ کی تین آیتیں پڑھے گا۔ اپنے جان مال اور اہل میں کوئی ناپسندیدہ امر نہ دیکھے گا۔ شیطان اس کے قریب نہ آئے گا اور قرآن کو نہ بھولے گا۔

حروف مقطّعات کا بیان

الٓمٓ حروف مقطعات قرآنیہ کے بارے میں مفسرین کا اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ یہ ایک ایسا سربستہ راز ہے جس کو سوائے علّام الغیوب کے کوئی بھی نہیں سمجھتا۔ بعضوں نے کہا ہے کہ جن سورتوں کے شروع میں یہ حرف ہیں انہی سورتوں کے نام ہیں بعضوں نے کہا ہے کہ قرآن کے نام ہیں۔ ان کے علاوہ اور اقوال بھی ہیں جن کے درپے ہونا طول بلا طائل ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ الٓمٓ اور جمیع مقطّعات اللہ تعالیٰ کے اسم اعظم پر مشتمل ہیں جس کو نبی یا امام صحیح ترتیب دے سکتا ہے اور اسی کے ذریعہ سے ان کی دعائیں مستجاب ہوتی ہیں (الخبر)

تفسیر امامؑ سے منقول

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ①

اللہ کے نام سے جو رحمن و رحیم ہے (شروع کرتا ہوں)

الٓمّٓ ۝ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ②

یہ وہ کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں ہدایت ہے متقیوں کے لئے

الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ

جو غیب کے ساتھ ایمان رکھتے ہیں اور قائم کرتے ہیں نماز کو اور ہمارے دیئے ہوئے رزق سے

يُنْفِقُوْنَ ③ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ

خرچ کرتے ہیں وہ جو ایمان رکھتے ہیں ساتھ اس چیز کے جو آپ پر اتری اور ساتھ اس چیز کے جو آپ

قَبْلِكَ ۚ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ④ اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى

سے پہلے اتری اور آخرت کا یقین رکھتے ہیں وہ لوگ اوپر ہدایت کے ہیں۔ اپنے

مِّنْ رَّبِّهِمْ ۗ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ⑤ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

رب کی طرف سے اور وہی ہیں چھٹکارا پانے والے تحقیق وہ لوگ جو کافر ہیں ان

سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ⑥

برابر ہے خواہ ان کو ڈراؤ یا نہ ڈراؤ ایمان نہ لائیں گے

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ ۭ وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ

مہر لگا دی اللہ نے ان کے دلوں پر اور کانوں پر اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے

غِشَاوَةٌ ۠ وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ⑦

اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے۔

ع ۱

ہے کہ ان حروف سے ابتداء کا مقصد منکرین کو تحدی کرنا ہے یعنی یہ قرآن صرف انہی حروف سے مرکب ہے جن سے تم اپنے کلام مرکب کرتے ہو۔ اس کے حروف کوئی نئے نہیں بلکہ تمہارے روزمرہ کے استعمال ہونے والے حروف ہیں۔ پس اگر اس کلام کو تم اللہ کا کلام نہیں مانتے تو انہی حروف سے تم بھی اس جیسا کلام بنا کر لاؤ۔

تفسیر صافی سے بحوالہ تفسیر عیاشی حضرت امام محمد باقرؒ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا: میرے پاس حروف مقطعات قرآنیہ کا ایک بہت بڑا ذخیرہ موجود ہے۔

اور تحقیق یہ ہے کہ جملہ حروفِ مقطعاتِ قرآنیہ اسرار و رموز علوم الٰہیہ کے خزانے ہیں جن کی صحیح خبر راسخون فی العلم کے علاوہ اور کسی کو نہیں اور یہ کہنا کہ سوائے اللہ کے اور کوئی جان ہی نہیں سکتا حتیٰ کہ نبیؐ و امامؑ بھی اس سے بیخبر ہیں۔ بالکل غلط ہے۔ ورنہ یہ کتاب ساری کی ساری ہدایت کیسے ہو سکتی ہے جب کہ اس کے بعض کلمات کسی کی سمجھ میں ہی نہ آئیں اور پھر اس قسم کے الفاظ نازل کرنے کا فائدہ ہی کیا ہے۔ جس کا علم اس کے اپنے رسول کو بھی نہ ہو؟ پس جس طرح عموماً حبیب و محبوب کے باہمی مکالمات و مکاتیب میں بعض اس قسم کے اسرار و رموز ہوا کرتے ہیں جن کو غیر نہیں سمجھ سکتا یا یوں سمجھئے کہ جس طرح ایک افسر اعلیٰ اور حاکم بالا اپنے ماتحت افسر کو رعایا پر نافذ کرنے کے لئے چند احکام تحریر کرے اور چٹھی کے سرنامہ پر چند ایسے اشارات درج کر دے جن کا تعلق صرف اسی مکتوب الیہ افسر سے ہو اور ان اشارات میں چٹھی کے تمام مندرجہ احکام کے نافذ کرنے کی خصوصی ہدایات درج ہوں۔ جن پر عوام کو مطلع کرنا مصلحتِ وقت کے خلاف ہو تو جب عوام کے سامنے وہ چٹھی آئے گی۔ یقیناً وہ سرنامے پر درج شدہ اشارات کو مہمل خطوط سمجھیں گے اور ذیل میں مندرجہ احکام کے صحیح طریقۂ نفاذ تک ان کی رسائی قطعاً نہ ہو سکے گی لہٰذا انکے نظریات میں اختلاف پیدا ہو جائے گا۔ جس کا صحیح فیصلہ وہ ہی افسر کر سکے گا جس کو وہ چٹھی بھیجی گئی تھی اور اشاراتِ خصوصی پر اسے مطلع کیا گیا تھا اور اس کی عدم موجودگی میں اس کا صحیح قائم مقام ان مندرجات کے صحیح نفاذ کا ذمہ وار ہوگا۔

اسی طرح مقطعاتِ قرآنیہ کے علوم حضرت محمد مصطفیٰؐ اور اس کی آل طاہرین ہی تک محدود ہیں۔ چنانچہ بعض روایات میں اس کا مضمون گذر چکا ہے اور وہی قرآنِ مجید کے جملہ مضامین کا صحیح حل سمجھ سکتے ہیں۔ ان کے دروازہ سے یکسوئی ہی مسلمانوں کے اختلاف کی سب سے بڑی وجہ ہے۔ پس جس طرح سلاطین دنیا کا یہی طرزِ عمل ہے کہ ان کی چٹھیاں دو حصوں پر منقسم ہوا کرتی ہیں ایک حصہ کا تعلق صرف مکتوب الیہ افسر سے ہوتا ہے جس میں عمومی احکام کے نافذ کرنے کے طریقے اور دیگر خصوصی ہدایات ہوتی ہیں اور دوسرے حصے کا تعلق عام رعایا سے ہوتا ہے لیکن

دوسرے حصہ کو کماحقہٗ وہی سمجھ سکتا ہے۔ جس کو پہلے حصے کا علم ہو اسیطرح قرآن مجید میں مقطعاتِ قرآنیہ کا علم انہی ذواتِ طاہرہ سے مختص ہے جن کو قرآن کا مبلّغ قرار دیا گیا اور باقی قرآن کا تعلق پوری امت سے ہے۔ پس اس سے ثابت ہوا کہ قرآن پورے کا پورا ہدایت و رحمت ہے لیکن ہادی سے کنارا کشی اس کے صحیح مطالب سے دوری کا موجب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جناب رسالتمآبؐ نے بار بار قرآن و اہلبیت ہر دو سے تمسک کی تاکید فرمائی اور اس کے بغیر امت کی گمراہی کا خطرہ ظاہر فرمایا۔

علاوہ ازیں حروف مقطعات جن کی کل تعداد (چودہ ہے) کی صحیح ترتیب خود اس امر کی غمّاز ہے کہ ان کا علم آلِ محمدؐ تک ہی محدود ہے کیوں کہ قرآن کے تمام حروف مقطعات کو جمع کر کے دوبارہ آنے والے حروف کو علیحدہ کیا جائے تو بامعنی عبارت یہ بنتی ہے صِرَاطٌ عَلِیٌّ حَقٌّ نُمْسِکُہٗ یَا عَلِیُّ صِرَاطُ حَقٍّ نُمْسِکُہٗ اس کے بغیر اور کوئی صحیح عبارت بن ہی نہیں سکتی۔

MAAB 1431
مرکز احیاء آثار
maablib.org

تفسیر رکوعِ اوّل

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ حروف تہجی الف لام میم وغیرہ سے مرکب کامل یہی کتاب ہے ذرا بھر اس میں شک نہیں یعنی اگر اسکی ترتیب و نظم و اسلوب بیان کا صحیح مطالعہ کیا جائے تو اس دعویٰ کی تصدیق میں کوئی شک نہیں رہتا اور پھر بھی اگر کوئی اس کتاب کو غیر اللہ کا کلام کہے تو انہی حروف سے اس جیسا کلام مرکب کر کے پیش کرے یا یہ وہ کتاب ہے جس کے متعلق انبیاء سابقین نے خبر دی تھی اور اس بات میں کوئی شک نہیں۔ یا۔ اللہ نے جس کتاب کے نازل فرمانے کا وعدہ فرمایا تھا بلا شک و شبہ یہ وہی کتاب ہے۔ یا۔ یہ وہ پائدار کتاب ہے جو قابل تغیر و نسخ نہیں جس طرح کتب گذشتہ تھیں (یعنی ریب کنایہ نسخ سے ہو (تفسیر صدر) یا یہ وہ سچی کتاب ہے جس کی صداقت و حق بیانی میں قطعاً صاحب عقل سلیم کے لئے کوئی شک و شبہ کی گنجائش نہیں یہ یاد رہے کہ تحریف سے پہلے کتب سماویہ سابقہ کی یہی صفت ہے کہ ان کی صدق بیانی میں کوئی شک کی گنجائش ہی نہیں ہوتی لیکن اس مقام پر چونکہ قرآن مجید کے متعلق نزاع تھا لہٰذا اسی مقدس کتاب کو نفی ریب سے مخصوص کیا گیا حاصل معنی یہ ہے۔ یہ وہ کتاب کامل بلکہ اکمل ہے جس میں نہ کوئی لفظی یا معنوی نقص و عیب ہے جو موجب گرفت ہو اور نہ اس میں کوئی رخنہ ہے تاکہ قابل ترمیم ہو اور نہ اس میں کوئی کمزوری ہے تاکہ قابل تغیر و نسخ ہو اور یہ جملہ تمام قرآنی مطالب کا موضوع بیان اور عنوان بحث کی حیثیت رکھتا ہے۔

هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ متقین کے لئے ہدایت ہے یا ہادی ہے مقصد یہ ہے کہ یہ کتاب ہر شخص کے لئے منارِ ہدایت ہے لیکن چونکہ اس کی ہدایت سے نفع صرف متقی ہی اٹھاتے ہیں اس لئے ان کا خصوصیت سے ذکر کیا گیا جس طرح جناب رسالت مآب ﷺ عالمین کے رسول تھے لیکن چونکہ اسلام لانے والوں نے ہی ان کی تبلیغات سے اثر لیا۔ لہٰذا مسلمانوں کے رسول کہلاتے ہیں یعنی فیض قرآن عام ہے لیکن قبول کرنے والے کی نااہلیت اس فیض عام کی نفی نہیں کر سکتی اور اس صورت میں اس کے فیض کو صرف قبول کرنے والوں سے منسوب کر دیا جائے تو اس میں حرج بھی کوئی نہیں۔ اس کی واضح مثال یوں سمجھئے کہ جسمانی امراض کے علاج کے لئے جو شفاخانہ جات اور ڈاکٹر مقرر کئے جاتے ہیں۔ وہ تمام بیماروں کے لئے یکساں طور پر مفید و کارآمد ہوتے ہیں۔ لیکن اگر مریض ان کے قریب تک نہ جائے یا جا کر مقررہ علاج سے گریز کرے یا ڈاکٹر کے مشوروں پر عمل نہ کرے تو اس کا یہ مطلب

ہرگز نہیں کہ وہ شفاخانہ یا دوا یا ڈاکٹر اس مریض کے لئے مفید نہ تھا۔ اور اس صورت میں اگر کہا جائے کہ وہ صرف ان لوگوں کے لئے کارآمد ہیں جنہوں نے اس شفاخانہ میں داخل ہو کر ڈاکٹر کی تشخیص و مشورہ کے مطابق ادویہ جات کا استعمال کیا۔ تو یہ بات اس شفاخانے یا ادویہ یا ڈاکٹر کے عمومی فائدہ مند ہونے کے منافی نہیں اسی طرح روحانی امراض کے لئے دائرۂ اسلام شفاخانہ اور جناب رسالتمآبؐ اور اس کی آلِ طاہرین معالج اور احکام قرآنیہ ادویہ جات ہیں۔ ان کی افادیت عالمین کے لئے یکسان ہے۔ پس اس روحانی شفاخانہ (دائرہ اسلام) میں داخل نہ ہونا یا داخل ہو کر اس کے حقیقی معالجین یعنی محمدؐ و آلِ محمدؐ کے بتائے ہوئے طریقہ کے بغیر قرآنی نسخہ جات کا استعمال کرنا یا حقیقی معالجین کی تشخیص نہ کرنا یا ان کی فرمائشات سے انحراف کرنا۔ نہ قرآن کی عالمی ہدایت کے منافی ہے اور نہ مبلغین قرآن کی عالمی تبلیغ پر حرف زنی کا موجب ہے پس قرآن جس طرح ہدایت کل تھا لیکن صرف متقین نے ہی اس سے فائدہ اٹھایا لہٰذا اس کو ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ کہا گیا۔ اسی طرح جناب رسالتمآبؐ کے بعد مبلغ قرآن حضرت علی علیہ السلام تھے اور اگرچہ وہ امام الخلق تھے لیکن ان کو صرف متقین نے ہی امام تسلیم کیا لہٰذا ان کا لقب امام المتقین ہوگیا اور چونکہ اسلام اور قرآن کے ذمہ دار افراد میں سے سب سے زیادہ اور اہم اختلاف صرف حضرت علی علیہ السلام کی ذات بابرکات میں ہے۔ اسی لئے ان کو اس لقب خصوصی سے ملقب کیا گیا ورنہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ سے لے کر حضرت قائم آلِ محمدؐ عج علیہ السلام تک سب کے سب متقین کے پیشوا اور ہادی ہیں۔ اور سب قرآن کے ساتھ ہیں، نہ وہ قرآن سے جدا ہیں نہ قرآن اُن سے جُدا ہے اور تفسیر برہان میں کتب معتبرہ امامیہ سے منقول ہے کہ حضرت صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ متقی ہمارے شیعہ ہیں۔

یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ اس کو جملہ مستانفہ بھی کہا گیا ہے اور متقین کی صفت بھی کہا گیا ہے۔ بہرکیف یہ متقین کا بیان ہے اور اس میں متقین کی نشانیاں بتائی گئی ہیں یہاں غیب سے تین مطلب لئے جا سکتے ہیں۔ (۱) دِل (۲) غائب ہونے کی حالت (۳) وہ امور جو حواسِ ظاہریہ کی پہنچ سے دُور ہیں۔

پہلی صورت میں معنی یہ ہوگا کہ متقی وہ لوگ ہیں جو دِل سے ایمان رکھتے ہیں یعنی ان کا ایمان صرف تعلقۂ لسانی اور اقرارِ زبانی نہیں ہوا کرتا۔ بلکہ جس طرح وہ منہ سے اقرار کرتے ہیں اسی طرح اپنے دلوں میں اس کا اعتقاد یقین بھی رکھتے ہیں

دوسری صورت میں معنی یہ ہوگا کہ متقی وہ لوگ ہیں جو غائب ہونے کی حالت میں بھی ایمان رکھتے ہیں۔ ایسا نہیں کہ تمہارے سامنے ہوں تو ایمان کا اظہار کریں اور سامنے سے غائب ہو جائیں تو اور اور باتیں کریں بلکہ پاس بیٹھے

ہوں یا تنہائی میں ہوں۔ کسی صورت میں ان کے ایمان میں لغزش نہیں آتی۔

تیسری صورت میں معنی یہ ہوگا کہ متقی وہ لوگ ہیں جو تمام ان چیزوں پر ایمان رکھتے ہیں جو خداوند کریم نے بزبان رسالتمآب فرمائی ہیں گو وہ چیزیں ان کے حواس ظاہرہ کے ادراک سے غائب ہیں مثلاً معراج کے واقعات قیامت کے مواقف جنت و نار کے حالات انبیاء سابقین کی نبوت و رسالت اور ملائکہ کا وجود وغیرہ اور اس زمانہ میں خود نبوت و بعثت رسالتمآب اور اس کے اوصیائے طاہرین کی امامت بھی ان ہی امور میں داخل ہیں اور من جملہ ان امور کے حضرت حجت علیہ السلام کا ظہور اور زمان غیبت بھی ہے چنانچہ آئمہ اہلبیتؑ سے بکثرت روایات موجود ہیں تبرکاً چند حدیثیں اس مقام پر ذکر کی جاتی ہیں

۱۔ البرہان عن ابن بابویہ عن ابی حبیب اللہؒ فی قولہ عزوجل الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ۔ قال من امن بقیامِ القائمؑ انہ حق و فی نسخۃ من اقرّ بقیام القائمؑ علیہ السلام۔ (ترجمہ) خداوند کریم کے فرمان الذین یومنون بالغیب کی تفسیر میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ان سے مراد وہ لوگ ہیں جو قائم آلِ محمدؐ کی آمد پر ایمان لائیں اور اس کو حق سمجھیں اور بعض نسخوں میں ہے۔ جو قیام حضرت قائم کا اقرار کریں۔

۲ وعنہؒ فی حدیث قال المتقون شیعۃ علیؑ والغیب فھو الحجۃ الغائب الخبر (ترجمہ) نیز حضرت امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا۔ متقی علیؑ کے شیعہ ہیں اور غیب سے مراد حضرت حجت غائب سے ہے الخبر

۳۔ وعنہ جابر بن عبد اللہ الانصاری عن رسول اللہؐ فی حدیث یذکر فیہ الائمہ الاثنی عشر و فیھم القائمؑ قال قال رسول اللہؐ طوبیٰ للصابرین فی غیبتہ طوبیٰ للمقیمین علیٰ محبتھم اولئک من وصفھم اللہ فی کتابہ فقال "الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ" ثم قال "اولئک حزب اللہ الا ان حزب اللہ ھم الغالبون"۔ (ترجمہ) جابر بن عبد اللہ انصاری سے روایت ہے کہ ایک حدیث میں جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا جس میں بارہ اماموں کا ذکر فرمایا اور حضرت قائمؑ کا بھی اسمیں نام لیا۔ تو آپ نے فرمایا طوبیٰ ہے ان لوگوں کے لئے جو اس کی غیبت میں صبر کریں اور طوبیٰ ہے ان لوگوں کے لئے جو ان کی محبت پر ثابت قدم رہیں۔ خداوند کریم نے اپنی کتاب پاک میں انہیں کا ذکر فرمایا ہے چنانچہ فرماتا ہے الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ پھر ارشاد فرمایا وہی اللہ کی فوج ہیں اور آگاہ ہو تحقیق اللہ کی فوج ہی غلبہ حاصل کرنے والی ہے۔

وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ یہ متقین کی دوسری نشانی ہے یعنی متقی وہ لوگ ہیں جو نماز کو ہمیشہ بروقت اور پوری حدود کے ساتھ خشوع و خضوع سے ادا کرتے ہیں کیونکہ اقامت الصلوٰۃ کے تین معانی بیان کئے گئے ہیں۔ (۱) ہمیشہ ادا کرنا (۲) پوری حدود شرائط کے ساتھ ادا کرنا (۳) بروقت ادا کرنا۔

وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ یہ متقین کی تیسری نشانی ہے کہ ہمارے دیئے ہوئے رزق سے خرچ کرتے ہیں۔ یا ہمارے عطا کردہ علم سے لوگوں کو سکھاتے ہیں گویا رزق سے مراد یہاں عام ہے۔ خواہ مالی ہو خواہ بدنی ہو۔ خواہ علمی ہو۔ یعنی مالی رزق سے فقراء و مساکین کی خبر گیری کریں۔ لہٰذا زکواۃ و خمس اور دیگر تمام صدقات مالیہ واجبہ و مستحبہ اس میں داخل ہیں اور بدنی رزق سے بھی محتاجوں کی امداد کریں۔ مثلاً بینا کو چاہیئے کہ بوقت ضرورت نابینا کی دستگیری کرے تندرست کو چاہئے کہ بیمار کی عیادت و تیمارداری کرے۔ قوی کو چاہیئے کہ ضعیف کی امداد کرے۔ صاحب اعضائے صحیحہ پر لازم ہے کہ بے دست و پا اپاہج لوگوں کی فریاد رسی کریں وعلیٰ ہذا القیاس۔ یہ نعماتِ بدنیہ اللہ کا عطا کردہ رزق ہیں ان کا خرچ یہی ہے کہ جو لوگ ان نعمات سے محروم ہیں ان کی امداد و اعانت کی جائے۔ اسی طرح علمی رزق کو بے علم لوگوں پر خرچ کرنا بھی واجب ہے یعنی عالم کا فریضہ ہے کہ جہلا کو علومِ واجبۂ شرعیہ کی تعلیم دے۔ عبادات میں سے متقین کی نشانیاں صرف یہی دو بیان فرمائیں شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ جملہ عبادات سے یہ دو باتیں اہم ترین ہیں بلکہ جو شخص ان دو عبادتوں کو اپنے پورے حدود و شرائط کے ساتھ ادا کرے تو باقی تمام واجبات ان کے اندر آجاتے ہیں اور تمام گناہوں سے وہ خود بخود کنارا کش ہو جاتا ہے۔ کیونکہ صحیح معیار پر نماز کا قائم کرنا جملہ حقوق اللہ کے ادا کرنے کی دعوت دیتا ہے اور رزقِ خدا سے صحیح خرچ کرنا جملہ حقوق العباد میں تصرفِ بے جا سے بچاتا ہے۔ پس ان دو عبادتوں کی صحیح ادائیگی تمام واجباتِ فرعیہ کی ادائیگی کی تفصیلی دعوت ہے اور ان دو کا ترک تمام محرماتِ شرعیہ کا پیش خیمہ ہے اس لئے متقین کی عملی زندگی میں سے ان دو عبادتوں کو خصوصیت سے ذکر کر دیا گیا۔

نتیجہ قرآن ہدایت ہے متقین کے لئے یعنی قرآن سے صحیح تمسک وہی رکھتے ہیں جو متقی ہیں۔ اسی طرح اہلبیت علیہم السلام آئمہ ہیں متقین کے یعنی اہلبیتؑ سے صحیح تمسک وہی رکھتے ہیں جو متقی ہوں تو معلوم ہوا کہ قرآن و اہلبیتؑ ہر دو سے صحیح تمسک رکھنے والے ہی متقی ہوتے ہیں۔ اور متقین کی نشانیاں یہ ہیں جو خداوند کریم نے بیان فرمائی ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ صرف زبانی دعویٰ قرآن و اہلبیتؑ سے تمسک کرنے کا کافی نہیں۔ جب تک عملی تصدیق ساتھ نہ ہو۔ نماز و زکواۃ و دیگر فرائض کے متعلق احادیث جو آئمہ طاہرینؑ سے منقول ہیں کسی اور مناسب مقام پر ذکر کی جائیں گی انشاء اللہ تعالیٰ۔

وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ :۔ متقین کی چوتھی علامت یہ ہے کہ آپؐ پر نازل شدہ چیز یعنی قرآن مجید اور اس کے جملہ احکام پر ایمان رکھتے ہیں۔

وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ اور آپ سے پہلے جو کتابیں نازل کی گئی ہیں ان پر

بھی ایمان رکھتے ہیں۔

وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ :۔ اور متقین کی پانچویں نشانی یہ ہے کہ آخرت کا یقین رکھتے ہیں۔

اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ۔ یہی لوگ اللہ کی طرف سے ہدایت پر ہیں۔ یعنی متقین جن کی پانچ علامتیں مذکور ہوئی ہیں۔ قرآنی ہدایت پر عمل کرنے والے یہی لوگ ہیں۔

وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ :۔ اور بروز قیامت یہی رستگاری حاصل کرنے والے ہیں۔

maablib.org

قرآن مجید کے تمہیدی بیان کی وضاحت

نوع انسان مزاج کے اختلاف کی بناء پر تین قسموں پر منقسم ہے۔ منصف مزاج۔ ضدّی مزاج اور متلوّن مزاج۔

۱۔ منصف مزاج۔ جو بات کو سنتے ہیں اور سمجھتے ہیں اور پرکھ کر اچھی چیز کو اپناتے ہیں اور بُری چیز سے دور ہو جاتے ہیں یعنی حق کو لے لیتے ہیں اور باطل کو ٹھکرا دیتے ہیں۔

۲۔ ضدی مزاج۔ وہ جو کسی کی سنتے نہیں یا سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے یا پھر پرکھ نہیں کرتے یا سننے سمجھنے پرکھنے کے بعد بھی باطل کو چھوڑنا پسند نہیں کرتے۔ اُن کا نظریہ صرف یہی ہوتا ہے کہ جو کچھ اپنا خیال ہے خواہ درست خواہ غلط۔ بس اسی پر ہی رہنا ہے اور دوسرے نظریہ کا خواہ حق ہی ہو۔ ہر ممکن حربہ سے مقابلہ کرنا ہے پس اس مزاج کے انسان دوسرے کے نظریہ کے مقابلہ کرنے کے لئے دلیل و برہان یا کسی دوسرے معقول فیصلے کو خاص اہمیت نہیں دیتے۔ بلکہ زور زور اور ہنگامہ آرائی ہی ان کا آخری ہتھیار ہوا کرتا ہے: اور عموماً تشدّد ہی ان کا آلۂ کار ہوتا ہے کیونکہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ معقول فیصلہ ہمیں اپنے مسلک سے دست برداری پر آمادہ کرے گا جس کو وہ کسی قیمت پر قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔

۳۔ متلوّن مزاج:۔ وہ لوگ ہوتے ہیں جو اپنی زندگی تماشائی صورت میں بسر کرنا اپنی کامیابی سمجھتے ہیں وہ حق والوں کے بھی دوست اور باطل پرستوں کے بھی ہمنوا ہوتے ہیں نہ ان کی دل شکنی کرتے ہیں اور نہ ان سے بیزاری کا اظہار کرتے گویا ان کے پاس ہوں تو ان کے اور اُن کے پاس ہوں تو اُن کے ہو جایا کرتے ہیں۔ پس قرآن مجید کا پر از حکمت کلام پہلے پہل ان ہر سہ قسم کے لوگوں کے نظریات و اعمال کی وضاحت کرتا ہے۔ پہلی قسم کو متقین سے تعبیر فرمایا اور دوسری قسم والوں کو کفر کی صفت سے ذکر کیا اور تیسری قسم کے صرف اوصاف و علامات کا ذکر فرمایا اور اصطلاح قرآن میں اس قسم کو منافقین کہا جاتا ہے۔ پس قرآن مجید اگرچہ تمام نوع انسان کے لئے باعث ہدایت ہے لیکن پہلی قسم کے لوگ ہی اس سے نفع اٹھاتے ہیں پس وہی مومن و متقی کے لقب سے یاد کئے جاتے ہیں اور قرآنی ہدایت چونکہ صرف انہی کے کام آتی ہے لہٰذا قرآن کو ہدًی للمتقین کہا اور دوسری قسم والے چونکہ قرآن کی فرمائشات کو ٹھکرا دیتے ہیں خواہ ان کو ہزار سمجھایا جائے وہ ہرگز اسکو قبول کرنے پر آمادہ ہی نہیں ہوتے پس ان کو کافر کہا گیا کیونکہ کفر کا معنی ہے انکار اور تیسری قسم کو منافق کہا گیا کیونکہ نفاق کا معنی ہے مقبولیت عامہ چونکہ وہ اپنی دوطرفی پالیسی سے اپنی مقبولیت عامہ چاہتے ہیں۔ لہٰذا ان کو منافق کہا گیا۔

مسئلہ قضاء و قدر

خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ الخ (مہر لگا دی اللہ نے ان کے دلوں پر) یہ آیت اور اس قسم کی دوسری آیات سے بعض لوگ اس اشتباہ میں مبتلا ہیں کہ کافر کے دل پر جب اللہ نے مہر کر دی ہے تو وہ اب اپنے اعمال میں مجبور ہے۔ جس طرح کہ مومن مہرِ کفر نہ ہونے کی وجہ سے نیکی کرنے پر مجبور ہے اور امتِ اسلامیہ میں یہ مسئلہ انتہائی انتشار و تشویش کا موجب بنا آرہا ہے۔ ہر دور میں علماء نے اس مسئلہ پر اپنی اپنی حیثیت سے اظہارِ خیال کیا ہے۔ اہلِ قلم نے اس مسئلہ پر اپنی تحقیقات کے طومار لکھ دیئے۔ لیکن اکثریت آرائے فاسدہ و اوہام کاسدہ کی اتباع میں راہِ مستقیم سے کوسوں دور رہی۔ اور اس مسئلہ میں روحِ تسکین و اطمینان سے وہی بہرہ ور ہوئے جنہوں نے ابوابِ مدینۂ علمِ رسالت پر جبہ سائی کی اور شناورانِ دریائے حقیقت سے معارف و حقائق کا درس لیا۔

اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ خداوندِ کریم خلقتِ موجودات سے پیشتر تمام ہونے والی مخلوق خواہ مادی ہو یا مجرد علوی ہو یا سفلی عرشی یا فرشی نوری یا ناری اور جنتی یا دوزخی کے تمام جزوی و کلی حالات کو ازل سے جانتا ہے اور ابدالآباد تک ہونے والے سب واقعات روزِ ازل سے اس کو بیک وقت معلوم ہیں نیکوں کی نیکیاں بدوں کی برائیاں ظالم کا ظلم اور مظلوم کی مظلومی۔ حتیٰ کہ سب حوادثِ تفصیلیہ ازل سے اس کے علم میں ہیں۔ اب اس نے ان صفات سے متصف ہونے والی مخلوق کو اپنے ارادہ ازلیہ سے اور قدرتِ کاملہ سے خلق فرمایا اور اس تخلیق میں وہ مجبور نہیں بلکہ اپنے اختیار سے ایسا کیا ابلیس اور اس کے پیرو اور ان کی تخریبات جو عالمِ موجودات میں ہونے والی تھیں سب کو پہلے سے جانتا تھا اور اپنے ارادہ کاملہ سے ان کو اسی طرح علی الترتیب خلق فرمایا جس طرح اس کے علم میں تھا اور ان کے بالمقابل اپنے مبلغین انبیاء و رسل وغیرہ اور ان کے اطاعت گذاروں کو بھی اپنے علمِ سابق کی بنا پر ترتیب وار منصۂ شہود پر جلوہ افروز فرمایا۔ پس ان سب ہونے والے واقعات کے علمِ سابق کا نام ہے قضا اور اسی ترتیب سے علل و اسباب کی وساطت سے ترتیب وار تمام موجودات کو خلعتِ وجود عطا کرنے کا نام ہے قدر۔

بعض لوگوں نے صرف قضاء کو لے لیا ہے اور قدر کو ترک کر دیا ہے وہ جبریہ کہلاتے ہیں۔

اور جنہوں نے قدر کو لے لیا اور قضاء سے غافل ہوئے ان کو قدریہ کہا جاتا ہے۔

جبریہ کا اعتقاد ہے کہ مخلوق کے جملہ افعال اچھے یا برے خداوندِ کریم کے علمِ ازلی میں موجود ہیں۔ لہٰذا کوئی

انسان اس علمِ ازلی الٰہی کے خلاف تو کر نہیں سکتا ورنہ اللہ کے علم میں خطا لازم آئے گی لہٰذا انسان اپنے افعال میں مجبور ہے اور تمام نیک و بد اعمال اللہ ہی کی جانب سے ہیں۔

قدریہ کا عقیدہ ہے کہ چونکہ موجوداتِ عالم علل و اسباب کے ماتحت ہیں اور کوئی شے بغیر اسباب کے ہو نہیں سکتی لہٰذا انسان اپنے افعال میں مختارِ کُل ہے۔ اچھے اسباب کا نتیجہ اچھا اور بُرے اسباب کا نتیجہ بُرا ہونا یقینی ہے اور اسباب کی اچھائی یا بُرائی انسان کے اپنے اختیار میں ہے۔

گویا جبریہ قضاء کے معنی کا تصور کر کے علل و اسباب کو بھول جاتے ہیں اور قدریہ علل کو اسباب پر نظر رکھ کر قضاء کو فراموش کر دیتے ہیں احادیث میں ان ہر دو فرقوں پر قدریہ کی لفظ عام طور پر استعمال کی گئی ہے جیسا کہ شیخ عباس قمی اعلی اللہ مقامہ نے سفینۃ البحار میں اس امر کی تصریح فرمائی ہے۔ چنانچہ جناب رسالتمآبؐ سے منقول ہے۔ جیسا کہ تفسیر صدر میں ہے۔

۱۔ القدریۃ مجوس ھذہ الامۃ (ترجمہ) قدریہ اس امت کے مجوسی ہیں۔

۲۔ وفیہ لعن اللہ القدریۃ علی لسان سبعین نبیاً قیل ومن القدریۃ یارسول اللہ قال قوم یزعمون ان اللہ سبحانہ قدر علیھم المعاصی (ترجمہ) خدا نے ستر نبیوں کی زبانی قدریہ فرقہ پر لعنت بھیجی ہے۔ آپ سے سوال کیا گیا کہ حضور! قدریہ کون لوگ ہیں تو آپ نے فرمایا وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ خدا نے ہمارے لئے گناہ مقدر کر دیئے ہیں

۳۔ وفیہ ایک شخص جناب رسالتمآبؐ کی خدمت میں آیا تو آپ نے اس سے دریافت فرمایا کہ تو نے جو انوکھی چیز دیکھی ہو مجھے بیان کر اس نے عرض کی کہ میں نے ایک قوم دیکھی ہے جو اپنی ماؤں بہنوں سے نکاح کرتے ہیں جب اُن کو کہا جائے کہ تم ایسا کیوں کرتے ہو؟ تو جواب میں کہتے ہیں کہ خدا کی قضاء و قدر ایسی ہے یعنی خدا نے ہمارے لئے یہی مقدر کر رکھا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میری اُمت میں بھی اس قسم کے لوگ پیدا ہوں گے جو ایسی باتیں کریں گے اور وہ میری امت کے مجوسی ہوں گے۔

۴۔ وفیہ جابر بن عبداللہ سے منقول ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ آخری زمانہ میں ایک قوم پیدا ہو گی جو گناہ کریں گے اور کہیں گے کہ خدا کی تقدیر ایسی تھی پس ان کی تردید کرنا اللہ کی راہ میں تلوار سے جہاد کرنے کے برابر ہے۔

ظاہر ہے کہ ان احادیث میں قدریہ سے مراد وہ لوگ ہیں جو اپنے آپ کو افعال میں مجبور سمجھتے ہیں۔

سفینۃ البحار میں امام رضا علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضرت امام علی زین العابدین علیہ السلام نے اس آیت کو پڑھا ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتی یغیروا ما بانفسھم واذا اراد اللہ بقوم سوء فلا مرد لہ اور فرمایا قدریہ فرقہ اپنے

مذہب کے اثبات کے لیئے اس آیت کے پہلے حصّہ کو پیش کرتے ہیں۔ حالانکہ ایسا نہیں کیونکہ بعد میں ارشاد ہے عَاذَا اَرَادَ اللّٰہُ بِقَوْمٍ سُوْٓءًا فَلَا مَرَدَّ لَہٗ مقصد یہ ہے کہ آیت کے پہلے حصّہ میں انسان کا مختار ہونا ثابت ہے اور آخری حصّہ میں ارادۂ ازلیۂ الٰہیہ کی حکومت ثابت ہے۔ آیت کا مرادی معنی یہ ہے کہ خداوند کریم کسی قوم کی نعمات کو زائل نہیں کرتا یعنی ان پر عذاب نہیں کرتا جب تک کہ اپنے نفسوں کے اعمال سے زوال نعمت کے وہ مستحق نہ ہو جائیں اور جب خدا کسی قوم پر عذاب کا ارادہ کرتا ہے تو اس کو کوئی ٹال نہیں سکتا۔ یعنی خداوند کریم نے عالم ظاہر میں اشیاء کو اسباب سے وابستہ کر دیا ہے اور ان اسباب کے صحیح و غلط استعمال میں انسان کو پورا پورا اختیار دے رکھا ہے نیک اعمال کو سبب نجات اور بد اعمال کو سببِ عذاب قرار دیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ انسان ان کی بجا آوری میں قطعاً مجبور نہیں بلکہ مختارِ کُل ہے۔ لیکن اُدھر اُس کے علمِ ازلی میں یہ ثابت ہے کہ فلاں نیک اعمال کر کے ناجی ہوگا اور فلاں بد اعمال کی بدولت مستحق عذاب ہوگا۔ تو پس جس کی نیک اعمالی کے لئے خدا کا ارادہ ازلیہ ثابت ہے تو دنیا میں اس سے نیکی ہی ہوگی اور علم ازلی الٰہی میں جس کا بد اعمال ہونا ثابت ہے وہ دنیا میں بد اعمال ہی ہوگا۔ اور مستحق عذاب ہوگا۔ پس آیت کا مطلب یہی ہے کہ دنیا میں بغیر اسباب ظاہریہ عذاب کے عذاب نہیں ہوتا اور خدا کسی قوم پر بغیر ان کے استحقاق کے عذاب نہیں کرتا لیکن جن کے متعلق ارادۂ ازلیہ میں عذاب کا استحقاق موجود ہے انہوں نے دنیا میں اسباب ہی ایسے پیدا کرنے ہیں جن کی بدولت وہ اپنے اختیار سے عذاب کے سزاوار ہوں گے اور اس امر کو کوئی ٹال سکتا ہی نہیں کیونکہ خدا کے علم ازلی میں خطاء و غلطی کا امکان ہی نہیں ہو سکتا اور اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اللہ کے علمِ ازلی کے ماتحت انسان اپنے اعمال میں مجبور ہے کیونکہ اس کا علم انسان کے اختیار میں کوئی پابندی نہیں لاتا۔

پس قضاء و قدر بھی حق ہے اور انسان کا اختیار بھی ثابت ہے چنانچہ حدیثِ قدسی میں وارد ہے۔

من لم یرض بقضائی ولم یصبر علی بلائی فلیبتغ ربًا سوای ولیخرج من ارضی وسمائی (ترجمہ) جو شخص میری قضاء پر راضی نہ ہو اور میری آزمائشات پر صابر نہ ہو تو پس کسی اور رب کی عبادت کرے اور میرے آسمان و زمین سے نکل جائے۔

عقیدۂ جبریہ کی تردید۔ کافی باب الجبر والقدر سے مروی ہے کہ حضرت امیر المومنینؑ جنگِ صفین سے واپسی کے بعد کوفہ میں تشریف فرما تھے کہ ایک بوڑھا آدمی دوزانو ہو کر خدمتِ اقدس میں بیٹھ گیا اور عرض کی یا امیر المومنینؑ! فرمایئے ہماری شام پر فوج کشی قضاء و قدر سے تھی؟ آپ نے فرمایا ہاں اے شیخ تمہارا ہر بلندی و پستی پر چڑھنا یا اترنا اللہ کے قضاء و قدر سے تھا پس اس نے عرض کی کہ پھر میں اپنی اس تکلیف و مشقت کو اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا بوڑھے خاموش رہو!

خدا کی قسم تمہاری اس روانگی میں حالت سفر یا حالتِ قیام یا حالتِ واپسی ہر حال میں خدا نے تمہارے لئے اجر عظیم مقرر فرمایا ہے۔ تم ان حالات میں مجبور و مضطر نہیں تھے (بلکہ تم نے اپنے اختیار سے سب کچھ کیا لہٰذا تم مستحق اجر ہو) بوڑھے نے عرض کی حضور! واضح فرمائیے جب ہمارا جانا اور آنا سب قضاء و قدر سے تھا تو ہم مجبور و مضطر کیوں کر نہ تھے؟ آپ نے فرمایا کیا تو یہ سمجھا ہے کہ قضاء حتمی اور قدرِ ضروری تھی؟ (قضاء و قدر حتمی ولازمی نہیں تھی بلکہ بندے کے ذاتی اختیار کو اس میں دخل تھا۔ اگر قضاء حتمی اور قدر ضروری ہوتی تو ثواب و عذاب۔ امر و نہی اور اجر وغیرہ باطل ہو جاتے اور وعد و وعید لغو ہو جاتے نہ بدکار قابلِ ملامت ہوتا اور نہ نیک لائق ستائش قرار دیا جاتا بلکہ گنہگار نیک کی بہ نسبت انعام و اکرام کا زیادہ مستحق ہوتا اور نیک بدکار کی نسبت سزا کا زیادہ سزاوار ہوتا۔ اس قسم کا اعتقاد بت پرستوں، خدا کے دشمنوں، شیطان والوں اور اس امت کے قدریہ و مجوسیہ کا ہے۔ تحقیق خداوند کریم نے اختیار دے کر مکلف بنایا ہے اور جہنم سے بچنے کے لئے اپنے نواہی ارشاد فرمائے ہیں۔ وہ تھوڑی سی نیکی پر اجر کثیر عطا فرماتا ہے۔ اسکی نافرمانی اس لئے نہیں ہوتی کہ وہ مغلوب ہے اور اس کی عطا اس لئے نہیں کہ وہ مجبور ہے اور انسان کو مالک اس طرح نہیں بنایا کہ پس وہ مختارِ کل ہے (بلکہ جب چاہے اس کے اختیارات واپس لے سکتا ہے) آسمان و زمین اور اس کی درمیانی مخلوق کو اس نے فضول پیدا نہیں کیا اور بشارت و انذار کیلئے نبیوں کو عبث نہیں بھیجا۔ یہ عقیدے کافروں کے ہیں اور کافروں کے لئے ویل ہے جہنم سے یہ سن کر بوڑھے نے فوراً یہ شعر پڑھے

انت الامام الذی نرجو بطاعتہ ۔۔۔ یوم النجاۃ من الرحمن غفرانا

آپ وہ امام ہیں کہ جس کی اطاعت کی بدولت قیامت کے دن ہم خدا سے بخشش کی امید رکھتے ہیں

اوضحت من امرنا ما کان ملتبسا ۔۔۔ جزاک ربک بالاحسان احسانا

آپ نے ہمارے اعتقادیں سے مشکل امر کی وضاحت کر دی خدا آپکو احسان کے بدلہ میں احسان کی جزا دے

۲ مروی ہے کہ ایک دفعہ ابو حنیفہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے پاس سے گزرا اور آپ سے دریافت کیا کہ بتائیے گناہ کا مرتکب کون ہے؟ آپ نے فرمایا بیٹھ جاؤ تاکہ میں بیان کروں۔ پس وہ بیٹھ گیا۔ تو آپ نے فرمایا کہ تین صورتیں ہیں گناہ یا تو بندے سے ہوتا ہے یا اللہ سے ہوتا ہے یا دونوں شریک ہیں۔ اگر اللہ سے ہے تو وہ اجل و اعلیٰ ہے کہ اپنے کمزور بندے کو سزا دے ایسے کام کی جس میں اس کا قصور نہ ہو۔ اگر اللہ اور بندہ دونوں شریک ہیں تو قوی کو کمزور پر رحم کرنا چاہئے اور اگر صرف بندہ ہی مرتکب فعل ہے تو جزا و سزا کا تعلق بھی اسی سے ہے اور امر و نہی اس کے لئے ہے اور ثواب و عقاب کا مستحق بھی وہ خود ہے۔

۳۔ مروی ہے کہ ایک دفعہ حجاج بن یوسف نے حسن بصری۔ عمرو بن عبید واصل بن عطا اور عامر شعبی کو خطوط لکھے

کہ قضاء و قدر کے متعلق ان کے پاس جو صحیح مسلک ہو تحریر کریں تو حسن بصری نے اس کو لکھا کہ قضاء و قدر کے مسئلہ میں فیصلہ کن بات جو مجھ تک پہنچی ہے وہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام کا فرمان ہے۔

اما بعد ان الذی نهاك دهاك انما دهاك اسفلك واعلاك والله یری من ذالك (ترجمہ) کیا تو یہ سمجھتا ہے کہ جس نے تجھے ایک چیز سے منع کیا ہے اسی نے تجھے اس کام میں دھوکا دیا ہے اور تجھے مبتلا کر کے تجھے نیچے کر دیا اور خود بلند ہو گیا۔ خدا اس سے بیزار ہے۔

عمر بن عبید نے لکھا۔ کہ قضاء و قدر کے معاملہ میں حضرت امیر المومنین علیہ السلام کا فرمان جو مجھے پہنچا ہے اس سے بہتر اور کوئی نظریہ ہو ہی نہیں سکتا۔ لو کان الوزر فی الاصل محتوما کان الوازر فیه مظلوما (ترجمہ) اگر گناہ دراصل محتوم ہوتا تو گنہگار گنہگار نہ ہوتا۔ بلکہ مظلوم ہوتا۔

واصل بن عطا نے لکھا۔ کہ مسئلہ قدر و قضاء میں حضرت امیر المومنین علیہ السلام کا فرمان آخری فیصلہ ہے۔ ایدلك علی الطریق دیا خذك علیات المضیق (ترجمہ) کیا یہ ہو سکتا ہے کہ خدا تجھے ایک رستہ بتائے اور خود اس پر چلنے کے لئے دشواری پیدا کر دے۔

عامر شعبی نے لکھا کہ قضاء و قدر میں حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے فیصلے سے اور کوئی فیصلہ بہتر نہیں۔ آپ فرماتے ہیں کلما استغفرت اللہ منه فهو منه۔ وکلما حمدت اللہ تعالیٰ علیه فهو منه۔ (ترجمہ) ہر وہ فعل جس کی معافی تو اللہ سے طلب کرے سمجھ لے کہ وہ تیرا فعل ہے اور ہر وہ فعل جس پر تو اللہ کی حمد کرے۔ پس سمجھ کہ وہ اس کا فعل ہے

حبیب حجاج کے پاس یہ خطوط پہنچے اور اس نے پڑھے تو کہا کہ خدا کی قسم یہ اقوال ایسے صاف و شفاف علمی چشمے سے ماخوذ ہیں۔ جن میں میل ہو ہی نہیں سکتی۔

۴۔ روی ان رجلا سأل جعفر بن محمد الصادقؑ عن القضاء والقدر فقال ما استطعت ان تلوم العبد علیه فهو فعله وما لم تستطع ان تلوم العبد علیه فهو فعل اللہ یقول اللہ للعبد لم عصیت لم شقیت لم شربت الخمر لم زنیت فهذا فعل العبد ولا یقول لم مرضت لم قصرت لم ابیضت لم اسودت لانه من فعل اللہ فی العبد (ترجمہ) روایت میں ہے۔ ایک شخص نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے قضاء و قدر کے مسئلہ کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ جس فعل پر تو عبد کی ملامت کر سکے تو پس وہ اس کا فعل ہے۔ اور جس فعل پر عبد کی ملامت تو نہ کر سکے تو پس وہ اللہ کا فعل ہے۔ خدا بندے سے دریافت کرے گا۔ تو نے گناہ کیوں کیا؟ تو نے فسق کیوں کیا؟ تو نے شراب نوشی کیوں کی؟

تُو نے زنا کیوں کیا؟ پس یہ افعال بندے کے ہیں۔ اور یہ سوال نہ کرے گا کہ تُو بیمار کیوں ہوا؟ تو چھوٹا کیوں ہوا؟ تو سفید کیوں ہوا؟۔ تو سیاہ کیوں ہوا؟ کیونکہ یہ اللہ کے فعل ہیں۔

بہرحال آئمہ اہلبیت علیہم السلام سے صحیح تعلیم حاصل نہ کرنے سے امتِ اسلامیہ معارف وحقائق سے بہت دور ہٹ گئی۔ کیونکہ مسائلِ عرفانیہ کی منازل علمائے ربانیین کی رہبری کے بغیر ہرگز طے نہیں کی جاسکتیں۔

MAABLIB 1431
مرکز احیاء التراث
maablib.org

لَا جَبْرَ وَلَا تَفْوِیضَ بَلْ اَمْرٌ بَیْنَ الْاَمْرَیْنِ

جبر و اختیار کے مسئلہ میں مذہب حقہ شیعہ کا عقیدہ ہے کہ نہ انسان اپنے افعال میں مجبور ہے اور نہ کلی مختار ہے بلکہ کچھ حصہ میں مجبور ہے اور کچھ حصہ میں مختار ہے۔ انسان کی تمام قوتیں ظاہری و باطنی سب اللہ کی عطا کردہ ہیں پس قوتوں کا عطا کرنا اللہ کا فعل ہے اور ان قوتوں کے استعمال کا اختیار چونکہ انسان کو حاصل ہے۔ لہٰذا ان کا صحیح و غلط استعمال انسان کا فعل ہے۔

چنانچہ اس کی وضاحت حجۃ الاسلام والمسلمین آیۃ اللہ علامہ میرزا احسن یزدی نجفی مدظلہ العالی نے اپنے بیان درس خارج میں اس طرح فرمائی جس کا ماحصل یہ ہے کہ انسان کا ذاتی وجدان بسلامتی عقل جبر و اختیار کے مسئلہ میں خود فیصلہ کر سکتا ہے چنانچہ جب میرزا قمی مرحوم سے اس مسئلہ کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ یہ فیصلہ وجدان سلیم خود کر سکتا ہے۔ دیکھئے جب انسان کے ہاتھوں میں رعشہ ہو تو اس کے ہاتھ حرکت کرتے ہیں اور ایک تندرست انسان بھی ہاتھوں کو حرکت دیتا ہے۔ پس ان دو حرکتوں میں وجدان خود گواہ ہے کہ رعشہ والا مریض اپنے ہاتھوں کی حرکت میں مجبور ہے اور تندرست انسان اپنے ہاتھوں کی حرکت میں مختار ہے۔ رعشہ والا اپنے ہاتھوں کی حرکت کو بند نہیں کر سکتا اور تندرست چاہے تو حرکت دے۔ چاہے تو حرکت بند کر دے۔ یہ اس کے اپنے اختیار کی بات ہے۔ پس انسان فیصلہ کر سکتا ہے کہ جو افعال اس کے ارادہ پر غالب ہیں ان میں وہ مجبور ہے اور جو افعال ارادہ کے تابع ہیں ان میں وہ مختار ہے۔ البتہ ان افعال اختیاریہ میں اعضاء کی قوت اور ارادہ اللہ کی طرف سے ہیں اور ان کا استعمال بندے کی طرف سے ہے۔ اسی لئے نماز میں کہا جاتا ہے بِحَوْلِ اللّٰہِ وَقُوَّتِہٖ اَقُوْمُ وَاَقْعُدُ۔ یعنی میں اللہ کی عطا کردہ زور و قوت سے قیام و قعود کرتا ہوں پس حول و قوت اللہ کی جانب سے ہے اور قیام و قعود بندے کی طرف سے ہے۔

اس کی مزید تفصیل یوں سمجھئے کہ بعض صفات انسان میں ایسی ہیں جن پر اعتراض نہیں کیا جا سکتا مثلاً وجود۔ زندگی قوت شعور۔ قوت تصور۔ اعضاء کی طاقت۔ اچھائی و برائی میں قوت امتیاز۔ قوت شوق۔ قوت ارادیہ وغیرہ۔ پس ان کے متعلق یہ سوال کرنا عبث ہے کہ انسان کا وجود کیوں ہے؟ اس میں قوت شعور و احساس کیوں ہے؟ اچھائی و برائی میں تمیز کیوں کرتا ہے؟ قوت شوق و نفرت کیوں ہے؟ قوت ارادیہ کیوں ہے؟ وغیرہ، کیونکہ یہ چیزیں خلقت انسان کو لازم ہیں ان کے متعلق کیوں کہنا ایسا ہے جیسا کہا جائے کہ انسان انسان کیوں ہے۔ ان پر کیوں تب کہا جاتا جب یہ چیزیں انسان کے

اپنے بس میں ہوتیں۔ اسی طرح قوتِ اختیار یہ بھی وجودِ انسانی کو لازم ہے اور اللہ کی عطا کردہ ہے۔ اس پر بھی کیوں کے ذریعہ سے سوال نہیں کیا جا سکتا۔ کہ یہ قوت انسان میں کیوں ہے؟ ان کے بعد ہے فعل کی منزل تو یہاں سوال یہ ہے کہ کہا جائے تو نے یہ کیوں کیا وہ کیوں کیا؟ کیونکہ یہ چیزیں انسان کے اپنے بس کی ہیں اسی طرح قوتِ اختیار یہ اور قوتِ ارادیہ اللہ کی جانب سے ہیں۔ لیکن صحیح و غلط کا ارادہ اور اختیار انسان کے بس کے اندر ہے۔ چاہے تو اچھائی کا ارادہ کر کے اس کو اختیار کرے اور اگر چاہے تو برائی کا ارادہ کر کے اس کا ارتکاب کرے۔

اور صحیح و غلط اچھائی و برائی کی تمیز کے لئے خداوند کریم نے قوتِ فکر کے ساتھ قوتِ عاقلہ بھی عطا فرمائی اور اپنے کمالِ فضل و کرم سے انبیاء و رسل بھیجے۔ تاکہ انسانی عقل کی صحیح رہبری فرمائیں اب اگر انسان خدائی مبلغین کی تعلیمات سے فائدہ نہ اٹھائے اور اپنے عقل کو قوتِ شہویہ۔ غضبیہ و ہمیہ کا مغلوب بنا کر ناجائز افعال کو اختیار کرے تو مستحق مذمت اور سزاوار سزا ہے اور اگر خدائی مبلغین کی تبلیغات کے ماتحت عقل کی روشنی میں جائز و ناجائز کی پرکھ کرنے کے بعد جائز کو بجالائے اور ناجائز سے اجتناب کرے تو لائقِ ستائش بھی ہے اور مستحق جزا بھی۔

پس قوتوں کے عطا ہونے میں انسان مجبور ہے اور اپنے ارادہ و اختیار سے افعال و اعمال بجالانے میں وہ مختار ہے تو گویا انسان اپنے جملہ افعال میں دو پہلوؤں کے اندر محدود ہے۔ ہر فعل میں خواہ اچھا ہو یا برا بنیادی طاقتیں اللہ کی طرف سے ہیں اور ارادہ و اختیار خیر و شر اور ان طاقتوں کا استعمال بندے کی طرف سے ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ نہ مجبر ہے نہ اختیار بلکہ معاملہ دونوں کے درمیان ہے۔ انتہی محصل ما افادہ۔

پس کفار کی مذمت بجا ہے اور مومنین کی مدح صحیح ہے کیونکہ ان کا کفر اختیاری ہے اور ان کا ایمان اختیاری ہے نہ وہ کفر پر مجبور ہیں اور نہ یہ ایمان پر مجبور ہیں۔ اسی بناء پر خود ارشاد فرماتا ہے۔ لَآ اِكْرَاهَ فِى الدِّيْنِ قَد تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ یعنی دین میں کوئی مجبوری نہیں تحقیق ہدایت اور گمراہی ہر دو واضح ہو چکی ہیں۔ انسان کو اختیار ہے چاہے دین قبول کرے چاہے تو بے دین بنا رہے) اور ایک مقام پر ارشاد فرماتا ہے اِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا ہم نے انسان کو صحیح رستہ کی ہدایت کر دی خواہ شاکر بنے خواہ کافر بنے (یہ معاملہ اس کے اپنے اختیار میں ہے)

ازالۂ وہم:۔ چونکہ افعالِ انسانی کی بنیادی قوتیں اللہ کی عطا کردہ ہیں اسی بناء پر قرآن مجید میں متعدد مقامات پر گمراہی کو اللہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اللہ کسی کی گمراہی چاہتا ہے یا کسی کو گمراہ کرتا ہے بلکہ یہ شیطان کا عقیدہ تھا کہ اس نے اپنی گمراہی کو اللہ کی طرف منسوب کر دیا اور کہا اَغْوَيْتَنِى یعنی تو نے مجھے گمراہ کیا۔ اللہ نے انسان کو طاقتیں اس لئے نہیں عطا کیں کہ وہ ان کو غلط استعمال کرے بلکہ وہ تو جنوں و انسانوں سے عبادت ہی چاہتا

ہے۔ یہ ایسا ہے جس طرح کوئی رحم دل سخی کسی فقیر کی حالت زار پہ ترس کھا کر اس کو کچھ رقم اپنے اور اپنے بال بچوں کے اخراجات کے لئے دے اور یہ فقیر وہ رقم بجائے واجبی اخراجات سے بگدوش ہونے کے قمار خانے یا شراب خانے کی نذر کر دے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس سخی نے غلط کیا تھا بلکہ وہ تو لائق ستائش ہے کہ اس نے ایک غریب مسکین کی امداد کی بلکہ ندامت و ملامت کا مستحق وہ فقیر ہے جس نے محسن انسان کی قدر نہ کی اور اس کے عطیہ کو بے محل خرچ کر کے ضائع کر دیا۔ اس مقام پہ اگر کہا جائے کہ اس فقیر سے قمار بازی یا شراب نوشی اس عطا کرنے والے رحم دل نے ہی کروائی ہے کیونکہ اس فعل کی بنیادی قوت اسی کی جانب سے ہے تو یہ نسبت مجازی ہوگی اور اس نسبت سے فقیر کی بد باطنی اور غلط کاری میں ہرگز فرق نہ آئے گا اور نہ اس کی سزا میں اسی نسبت کی وجہ سے کوئی فرق پڑے گا۔ اور اسی طرح اس کی غلط کاری اس کے محسن کی احسن کارکردگی پہ حرف زنی کی موجب نہ ہوگی۔

ختم کی وضاحت:۔ بعض احادیث میں وارد ہے جن کا مضمون یہ ہے کہ انسان جب فعل بد کا ارتکاب کرتا ہے تو اس کے دل میں سیاہ نقطہ پیدا ہوتا ہے پس اگر توبہ کرے تو صاف ہو جاتا ہے اور اگر توبہ نہ کرے بلکہ پھر کوئی دوسرا گناہ کرے تو پھر دل کی سیاہی میں زیادتی پیدا ہوتی ہے پھر اگر توبہ سے اس کو نہ مٹا لے اور گناہ میں اضافہ کرتا جائے تو سیاہی بڑھتی جاتی ہے۔ اس حد تک نوبت پہنچتی ہے کہ دل پورا سیاہ ہو جاتا ہے اور اس کے بعد نہ کوئی نصیحت قبول کرتا ہے اور نہ قرآن و حدیث سے کوئی اثر حاصل کرتا ہے اور اسی معنی کو قرآن مجید میں ختم۔ وقر۔ غلاف غشاوہ وغیرہ کی لفظوں سے ادا کیا گیا۔ لیکن انسان کی فعلی بنیادی قوتیں چونکہ اللہ کی جانب سے ہیں۔ اس لئے آیت مجیدہ میں ختم خدا کی طرف منسوب کیا گیا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ خدا نے ہی واقعی ان کے دلوں پہ اور کانوں پر اور آنکھوں پر پردے ڈال دیئے ہیں کیونکہ خدا کسی کے دل یا کان یا آنکھ پہ پردہ نہیں ڈالتا۔ اگر ایسا کرنا ہوتا تو پھر انبیاء و رسل بھیجنے کی کیا ضرورت تھی۔ کتابیں نازل کرنے کا کیا فائدہ تھا؟ پس مطلب یہ ہے کہ پے در پے نافرمانیاں کرنے کے بعد ان کے دل اس قدر سیاہ ہو گئے ہیں کہ وہ حق کو نہ دیکھنا پسند کرتے ہیں نہ سننا گوارا کرتے ہیں اور نہ سوچنے کے لئے بات کو دل میں جگہ دیتے ہیں۔

جو لوگ عقیدۂ جبر کے قائل ہیں وہ اس قسم کی آیات سے دھوکا کھا کر کہہ بیٹھے ہیں کہ کافر کفر میں مجبور تھے اور مومن ایمان میں مجبور ہیں۔ کافر کا کفر اللہ کی طرف سے ہے اور مومن کا ایمان بھی اللہ کی جانب سے ہے۔ کیونکہ خدا خود فرماتا ہے کہ میں نے مہر لگا دی ہے حالانکہ اس فاسد عقیدہ والے حقیقت سے ناآشنا ہیں۔ ان کو اپنے قیاسات و استحسانات نے اس ورطۂ ظلمات میں دھکیل دیا ہے اور خاندانِ عصمت سے عناد ہی ان کی گمراہی کا موجب ہے

سوال:۔ اگر جبریہ کی طرف سے یہ سوال پیدا کیا جائے کہ جب خدا کو علم تھا کہ کافر لوگ ایمان نہ لائیں گے جس طرح

خود فرماتا ہے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا سَوَاءٌ عَلَیْھِمْ ءَاَنْذَرْتَھُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْھُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ یعنی تحقیق وہ لوگ جو کافر ہیں۔ ان کے لئے برابر ہے۔ خواہ ان کو ڈراؤ یا نہ ڈراؤ یہ ایمان نہ لائیں گے تو اس صورت میں ان کے لئے ایمان لانا محال ہے کیونکہ ان کے ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ خدا نے یہ خبر خلافِ واقع دی ہے اور جب خدا کا علم خلافِ واقع ہو ہی نہیں سکتا تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ لوگ اپنے کفر میں مجبور تھے۔

جواب ۱۔ علم ازلی خداوندی فعلِ عبد کے اختیاری ہونے کو باطل نہیں کرتا چنانچہ اس کو علم تھا کہ فرعون ایمان نہ لائے گا۔ لیکن پھر موسیٰ و ہارون علی نبینا و علیہما السلام کو حکم ہوا کہ جاؤ اور فرعون کو تبلیغ کرو اور نرم لہجہ میں اس کو سمجھاؤ۔ شاید وہ نصیحت قبول کرے یا ڈر جائے لَعَلَّہٗ یَتَذَکَّرُ اَوْ یَخْشٰی کا جملہ صاف طور پر بتا رہا ہے کہ اس کا علم فرعون کے ایمان لانے میں روکاوٹ کا باعث نہ تھا ورنہ موسیٰؑ کو حکم تبلیغ نہ دیتا۔

۲۔ خود فرماتا ہے یمحو اللہ مَا یَشَآءُ وَیُثْبِتُ وَعِنْدَہٗ اُمُّ الْکِتٰبِ ۱۳ یعنی خدا جس کو چاہے محو کرتا ہے اور جس کو چاہے ثابت کرتا ہے اور اس کے پاس علم مخزون ہے گو اس کے علم ازلی کے لحاظ سے ہونے والے امور کے متعلق قضاء ثابت ہے لیکن گذشتہ بیان میں معلوم ہو چکا ہے کہ اس کی قضا انسان کے افعالِ اختیاریہ کے متعلق حتمی و مبرم نہیں ہے اور اس آیت میں اس امر کی صاف وضاحت ہے کہ خداوندِ کریم علم ازلی کی رو سے مجبور نہیں بلکہ وہ اپنے افعال میں مختار کل ہے اور اس کے علم ازلی میں ثابت شدہ امور میں سے جس کو چاہے محو کر سکتا ہے اور جس غیر ثابت کو چاہے ثابت کر سکتا ہے۔ چنانچہ برہان ج میں اس آیت کی تفسیر میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے۔

ھل یمحی الا ما کان ثابتاً وھل یثبت الا ما لم یکن وفیہ عن الباقرؑ وعلم عندہ مخزون یقدم منہ ما یشاء ویوخر منہ ما یشاء ویثبت ما یشاء وفیہ عن الباقرؑ ان اللہ لم یبدء لہ شیئاً کان اولم یکن الا کتبہ فی کتاب اللہ فھو موضوع بین یدیہ ینظر الیہ فما شاء منہ قدم وما شاء منہ اخر وما شاء منہ محی وما شاء منہ کان ولم یشاء لم یکن (ترجمہ) نہیں محو کیا جاتا مگر اس کو جو پہلے ثابت ہو اور نہیں ثابت کیا جاتا مگر اس کو جو پہلے ثابت نہ ہو حضرت امام محمد باقرؑ سے منقول ہے کہ اس کے پاس علم مخزون ہے اس میں سے جس کو چاہے موخر کرے جس کو چاہے مقدم کرے اور جس کو چاہے ثابت کرے۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ خداوند کریم نے کوئی شے ہونے والی چیزوں میں سے ایسی نہیں چھوڑی جس کو کتاب میں درج نہ فرمایا ہو پس وہ کتاب اللہ کے سامنے ہے وہ اس سے غافل نہیں اس میں سے جس کو چاہے مقدم کرتا ہے۔ جس کو چاہے محو کرتا ہے اور

جس کو چاہے وہ ہوتی ہے اور جس کو نہ چاہے نہیں ہوتی ۔ اس قسم کی احادیث بکثرت موجود ہیں ۔ پس معلوم ہوا کہ کسی کافر کا کفر علم ازلی الٰہی کی وجہ سے ناقابل زوال نہیں کیونکہ اللہ محو اثبات پر قادر ہے ورنہ اگر محو و اثبات پر قدرت نہ ہوتی تو ایسے لوگوں پر تکلیف ہی ساقط ہوتی حالانکہ یہ لوگ مکلف ہیں۔

۳۔ ہر شخص کی زندگی کی مدت کا اللہ کو علم ہے حالانکہ مستحب ہے کہ انسان طول عمر کی دعا مانگے تو کیا طول عمر کی دعا مانگنے کا مطلب یہ ہے کہ اگر عمر کو خدا لمبا کر دے تو اس کے سابق علم میں تخطا کا احتراض لازم آئے گا۔ نہیں بلکہ اس کو اول و آخر میں کمی و بیشی کا اختیار ہے ۔ وہ بڑھا بھی سکتا ہے اور کم بھی کر سکتا ہے اگر ایسا نہ ہو تو پھر خودکشی کرنا کیوں حرام ہے ؟ حالانکہ اللہ کے علم ازلی میں ہی اس کی خودکشی درج تھی ۔ اور اس طرح رزق کی دعا طلب اولاد کی دعا بلکہ جملہ دعائیں فضول متصور ہوں گی۔ کیوں کہ اس کے علم ازلی میں جو کچھ ہے ہوگا وہی ۔ اس کے خلاف ممکن نہیں لہٰذا دعا بے کار ہے ۔ پس معلوم ہوا کہ اس کا علم انسان کے افعال اختیاریہ میں مخل نہیں اور خدا محو و اثبات پر قادر ہے ۔ اسی طرح حضرت حجت ع علیہ السلام کے ظہور کی جلدی کی دعا کی جاتی ہے حالانکہ اللہ کو ایک وقت مقرر کا علم ہے اگر جلدی ظہور ہونے سے اس کے علم کا خلاف ہونا لازم آتا تو یہ دعا قطعاً جائز نہ ہوتی حالانکہ تمام مسلمان اس دعا میں متفق ہیں۔

۴۔ خدا چاہے تو اب بھی قیامت لا سکتا ہے لیکن قیامت کے لئے اس کے علم میں ایک وقت مقرر ہے تو کیا ہم کہہ سکتے ہیں کہ خدا اب قیامت کے قائم کرنے پر قادر نہیں کیوں کہ اب قیامت کے قائم کرنے پر قادر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ خدا اپنے علم کو جھٹلا سکتا ہے حالانکہ یہ عقیدہ موجب کفر ہے۔

۵۔ ہمیشہ علم کا تعلق شے کی واقعیت سے ہوتا ہے واقعہ ہو تو اس کا علم علم ہوتا ہے یہ نہیں کہ علم ہو تو واقعہ واقعہ بنتا ہے۔ واقعہ کا علم ہونا اور بات ہے اور واقعہ کو واقعہ بنانا اور بات ہے پس خدا کو کافر کے کفر کا علم ہے نہ خدا کے علم نے ان کو کافر بنایا اور نہ خدا کا علم ان کو کفر سے توبہ کرنے سے روکتا ہے اگر ایسا ہوتا تو ان کو ایمان کی دعوت ہی نہ دی جاتی

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ کی علمائے تفسیر نے متعدد توجیہیں بیان کی ہیں ۔ چنانچہ علامہ طبرسی نے چند ایک کا ذکر فرمایا ہے ۔

۱۔ کافر جب حالت کفر میں اس حد کو پہنچتا ہے کہ اس کا دل قبول حق کی طرف مائل ہی نہیں ہو سکتا تو خدا ان کے دلوں پر ایک علامت لگا دیتا ہے جس کو بعضوں نے سیاہ نقطہ سے تعبیر کیا ہے پس فرشتے اس نقطہ یا اس علامت سے پہچانتے ہیں کہ کافر ہے پس وہ اس پر لعنت و تفرین کرتے ہیں گویا ختم کا معنی علامت ہے ۔

۲۔ معنی یہ ہے خدا شاہد ہے کہ ان کے دل اور کان اور آنکھیں راہ حق سے منحرف ہیں گویا ختم کا معنی شہادت و تصدیق ہے

۳۔ معنی یہ ہے کہ ان لوگوں کے دل مثل مہر کردہ شے کے ہیں کہ نہ اس میں کوئی اور چیز داخل ہو سکتی ہے اور نہ اس سے کوئی چیز خارج ہو سکتی ہے۔ یعنی نہ ان کے دلوں میں اب ایمان داخل ہو سکتا ہے اور نہ ان کے دلوں سے کفر خارج ہو سکتا ہے۔

۴۔ کفار کے کلام حق سننے اور سمجھنے سے تنگدلی کرنے کو سخت سے تعبیر فرمایا۔ یعنی ان کے دل کان آنکھیں حق سے گھٹتی ہیں

سوال:۔ دل کان اور آنکھوں کو خاص طور پر کیوں ذکر کیا گیا ہے۔

جواب:۔ ان تین اعضاء کو خاص طور پر ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ علم حاصل کرنے کے راستے صرف یہی ہیں کیونکہ کان اور آنکھ سے سن اور دیکھ کر انسان دل میں فکر کرتا ہے۔ تب چیز کی حقیقت معلوم ہوتی ہے۔ اگر یہ تین اعضاء معطل ہو جائیں تو علم حاصل نہیں ہو سکتا۔

پس قرآن مجید میں جہاں کہیں اس قسم کے لفظ آئیں ان کے معانی یہ ہیں۔ اس قسم کی آیات کا صحیح حل میسر نہ آنے کی وجہ سے عقائد کی خرابی ظہور پذیر ہوتی ہے اس تمام بیان سے ثابت ہوا کہ ان آیات کی دلالت جبریہ پر ہرگز نہیں۔ اور خداوند کریم اجل وارفع ہے اس بات سے کہ انسان کو فعل بد پر مجبور کرے اور پھر اس کو اس کی سزا بھی دے بلکہ یہ تو عام انسان بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ عقیدہ جبر عدل خداوندی کے سراسر خلاف ہے بلکہ ظلم ہے اور خدا خود فرماتا ہے وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعِبَادِ یعنی اللہ اپنے بندوں پر ظلم کا ارادہ نہیں فرماتا اور متعدد مقامات پر فرماتا ہے کہ میں اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔ خداوند کریم مجھے اور جملہ مومنین کو راہ راست پر ثابت قدم رکھے اور جملہ مسلمانوں کو صراط مستقیم کی ہدایت فرمادے اور اہلبیت عصمت سے تمسک پکڑنے کی توفیق مرحمت کرے تاکہ ان کے علوم کی روشنی میں جادۂ حق پر گامزن ہو کر اس قسم کے مزخرفات سے محفوظ رہیں۔ اس مقام پر طول بہت ہو گیا ہے لیکن مسئلہ کی نزاکت اور آیات متعلقہ کا حل اس امر کا مقتضی تھا کہ مقام مذکور تشنۂ بیان نہ چھوڑا جائے۔ شائد خدا اس کی بدولت کسی راہ گم کردہ کو صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

maablib.org

منافقین کا ذکر

سورہ بقرہ کی پہلی چار آیتیں مومنین کے حق میں اتریں اور ان کے بعد دو آیتیں کفار کے بیان میں اتریں۔ اور یہ پورا رکوع جس کی تیرہ آیتیں ہیں منافقین کے بیان میں ہیں خواہ ان آیات کا شانِ نزول بعض مخصوص لوگوں سے ہی متعلق ہو لیکن قرآن چونکہ تا قیامت زندہ ہے لہٰذا اس کی تاویل کسی ایک زمانہ کے لیے مخصوص نہیں قرار دی جا سکتی چنانچہ اسی کتاب کی جلد اول یعنی مقدمہ تفسیر میں اس چیز کو پوری وضاحت سے پیش کیا جا چکا ہے ص ۱۱۳ تا ص ۱۲۱۔

دورِ نبوی میں حضرت علی علیہ السلام کے بغض کو نفاق سے تعبیر کرنا اکثر صحابہ سے مروی ہے گویا حضرت علیؑ کی عداوت دورِ رسالت میں علامتِ منافق تھی جیسا کہ کتب صحاحِ اہلسنت سے حضرت

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ

اور بعض لوگوں میں سے وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ساتھ اللہ کے اور ساتھ یوم آخر کے حالانکہ وہ

بِمُؤْمِنِيْنَ ۝ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَمَا يَخْدَعُوْنَ

مومن نہیں وہ دھوکا دیتے ہیں اللہ کو اور ان لوگوں کو جو ایمان لائے ہیں اور درحقیقت نہیں وہ دھوکا

اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۙ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ

دیتے مگر اپنے نفسوں کو اور نہیں سمجھتے ان کے دلوں میں بیماری ہے۔ پس زیادہ کیا اللہ نے

مَرَضًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۢ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ۝ وَاِذَا قِيْلَ

ان کو بیماری میں اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے اس لیے کہ وہ جھوٹ کہتے ہیں اور جب کہا جائے

لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ ۙ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ۝

ان کو کہ نہ فساد کرو زمین میں تو کہتے ہیں کہ بجز اس کے نہیں ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں

اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ۝ وَاِذَا قِيْلَ

آگاہ ہو تحقیق وہی فساد کرنے والے ہیں۔ لیکن سمجھتے نہیں ہیں اور جب کہا جائے ان

لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ۭ

کو کہ ایمان لاؤ جس طرح ایمان لائے ہیں اور لوگ تو کہتے ہیں کیا ہم ایمان لائیں جس طرح ایمان لائے ہیں بیوقوف

اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ ۝ وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ

آگاہ ہو۔ تحقیق وہی بیوقوف ہیں۔ لیکن جانتے نہیں اور جب ملاقات کریں ان لوگوں سے

اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ ۙ

جو ایمان لائے ہیں کہتے ہیں ہم مومن ہیں اور جب تنہا ہوں ساتھ اپنے شیطانوں کے تو کہتے ہیں۔

علی علیہ السلام کا فرمان مروی ہے کہ جناب رسالتمآب نے فرمایا ہے۔ لایحبک الا مومن ولا یبغضک الا منافق

إِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُونَ ﴿۱۴﴾ اللَّهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ		
تحقیق ہم تمہارے ساتھ ہیں بجز اس کے نہیں ہم تو ہنسی کرنیوالے ہیں ساتھ مومنوں کے۔ اللہ ہنسی کا معاملہ کرتا ہے ساتھ		
فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ﴿۱۵﴾	ع	
ان کے اور ڈھیل دیتا ہے ان کو اپنی سرکشی میں درحالیکہ وہ حیران ہوتے ہیں۔		

تیرے ساتھ نہ محبت کرے گا مگر مومن اور تجھ سے نہ بغض رکھے گا مگر منافق۔ اس کو تاریخ الخلفاء میں علامہ سیوطی نے بھی نقل کیا ہے۔ نیز صحابہ کرام مثلاً حضرت ابوذر غفاریؓ۔ ابوسعید خدریؓ۔ جابر بن عبداللہ انصاریؓ۔ ابوسعید محمد بن ہشیمؓ۔ ابو داؤدؓ۔ ابن عباسؓ اور ام المومنین حضرت ام سلمہؓ کے احتہ افات (کہ حضرت علی علیہ السلام کا دشمن منافق ہوا کرتا ہے۔ ہم عہد رسالت میں منافق کی پہچان علی کے ساتھ بغض کو قرار دیتے تھے۔ ہم نے جلد اوّل میں بحوالہ کتب درج کئے ہیں۔ ص ۱۳۶ و ص ۱۳۷۔

اسی بناء پر انہی آیات کی تاویل تفسیر آئمہ میں بیعتِ غدیرؑ کے توڑنے والوں سے کی گئی جیسا کہ تفسیر برہان میں اس کے متعلق بہت زیادہ حدیثیں مذکور ہیں اور فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ میں مرض کی تاویل کلام اہلبیت میں عداوتِ علیؑ سے کی گئی ہے۔ (برہان)

مرض کی زیادتی کی نسبت اللہ سے اس واسطے ہے کہ چونکہ خداوند کریم وحی و قرآن کے ذریعہ جناب رسالتمآبؐ اور ان کے اوصیائے طاہرینؑ کے فضائل کو واضح فرماتا ہے۔ لہٰذا حاسدین کا حسد ان فضائل کو دیکھ کر اور بڑھتا ہے۔ اس مناسبت سے زیادتی مرض کی نسبت اللہ سے ہوئی ورنہ مسئلہ جبر میں اس امر کی ادلہ عقلیہ و نقلیہ سے پورے طور پر تردید کی جا چکی ہے کہ انسان افعال اختیاریہ میں مجبور نہیں اور نہ خدا کسی کو مجبور کرتا ہے۔

منافقین کے تمسخر کی تفسیر میں تفسیر برہان میں موسیٰ کاظم علیہ السلام سے ایک طویل روایت منقول ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ منافقین کا سرکردہ گروہ جب کسی مقام پر خالص مومنین مثلاً سلمان وغیرہ سے ملاقات کرتا تھا تو ان کا پہلا دوسرے اور تیسرے اور دیگر ساتھیوں سے کہتا تھا کہ دیکھو میں ان مومنوں سے مسخری کرتا ہوں۔ پہلے سلمان کو خطاب کر کے کہتا آیئے مرحبا سلمان تیرے متعلق ہی تو حضور پاک نے فرمایا ہے کہ اگر دین ثریا سے معلق کر دیا جائے تو ایرانی وہاں سے بھی حاصل کر لیں گے اور تجھے ہی تو حضور نے فرمایا السلمان منا اھل البیت پھر مقداد کو مل کر یوں کہا۔ مرحبا مقداد تیرے لئے ہی تو حضورؐ نے علیؑ کو فرمایا تھا کہ یا علی مقداد تیرا دین کا بھائی ہے تیرے لئے طوبیٰ ہے پھر ابوذر کو مل کر کہتا۔ مرحبا ابوذر تیرے لئے حضور نے فرمایا تھا کہ زمین کے اوپر اور فلک کے نیچے ابوذر سے زیادہ کوئی صادق اللہان نہیں اسی طرح عمار بن یاسر کو مل کر

ان کی تعریف کرتا۔ پھر جب ان سے ہٹ کر علیحدہ ہوتے تو وہ پہلا دوسرے ساتھیوں سے کہتا دیکھو میں نے ان سے مسخری کی ہے۔ یہ سن کر باقی ساتھی اس کو تحسین و آفرین کہتے تھے اور جب یہ سرکردہ منافقین کی مجلس عام میں بیٹھتے تھے وہ لوگ ان کو کہتے تھے کہ تم تو مومنوں سے ایسی ایسی باتیں کرتے ہو تو یہ ان کو یہ جواب میں کہتے تھے کہ ہم نے ان سے تمسخر کیا تھا۔ درحقیقت ہم تمہارے ساتھی ہیں اب رہا یہ کہ اللہ ان کے ساتھ تمسخر کیسے کرتا ہے؟ تو اس کے متعلق روایات میں ہے کہ جب مومن جنت کی نعمتوں سے ہمکنار ہوں گے اور منافقین جہنم کے عذاب میں مبتلا ہوں گے تو بحکم خدا ان کے سامنے جنت کا دروازہ کھولا جائے گا اور جب وہ اس طرف آنے کی کوشش کریں گے تو ملائکہ زبانیہ جہنم کے گرزوں کے ساتھ ان کو مار مار کر پیچھے ہٹا دیں گے اور مومن ان کا برا حشر دیکھ کر ان پر ہنسیں گے چنانچہ خدا خود فرماتا ہے فَالْيَوْمَ الَّذِينَ آمَنُوا مِنَ الْكُفَّارِ يَضْحَكُونَ پ۳ طول سے بچتے ہوئے روایت کو مختصر کر دیا ہے۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ

منافقین نے چونکہ واضح دلائل اور آیات قرآنیہ کی اتباع کو چھوڑ کر وساوس شیطانیہ اور عقائد باطلہ کو اپنائے رکھا گویا راہ جنت پر چلنے کی قدرت رکھنے کے باوجود راہ جہنم کو اختیار کیا۔ اس لئے ان کے اس فعل کو خداوند کریم نے ہدایت کے بدلہ میں گمراہی کو خریدنے سے تعبیر فرمایا اور ساتھ ہی ان کو اس غلط کاری پر متنبہ فرمایا کہ یہ سودا ان کو فائدہ مند نہ ہوگا اور اس خرید و فروخت میں وہ یقیناً حق بجانب نہیں ہیں تاکہ

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَىٰ فَمَا رَبِحَت
یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے مول لی ہے گمراہی ہدایت کے بدلے پس نہ نفع مند ہوئی
تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ ۝ مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي
ان کی تجارت اور نہ وہ ہدایت یافتہ ہوئے۔ ان کی مثال اس شخص کی سی ہے
اسْتَوْقَدَ نَارًا فَلَمَّا أَضَاءَتْ مَا حَوْلَهُ ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِمْ
جس نے آگ جلائی پھر جب آگ نے روشنی کر دیا اس کے اردگرد کی چیزوں کو تو سلب
وَتَرَكَهُمْ فِي ظُلُمَاتٍ لَّا يُبْصِرُونَ ۝ صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ
کر لیا اللہ نے ان کا نور اور چھوڑ دیا ان کو ایسی تاریکیوں میں کہ وہ کچھ نہیں دیکھتے ہیں۔ وہ بہرے گونگے اور اندھے ہیں
لَا يَرْجِعُونَ ۝ أَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَاءِ فِيهِ ظُلُمَاتٌ وَرَعْدٌ
پس وہ رجوع نہیں کرتے یا ان کی مثال ایسی ہے جیسے طوفانی بارش ہو آسمان سے جس میں تاریکی اور گرج
وَبَرْقٌ يَجْعَلُونَ أَصَابِعَهُمْ فِي آذَانِهِم مِّنَ الصَّوَاعِقِ
اور بجلی ہو کہ وہ اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ڈالتے ہیں۔ (صاعقہ) کڑک کی وجہ سے موت
حَذَرَ الْمَوْتِ ۚ وَاللَّهُ مُحِيطٌ بِالْكَافِرِينَ ۝ يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ
کے ڈر سے اور اللہ کی قدرت محیط ہے کافروں پر۔ (معلوم ہوتا ہے کہ عنقریب بجلی اچک لے گی

اَبْصَارَهُمْ كُلَّمَآ اَضَآءَ لَهُمْ مَّشَوْا فِيْهِ ۙ وَاِذَآ اَظْلَمَ	
ان کی آنکھوں کو جب روشنی ہو گئی ان کے لئے تو اس میں چلنے لگے اور جب تاریکی چھا	
عَلَيْهِمْ قَامُوْا ۭ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ	
گئی تو رک گئے اور اگر چاہے تو سلب کرے ان کے کانوں	
وَاَبْصَارِهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ	
اور آنکھوں کو تحقیق اللہ ہر شے پر قدرت رکھنے والا ہے	

اب بھی توبہ کر کے سنبھل جائیں اور اپنے کرتوتوں سے باز آجائیں۔

مَثَلُهُمْ الخ خداوند کریم نے منافقین کی روش کو دو حسی مثالوں سے واضح فرمایا ہے۔

پہلی مثال جس طرح تاریکی شب میں راہ گم کردہ انسان تلاش راہ کے لئے مشعل جگائے اور ماحول کے روشن ہو جانے کے فوراً بعد قدرتی اسباب سے اس کی مشعل خاموش ہو جائے تو اس کی آنکھوں کے سامنے بالکل اندھیرا ہو جاتا ہے اور اب وہ کسی شے کو نہیں دیکھ سکتا۔ اسی طرح ظلماتِ کفر سے منافقین نے مشعلِ اسلام کی بدولت اپنے ماحول کو روشن تو پالیا لیکن چونکہ اس مشعل سے ان کا تعلق محض لسانی اور غیر مضبوط ہے لہٰذا وہ راہِ ہدایت پر گامزن ہونے سے قاصر رہے۔ جب قدرتی سبب یعنی موت کے ذریعہ سے ان کی یہ روشنی چھین جائے گی تو ایسی ظلمات میں گرفتار بلا ہوں گے کہ اس سے نکلنے کا ان کیلئے کوئی رستہ نہ ہوگا۔

صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ الخ معجزاتِ باہرات اور آیاتِ بینات کو دیکھ کر صحیح راستہ پر گامزن ہو سکنے کے باوجود چونکہ راہِ حق سے منحرف ہیں لہٰذا بمنزلہ اندھوں کے ہیں۔ علاماتِ حق و صداقت دیکھ کر بوجہ عناد و سرکشی کلمۂ حق زبان سے ادا کرنے سے کنارہ کش ہیں لہٰذا بمنزلہ گونگوں کے ہیں۔ اور ہادیٔ برحق کی زبانی آیاتِ قرآنیہ کو سن کر عمل پیرا ہونے سے گریز کرتے ہیں لہٰذا بمنزلہ بہروں کے ہیں پس گویا وہ بہرے بھی ہیں اور گونگے اور اندھے بھی ہیں۔ اسی طرح ان کا قیامت میں حشر بھی اسی حالت میں ہوگا۔ چنانچہ ارشاد فرماتا ہے وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰي وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّبُكْمًا وَّصُمًّا ۔ ہم ان کو قیامت کے دن منہ کے بل اندھا۔ بہرہ اور گونگا محشور کریں گے۔

• اَوْ كَصَيِّبٍ الخ یہ دوسری مثال ہے یعنی جس طرح آسمان سے موسلا دھار بارش برس رہی ہو اور اس میں سخت تاریکی بادلوں کی گرج اور بجلی کی چمک بھی ہو اور راہ چلنے والے کڑک سے گھبرا کر موت کے ڈر سے اپنے کانوں میں انگلیاں رکھ لیں اور بجلی کی چمک اتنی تیز ہو کہ ان کی آنکھیں خیرہ ہی ہوں ایسا معلوم ہو کہ ابھی بجلی ان کی آنکھوں کو لے جائے جب بجلی کی چمک سے روشنی پیدا ہو تو وہ چلنے لگ جائیں اور جب تاریکی ہو تو ٹھہر جائیں پس اسی طرح قرآن باران رحمت ہے اور

اس بارانِ رحمت میں منافقین کی حالت یہی ہے کہ جب عذاب کی خبر سنتے ہیں تو کانوں میں انگلیاں ڈالتے ہیں اور جب مومنین کے لئے جنّت کی بشارت سنتے ہیں تو آگے بڑھنے کے لئے آمادہ ہوتے ہیں یا جب جہاد کا حکم سنتے ہیں تو گھبرا کر پیچھے ہٹتے ہیں اور جب فتح کی خبر سنتے ہیں تو غنیمت کے لئے ان کے دل للچاتے ہیں اور یہ ڈر بھی ان کو دامن گیر رہتا ہے کہ کہیں ہمارے خبثِ باطن کی خبر پیغمبرؐ کو بذریعہ وحی نہ ہو جائے۔ ورنہ کفار کی طرح ہمارے اوپر بھی عذابِ ظاہری کی بجلی گر کر ہمیں تباہ و برباد کر دے گی۔ اس کے بعد پھر تنبیہ فرمادی کہ اگر خدا چاہے تو ان کی سرکشی اور بدباطنی کی پاداش میں ان سے آنکھوں اور کانوں کی قوّت کو سلب کر سکتا ہے اور ان کو اس دنیاوی عذاب میں بھی گرفتار کر سکتا ہے کیونکہ اس کی قدرت سے یہ بعید نہیں ہے لیکن وہ اپنی کمالِ مہربانی سے ایسا نہیں کرتا بلکہ مزید سوچنے کے لئے تا زیست ان کو موقعہ دیدیا ہے تاکہ بروزِ محشر ان کو عذر پیش کرنے کی جرأت نہ ہو۔ تفسیر برہان میں آئمہ اہلبیتؑ کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیات ان لوگوں پر صادق ہیں جنہوں نے زبان سے حضرت علیؑ کی ولایت کا جناب رسالتمآبؐ کے سامنے اقرار کیا اور دل سے اس کے مخالف رہے۔ ابن مسعود سے مروی ہے کہ دو منافق جناب رسالتمآبؐ سے خوف زدہ ہو کر جا رہے تھے اور رستہ میں بارش اور رعد و برق کا سامنا ہوا اور آخر کار حضورؐ کی خدمت میں دوبارہ حاضر ہو کر تائب ہوئے اور سچے دل سے مسلمان ہو گئے۔ تو پس خدا نے مدینہ کے منافقین کو ان کے حال سے تشبیہ دی ہے۔

maablib.org

تمام انسانوں کو عبادت کی دعوتِ عامہ

یَاۤاَیُّهَا النَّاسُ الخ انسانوں کی تینوں قسموں یعنی مومن کافر اور منافق کے خصوصی امتیازات اور نشانیاں بیان فرمانے کے بعد تمام انسانوں کو عام خطاب یَاۤاَیُّهَا النَّاسُ سے متوجہ فرما کر خدا نے عبادت کی دعوتِ عامہ دی ہے اور اس دعوتِ عامہ سے عقیدۂ جبر کی ضمنی طور پر نفی بھی کر دی کیونکہ اگر انسان اپنے افعال میں مجبور ہوتا تو خدائے علیم و حکیم سب کو یکساں طور پر دعوت نہ دیتا پس یہ آیت صاف طور پر بتلاتی ہے کہ انسان اپنے افعال میں مجبور نہیں ہے۔

حاکم کی اطاعت تین طریقوں سے کی جاتی ہے۔

(۱) کسی کے زیرِ بارِ احسان ہو کر انسان فطرتاً اس کی فرمانبرداری پر آمادہ ہوتا ہے

(۲) نافرمانی کی سزا سے خوفزدہ ہو کر اطاعت پر کمربستہ ہوتا ہے

(۳) فرمانبرداری کے انعامات و اکرامات کو ملحوظ رکھ کر اطاعت گذار ہوتا ہے

ع ۳

يَاۤاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ

اے انسانو! عبادت کرو اپنے اس رب کی جس نے تمہیں پیدا کیا اور ان

مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ

لوگوں کو جو تم سے پہلے تھے تاکہ تم بچ جاؤ ۝ (اللہ) جس نے بنایا تمہارے لئے زمین کو

فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ

آرام گاہ اور آسمان کو چھت اور نازل کیا آسمان سے پانی پس نکالا بذریعہ

مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ

اس کے پھلوں سے تمہارا رزق پس نہ ٹھہراؤ اللہ کے لئے شریک۔ حالانکہ

تَعْلَمُوْنَ ۝ وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا

تم جانتے ہو۔ ۝ اور اگر تم شک میں ہو اس چیز (کتاب) سے جو نازل کی ہم نے اوپر اپنے بندے کے

فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ

پس لاؤ کوئی سورت اس جیسی یا اس جیسے انسان سے اور اپنے مددگاروں کو بھی دعوت دو

اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ

جو اللہ کے سوا تم نے تجویز کئے ہوئے ہیں اگر تم سچے ہو۔ پس اگر تم ایسا نہ کرو اور ہرگز

تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۚ

کر بھی نہ سکو گے۔ تو بچیں ڈرو اس آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں۔

اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ۝

تیار کی گئی ہے کافروں کے لئے

منزل

اور حاکم بھی بوقت حکم یا اپنے احسانات کی بناء پر حکم کی جرأت کرتا ہے یا نافرمانی پر سزا کی دھمکی دیتا ہے اور یا اطاعت پر انعام کا طمع دیتا ہے۔ یہ ہیں حکم اور اطاعت کے اصول۔

خدا محسن بھی ہے اور جزا و سزا پر قادر بھی ہے اور تینوں چیزیں مستقل طور پر اپنے اپنے مقام پر اس کی اطاعت کی داعی ہیں اور سب عبادتوں سے بلند ترین عبادت وہ ہے جو اس کے احسانات کے پیش نظر اس کو مستحق عبادت قرار دے کر اس کی عبادت کی جائے۔ چنانچہ مولائے کائنات حلال مشکلات حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی مناجات کے وہ کلمے اس امر کو ظاہر کر رہے ہیں جو آپ نے بارگاہ رب العزت میں عرض کئے۔ میرے اللہ! میں تیری عبادت نہ جہنم کے خوف سے کرتا ہوں اور نہ جنت کے لالچ سے کرتا ہوں بلکہ تجھے عبادت کا اہل سمجھ کر تیری عبادت کرتا ہوں نیز ایک مقام پر فرماتے ہیں۔ میرے اللہ۔ میری عزت کے لیے یہی کافی ہے کہ میں تیرا عبد ہوں اور میرے فخر کے لیے یہی کافی ہے تو میرا رب ہے۔

پس عبادت کے تین مرتبے ہیں۔ عبادتِ عرفان۔ عبادتِ خوف اور عبادتِ طمع۔ عبادتِ عرفان کا مرتبہ سب سے بلند ہے اس کے بعد عبادتِ خوف اور آخری عبادتِ طمع۔ اس مقام پر پہلے پہل خداوند کریم نے دعوتِ عبادت دیتے ہوئے معرفت کو مقدم فرمایا اور اپنے احسانات کی نشاندہی فرمائی اور اپنے استحقاقِ عبادت کو دلیل و برہان سے پیش کیا ہے تاکہ انسان بصیرت نامہ سے اس کی معرفت حاصل کر کے اس کی عبادت کی طرف قدم بڑھائے۔

یہاں خداوند کریم نے اپنی دو صفتوں کو ذکر فرمایا ہے (۱) ربوبیت (۲) خالقیت۔ کیونکہ یہ دونوں چیزیں حس کے زیادہ قریب ہیں اور ان میں غور کرنے سے اس کے علم۔ قدرت۔ حکمت۔ حیات قدم ارادہ و صدق وغیرہ جملہ صفات ثبوتیہ کی وضاحت ہو جاتی ہے اور صفاتِ سلبیہ کی نفی ہوتی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اس کی توحید و عدل کا بھی پتہ چل جاتا ہے۔

انسان اپنی خلقت پر غور کرے کہ کس طرح پانی کے ایک نجس قطرہ سے تدریجی طور پر خونِ بستہ پھر لوتھڑا اور پھر ایک مدت معینہ کے اندر اسے شکلِ انسانی میں پیدا کیا اور صرف اس کو نہیں بلکہ ابتداءِ خلقت سے لے کر اس وقت تک تمام انسانوں پر اس کا یہی فیض ہے اور آئندہ تا قیامت رہے گا۔

ربوبیت کی وضاحت کے لیے خلقتِ زمین و آسمان اور تغیر لیل و نہار کا ذکر فرمایا۔ تفسیر برہان میں امام علی زین العابدین علیہ السلام سے اسی آیت کی تفسیر میں منقول ہے کہ زمین کو اس نے تمہاری طبیعت کے مناسب اور تمہارے جسموں کے موافق خلق فرمایا نہ سخت گرم تاکہ تمہیں جلا دے اور نہ سخت سرد کہ تمہیں جما دے نہ تیز خوشبودار کہ تمہارے سر درد کریں اور نہ

اتنی بدبودار کہ تمہاری ہلاکت کا باعث نہ ہو نہ بہت نرم کہ تمہیں غرق کر دے اور نہ بہت سخت کہ تم گھر اور مکان اللہ مردوں کی قبریں بنانے سے عاجز آجاؤ بلکہ اس نے اس کو ایسی متانت بخشی ہے کہ تم اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہو۔ رہ سکتے ہو۔ تمہارے بدن آسودگی سے اس پر گذارا کر سکتے ہیں۔ نیز تمہارے مکانات گھر قبریں آسانی سے بن سکتے ہیں اور علاوہ ازیں ہر قسم کے منافع تم حاصل کر سکتے ہو۔ پس زمین کے فرش بنانے کا یہی مطلب ہے پھر فرمایا کہ خدا نے آسمان کو تمہارے اوپر محفوظ چھت بنایا ہے۔ اس میں شمس و قمر و ستارے تمہارے فوائد کے لئے خلق فرمائے پھر جہت بلندی سے باران کا سلسلہ جاری کیا تاکہ پہاڑوں ٹیلوں اور بلندیوں پر یکساں سیرابی کا فائدہ دے اور سیرابی زمین کے لئے ایک ایک قطرہ کر کے نازل فرمایا۔ اگر سب پانی ایک بار برسا دیتا تو تمہاری زمین درخت۔ کھیتیاں اور پھل سب برباد ہو جاتے پس اس حسنِ نظام سے زمین میں تمہارے رزق کا اہتمام کیا لہٰذا اس کے برابر ان بتوں کو قرار نہ دو جو نہ عقل رکھتے ہیں نہ سن دیکھ سکتے ہیں اور نہ کسی چیز پر قدرت رکھتے ہیں حالانکہ تم خود جانتے ہو کہ تمہارے یہ بت کچھ نہیں کر سکتے۔

اس کے بعد مخالفینِ اسلام کی حجت توڑنے کے لئے ارشاد فرمایا۔ وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ الآیۃ یہ خطاب مشرکین اور اہل کتاب یعنی یہود اور نصاریٰ سب کی طرف ہے یعنی معرفتِ خدا کی براہین سمجھ لینے کے بعد اور اس کی خالقیت۔ اور ربوبیت سے اس کو مستحقِ عبادت ماننے کے بعد اگر تمہیں جناب محمد مصطفیٰ کے بیان کردہ احکامِ شریعت اور آیاتِ قرآنیہ میں کوئی شک و شبہ ہو تو وہ اس طرح دور کیا جا سکتا ہے کہ تم بھی اہل لسان ہو اور تم میں فصحاء و بلغاء موجود ہیں۔ پس اس کلام پاک جیسا ایک ٹکڑا تم بھی بنا لاؤ اور اگر ایسا کرنے سے تمہاری مجموعی طاقت بھی قاصر ہو اور یقیناً ہے تو پھر غضب خدا اور اس کے عذاب سے ڈرو اور یقین پیدا کر لو کہ یہ کلام بندے کا کلام نہیں ورنہ تم اس کے مقابلہ سے عاجز نہ ہوتے بلکہ یہ خالق کا کلام ہے اور اسی کی اتباع نجاتِ اخروی اور فلاحِ دینوی کا پیش خیمہ ہے

وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ
اور خوش خبری دے ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور عمل نیک کئے کہ تحقیق ان کے لئے بہشتی باغات
تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا
ہیں کہ جاری ہیں ان کے نیچے نہریں۔ جب بھی رزق دیئے گئے وہ بہشتی ان باغات میں سے پھلوں کا
قَالُوْا هٰذَا الَّذِيْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا ؕ وَلَهُمْ
تو کہیں گے یہ وہی ہے جو رزق دیئے گئے ہم اس سے پہلے اور دیئے جائیں گے۔ وہ پھل آپس میں ملتے جلتے اور
فِيْهَا اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۙ وَّهُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝
ان کے لئے باغات میں پاک بیویاں ہوں گی اور وہ ان میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے

اگر ضمیر کا مرجع ما ہو تو پھر معنی یہ ہوگا۔ اے گروہ

عرب جو فصاحت و بلاغت کا دعویٰ رکھتے ہو اگر تمہیں اس کلام پاک کی صداقت اور من جانب اللہ ہونے میں شک ہو تو حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ جیسے شخص کیطرف سے ایسے کلام کا ایک ٹکڑا پیش کرو یعنی ایسا شخص جو ظاہر میں نہ کسی سے پڑھا ہو نہ لکھنا سیکھا ہو نہ کتابوں کا مطالعہ کیا ہو اور نہ کسی عالم کی صحبت میں رہا ہو اور چالیس سال تک سفر و حضر میں تمہارا دیکھا بھالا ہو اور باوجود ان سب باتوں کے ایسا کلام پیش کرے جو علوم اولین و آخرین کا جامع ہو اور اگر پھر بھی اس کا کلام اللہ ہونا تم نہیں مانتے تو تم میں سے اسی جیسا انسان جو ظاہری طور پر ان پڑھ ہو اس جیسے کلام کا ایک ٹکڑا تو بنا لائے اور تنہا نہیں بلکہ اپنے تمام معاونین سے مدد لیکر ایسا کر دکھائے اور اگر تم سے یہ نہیں ہو سکتا تو سمجھ لو کہ یہ اللہ کا کلام ہے ورنہ اگر مخلوق کا کلام ہوتا تو تمام فصحاء و بلغا اس کے مقابلہ سے کیوں ہار کھاتے اور اگر یہ خطاب یہود و نصاریٰ کیطرف سے ہو تو معنی یہ ہوگا کہ اے یہود و نصاریٰ اگر تمہیں اس کتاب کے کلام اللہ ہونے میں کوئی شبہ ہے تو اپنی کتب یعنی تورات و انجیل و زبور یا دیگر صحف سماویہ سے اس کلام جیسا ایک ٹکڑا پیش کرو اور جب تم ایسا نہیں کر سکتے تو مان لو کہ یہ کلام تمام کلاموں سے افضل ہے اور تمام گذشتہ کتب کا ناسخ ہے پس اس کتاب کے لانے والے نبی کی شریعت اور دین گذشتہ شریعتوں کا ناسخ ہے۔ لہٰذا اس کو واجب الاتباع سمجھو اور ضد کر کے اس آگ کا ایندھن نہ بنو جو کفار کے لئے تیار کی گئی ہے۔ پس خداوند علیم و حکیم نے معرفت کا درس دینے کے بعد اتمام حجت کے لئے ان کے شکوک و شبہات کا جواب بیان فرمایا اور اپنے ضد پر اڑ جانے والوں کو سخت سزا سے خوفزدہ بھی کیا تاکہ کسی صورت میں وہ راہ حق اختیار کریں یہ اس کی کمال مہربانی کا مظاہرہ ہے ورنہ کسی کے نیک یا بد ہونے میں اس کی عظمت میں نہ کمی آسکتی ہے نہ اضافہ ہو سکتا ہے۔ ساری کائنات عبادت کرنیوالوں سے پُر ہو جائے تب بھی وہ خدا ہے اور ساری دنیا نافرمانیوں پر ڈٹ جائے تب بھی وہ خدا ہے۔

لِنُبَشِّرَ الَّذِیْنَ الخ: منصف مزاج طبائع جو دلائل حق اور براہین صدق سے آشنا ہو کر راہ مستقیم پر گامزن ہوتے ہیں اور ان کا دامن ایمان و عمل صالح سے پُر ہوتا ہے۔ اُن کے لئے خوشخبری بیان فرماتا ہے۔ میرے حبیب! اُن لوگوں کو جنہوں نے ایمان کے ساتھ عملِ صالح کو اختیار کیا۔ بہشت کی خوشخبری سنا دو جس کے نیچے نہریں جاری ہیں۔ ان کا رزق میوہ ہائے بہشت سے ہوگا۔ جب وہ بہشت کا پھل کھائیں گے تو چونکہ شکل و شباہت میں ایک دوسرے سے ملتا جلتا ہوگا۔ دیکھ کر کہیں گے کہ اس کو تو ہم پہلے کھا چکے ہیں لیکن ذائقہ و مزہ میں سب مختلف ہوں گے کھانے کے بعد معلوم ہوگا کہ وہ اور تھا اور یہ اور ہے یا یہ کہ اخروی پھل دنیا کے پھلوں سے رنگ میں مشابہت رکھتے ہوں گے لہٰذا اہشتی لوگ دیکھتے ہی کہیں گے کہ ہم دنیا میں ایسے پھل کھا چکے ہیں لیکن جب چکھیں گے تو معلوم ہوگا۔ چہ نسبت خاک را بعالم پاک۔

معرفت اور اتمام حجت کے بعد خوفِ سزا اور وعدہ انعام و اکرام اطاعت کے لئے آخری محرک ہیں اور قبول نصیحت کے

لئے انتہائی موثر ہیں۔ اس کے بعد بھی اگر اپنی ضد پر ڈٹا رہے اور اپنی ہٹ دھرمی پر جما رہے تو اس کا علاج ہی کیا ہے۔

انسان کو آرام و آسائش کے لئے تین چیزوں کی ضرورت ہوا کرتی ہے۔ مقام رہائش اسباب خورد و نوش اور بیوی اور یہ تینوں چیزیں اگر مرغوب خاطر اور موافق مزاج حاصل ہو جائیں تو زندگی کا کوئی پہلو تلخ نہیں ہوتا۔ مکان اچھا غذا اچھی اور بیوی اچھی۔ خداوند کریم نے نعماتِ جنت میں سے ان کا اس مقام پر خصوصیت سے ذکر فرمایا کہ اہل بہشت کے مکانات باغاتِ جنت میں ہوں گے جن میں نہریں جاری ہوں گی۔ ان کی خوراک میوہ ہائے جنت ہو گی۔ اور ان کی بیویاں پاک و پاکیزہ ہوں گی۔ نہ شکل کثیف۔ نہ لباس کثیف نہ عادات و خصلات میں کثافت گویا روحانی و جسمانی یا ظاہری و باطنی جملہ کثافتوں اور عیبوں سے پاک و صاف ہوں گی انسان کی لذات کا زیادہ تر دارومدار انہی چیزوں پر ہے جو مومنین کیلئے خدا نے جنت میں مخصوص فرمائی ہیں لیکن دنیا و آخرت کی نعمات میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ دنیا میں اگر کوئی شخص اس قسم کی نعمتوں سے بہرہ ور ہو بھی تاہم لذاتِ دنیا چونکہ فانی ہیں اور قریب الزوال ہیں لہٰذا ہر شخص آخر کار بغیر سیر ہوئے ان نعمات سے دست برداری پر مجبور ہو جاتا ہے اور بیماری یا موت اس سے یہ نعمات سلب کر لیتی ہے۔ لہٰذا خداوند کریم نے جنت میں مومنین کے لئے جو جو نعمات مخصوص فرمائی ہیں ان سے اس خطرہ کو دور فرما دیا ہے کہ وہ نعمات کسی وقت چھینی نہ جائیں گی۔ نہ موت آئے گی نہ بیماری کا خطرہ ہو گا۔ بلکہ جنت والے ہمیشہ ہمیشہ ان نعمات سے محظوظ ہوتے رہیں گے۔

تفسیر برہان میں حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے ایک طویل روایت کے ضمن میں منقول ہے۔ اے گروہِ شیعہ اللہ سے ڈرو اور آتشِ جہنم کا ایندھن نہ بنو اللہ کا کفر نہ کرو اپنے مومن بھائیوں پر ظلم کرنے سے بچو تاکہ جہنم سے بچ جاؤ ورنہ جو مومن اپنے مومن بھائی پر ظلم کرے گا وہ آتشِ جہنم میں گراں بار زنجیروں میں جکڑ کر ڈالا جائے اور اس کا چھٹکارا ہماری شفاعت کے بغیر نہ ہو گا۔ لیکن ہم بھی شفاعت نہ کریں گے جب تک وہ مظلوم مومن اس کو معافی نہ دے گا حضرت امام زین العابدین علیہ السلام سے مروی ہے کہ جنت کا بلند ترین درجہ ان مومنوں کے لئے ہے جو دوسرے مومنین سے ہمدردی کریں اور فقراء مومنین کی خبر گیری کریں ایک مومن کی دوسرے مومن فقیر سے محبت و پیار کی پاکیزہ گفتگو جنت کو ایک لاکھ برس کی راہ سے زیادہ قریب کر دیتی ہے۔ پس مومن بھائی پر احسان کرنا معمولی نہ سمجھو ورنہ اس وقت پچھتاؤ گے جب اس کا فائدہ نہ ہو گا

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَسۡتَحۡیٖۤ الایہ ۔ اس کے شانِ نزول کے متعلق کہا گیا ہے کہ جب قرآن مجید میں خداوند کریم نے مکھی اور مکڑی کی مثالیں بیان فرمائیں تو مشرکین نے اس پر تقطیع کی کہ خدا کی شان سے ایسی حقیر چیزوں کی مثالیں پیش کرنا بعید ہے تو یہ آیت اتری کہ بیان حق کے لئے خدا چھوٹی یا بڑی چیز کی مثال پیش کرنے سے نہیں شرماتا۔ خواہ وہ مچھر کی مثل ہو یا اس سے بڑی چیز مثلاً مکھی کی مثال ہو اور بعض نے کہا ہے کہ دما فوقہا سے مراد وہ چیز ہے جو چھوٹائی میں اس مچھر سے بھی زیادہ ہو یعنی خواہ مچھر کی مثال ہو یا حجم میں اس سے بھی چھوٹی چیز کی مثال ہو۔ یہ اعتراضات کفار کے عناد اور حد درجہ کی جہالت پر مبنی ہیں کیونکہ مخلوق بڑی سے بڑی ہو یا چھوٹی ہو مخلوق خدا ہونے میں تو سب یکساں ہیں اور بعض اوقات چھوٹی چیزوں میں وہ خوبیاں پنہاں ہوتی ہیں جس سے بڑے حجم والی مخلوق محروم ہوا کرتی ہے علامہ طبرسی نے ذکر کیا ہے کہ حضرت صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ اس مقام پر مچھر کے ذکر کرنے سے یہ اشارہ بھی مقصود ہے کہ مچھر باوجود اتنے چھوٹے حجم رکھنے کے خداوند کریم نے اس میں تمام وہ اعضاء پیدا کئے ہیں جو ہاتھی کے بڑے جسم میں موجود ہیں پس خدا نے اپنے حسن صنعت پر غور و فکر کے لئے کفار کے سامنے یہ مثال

إِنَّ اللَّهَ لَا يَسْتَحْيِي أَنْ يَضْرِبَ مَثَلًا مَا بَعُوضَةً فَمَا فَوْقَهَا

حقیق اللہ نہیں شرماتا اِس سے کہ بیان کرے کوئی مثال مچھر کی ہو یا اس سے کسی بڑی چیز کی ہو

فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا فَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ وَأَمَّا

وہ لوگ ہو ایمان لائے ہیں پس جانتے ہیں کہ تحقیق وہ حق ہے ان کے رب کی جانب سے اور

الَّذِينَ كَفَرُوا فَيَقُولُونَ مَاذَا أَرَادَ اللَّهُ بِهَٰذَا مَثَلًا يُضِلُّ

بہرحال وہ لوگ جو کافر ہیں پس کہتے ہیں کہ کیا ارادہ کیا ہے اللہ نے ساتھ اس مثال کے گمراہ کرتا

بِهِ كَثِيرًا وَيَهْدِي بِهِ كَثِيرًا ۚ وَمَا يُضِلُّ بِهِ إِلَّا الْفَاسِقِينَ ۝٢٦

ساتھ اس کے بہت سوں کو اور ہدایت فرماتا ہے ساتھ اسکے بہت سوں کو حالانکہ نہیں گمراہ کرتا ساتھ اس کے مگر نافرمانوں کو

الَّذِينَ يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مِيثَاقِهِ وَ

جو توڑتے ہیں اللہ کا عہد بعد پکا کر لینے کے اور

يَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ وَيُفْسِدُونَ فِي

قطع کرتے ہیں اس چیز کو کہ اللہ نے حکم فرمایا ہے اس کے ملانے کا اور فساد کرتے ہیں

الْأَرْضِ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ۝٢٧ كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَكُنْتُمْ

زمین میں وہی ہیں خسارہ پانے والے اور کس طرح کفر کرتے ہو ساتھ اللہ کے

أَمْوَاتًا فَأَحْيَاكُمْ ۖ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ۝٢٨

حالانکہ تم مردہ تھے پس اس نے تم کو زندہ کیا پھر وہ مارے گا تم کو پھر جلائے گا پھر تم اس کی طرف پلٹائے جاؤ گے

منزل ۱

پیش فرمائی ہے۔

یُضِلُّ بِہٖ کَثِیْرًا الآیہ مقصد یہ ہے کہ جن لوگوں نے قرآنی آیات کو سن کر اعتراضات اور نکتہ چینیاں شروع کر دیں اور ازراہِ عناد انکار پر آمادہ ہوئے تو وہ گمراہ ہو گئے۔ چونکہ سبب ان کی گمراہی کا تکذیبِ آیاتِ قرآنیہ ہی تھا اور نزول قرآن اللہ کی طرف سے ہے اس بنا پر گمراہی اللہ کی طرف منسوب ہوئی اور جن لوگوں نے ان مثالوں کو عبرت کی نگاہ سے دیکھا اور آیاتِ قرآنیہ کے احکام کو تسلیم کر کے سر جھکا لیا وہ راہِ ہدایت پر موفق ہوئے۔ پس ان کی ہدایت اللہ کی طرف سے ہوئی۔ خیر و شر کو اللہ کی طرف منسوب کرنے والے یعنی جبر کے معتقد اس قسم کی آیات قرآنیہ کو اپنے عقیدہ کی دلیل قرار دیتے ہیں اور ہم نے تفصیل کے ساتھ اس عقیدہ کی پوری طرح تردید کوعٌ کے ذیل میں کی ہے لہٰذا اس مقام پر دُھرانے کی ضرورت نہیں ہاں البتہ اتنا عرض کرنا ضروری ہے کہ آیت کا سیاق و سباق خود اس عقیدہ کی تردید کر رہا ہے۔ چنانچہ پہلے ارشاد ہے کہ جو لوگ ایمان لائے ہیں وہ ان مثالوں کو حق سمجھتے ہیں یعنی اپنے اختیار سے ایمان لا کر ان کو حق سمجھتے ہیں ایسا نہیں کہ جن کو ایمان پر مجبور کیا گیا وہ حق سمجھنے پر مجبور ہیں۔ اور جو لوگ کافر ہیں یعنی ادلۂ صداقتِ اسلام پر غور نہ کرتے ہوئے یا سمجھنے سوچنے کے بعد از راہِ عناد انکارِ حق پر کمربستہ ہیں وہ قرآنی امثال پر نکتہ چینیاں کرتے ہیں۔ ایسا نہیں کہ جن کو کفر پر مجبور کیا گیا وہ نکتہ چینیوں پر مجبور ہیں ورنہ اگر ایمان والوں کو ایمان پر مجبور کر کے ان سے حق تسلیم کرایا جاتا تو وہ ہرگز قابلِ مدح نہ ہوتے اور اسی طرح کافروں کو اگر کفر پر مجبور کر کے ان سے انکار کرایا جاتا تو وہ قابلِ مذمت نہ ہوتے پس معلوم ہوا کہ ان کا ایمان فعل اختیاری تھا۔ جس کا نتیجہ آیاتِ قرآنیہ کا تسلیم کرنا تھا پس وہ قابل مدح ہیں اور ان کا کفر فعل اختیاری تھا جس کا نتیجہ آیاتِ قرآنیہ کی تکذیب تھی لہٰذا وہ قابلِ مذمت ٹھہرے اور قوتِ اختیار چونکہ ہر انسان کو اللہ کی عطا کردہ ہے۔ لہٰذا نسبت اللہ کی طرف دی گئی یہ ایسا ہے جس طرح ایک لوہار کسی کو تلوار بنا دے تاکہ دشمنِ اسلام سے جہاد کرے اور وہ بدبخت اسی تلوار سے کسی مومن کو قتل کر دے۔ اب ظاہری طور پر تو کہا جائے گا کہ اس مومن کے قتل کا باعث وہ لوہار ہے جس نے اس کو تلوار بنا کر دی۔ نہ وہ اس کو تلوار دیتا نہ یہ مومن کو قتل کرتا۔ لیکن حقیقت شناس طبقہ لوہار کی طرف اس نسبت سے کبھی دھوکا نہ کھائیں گے بلکہ وہ سمجھیں گے کہ یہ شرارت قاتل کے سوا اختیار کا نتیجہ ہے اور اس معاملہ میں صرف وہی مجرم ہے۔ اسی طرح اللہ نے انسان کو قوتِ اختیاریہ و ارادیہ عطا فرما کر حق و باطل سے روشناس کرا دیا اب انسان چاہے تو اپنی طاقت کو امورِ خیر میں صرف کرے اور چاہے تو امورِ شر میں استعمال کرے۔ اس نے تو صاف طور پر فرما دیا کہ میں نے جنوں اور انسانوں کو عبادت کے لیے خلق کیا ہے لیکن عبادت پر مجبور کسی کو نہیں کیا (لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ) اب اپنے اختیار سے اگر انسان برائی کا اقدام کریں تو چونکہ اس کی طاقتیں اللہ کی طرف سے تھیں لہٰذا اللہ کی طرف اس کے فعل کو منسوب کیا جاتا ہے۔ لیکن حقیقت شناس خود سمجھ سکتے ہیں کہ یہ نسبت مجازی

ہے۔ درحقیقت اس برائی کا ذمہ دار وہ شخص ہے جس نے اپنے سوء اختیار سے افعالِ بد کا ارتکاب کیا اور آیت مجیدہ کے آخری لفظ بھی اسی بات پر دلالت کرتے ہیں۔ چنانچہ فرماتا ہے کہ گمراہ صرف وہی ہوتے ہیں جو اللہ کے عہد کو توڑتے ہیں اور اس کے امر کی مخالفت کر کے جس کو ملانے کا حکم ہے اس کو قطع کرتے ہیں اور زمین میں فساد بپا کرتے ہیں اگر گمراہ اللہ نے کیا ہوتا تو عہد شکنی قطع رحمی اور فساد کاری کی نسبت بھی اللہ کی طرف ہوتی۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ پس معلوم ہوا کہ یہ سب افعال ان کے اختیاری ہیں اور اسی لئے تو آخر میں فرمایا کہ وہ خسارہ پانے والے ہیں۔ اگر گمراہی اللہ کا فعل ہوتی تو ان کے خسارہ کی ذمہ داری بھی اللہ پر ہوتی۔

اس کے بعد پھر ان کو عار اور شرم دلانے کے لئے اپنے احسانات کا تذکرہ فرماتا ہے چنانچہ ارشاد ہے كَيْفَ تَكْفُرُونَ یعنی اے انسانو! تم کس ضمیر سے اس اللہ کا کفرانِ نعمت کرتے ہو جس نے تمہیں موت کے بعد حیات دی۔ یعنی کتم عدم سے نکال کر صفحہ ہستی پر زندگی بخشی اور پھر یہ بھی نہیں کہ تم ہمیشہ اس زندگی میں رہو اور تمہیں اس کے بعد باز پرس کرنے والا کوئی نہ ہو بلکہ اس کے بعد وہی خدا تمہیں موت سے ہم آغوش کرے گا اور تمہاری خاکی کرد و فرکو مٹی میں ملا دے گا اور اس کے بعد پھر تمہیں سوال و جواب کے لئے زندہ کرے گا۔ اور پھر اس کی طرف تمہاری بازگشت ہوگی۔ اب ہر عقلمند انسان ان آیات میں غور کرنے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے کہ اگر ایمان و کفر انسان کے اختیار میں نہ ہوتے تو ان چیزوں کے ذکر کرنے کا اور عبرت دلانے کا کیا فائدہ؟

هُوَ الَّذِي پھر اپنے احسانِ خلقت کو جتلا کر دعوتِ فکر دی ہے اور کفرانِ نعمت سے باز رہنے کی تحریک فرمائی ہے کہ کیا اپنے اس خالق کا کفر کرتے ہو جس نے تمہیں خلعت

هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ثُمَّ اسْتَوٰى
وہ وہی خدا ہے جس نے پیدا کیا تمہارے لئے تمام ان چیزوں کو جو زمین میں ہیں پھر متوجہ ہوا
ع إِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝٢٩
طرف آسمان کے پس ٹھیک بنایا ان کو سات آسمان اور وہ ہر شے کا جاننے والا ہے۔
منزل

وجود سے سرفراز فرما کر زمین کی تمام چیزوں کو تمہاری نفع رسانی کے لئے پیدا کر دیا تاکہ تم اس میں رہو اور کھاؤ اور پیو لیکن کب اس محسن کے احسان کا بدلہ یہی ہے کہ تم سب ان باتوں کو بھول کر شیطان کی پیروی کرو؟ ایسا ہرگز نہیں بلکہ تم پھر سوچو اور بار بار غور و فکر کرو تمہاری عقلیں قطعاً تمہیں اس کے کفر و انکار کی اجازت نہ دیں گی۔ اور اس احسان کے ذکر فرمانے کے بعد اپنی عظمت و قدرت پر متنبہ فرما دیا کہ صرف تمہیں اور ان زمین کی مخلوق کو ہی نہیں بلکہ اس کی قدرت و عظمت کا ادنیٰ کرشمہ ہے

کہ اس نے آسمانوں کو خلقت کا ارادہ فرما کر بغیر ستونوں کے سات آسمان پیدا کر دیئے اور ان کو ستاروں کی روشن قندیلوں سے مزین فرما دیا اور شمس و قمر سے عالم کو منور کر دیا اور جس طرح وہ ان چیزوں کی خلقت پر قادر ہے وہ ان تمام اشیاء کے تمام کلی و جزوی امور سے دانا و بینا بھی ہے۔

جو لوگ خدا کو فاعل مجبور جانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خدا نے بلا اختیار یہ سب کچھ بنایا ہے یعنی جس طرح سورج سے بلا اختیار روشنی پھوٹتی ہے اسی طرح خالقِ کائنات کا یہ فیض اس کی ذات سے خود بخود صادر ہے۔ پس خداوند کریم نے نعمتِ خلقت کے ذکر کرنے کے بعد فوراً اس عقیدہ باطلہ کی تردید فرما دی اور ارشاد فرمایا کہ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ یعنی وہ اللہ جس نے یہ سب کچھ خلق فرمایا ہے۔ وہ اس سب کچھ کو جاننے والا ہے کیونکہ علم ہو تو ارادہ ہوتا ہے اور ارادہ کے بعد شی کا وجود ہوتا ہے یعنی فعل ارادہ کے بعد اور ارادہ علم کے بعد ہوتا ہے۔ اور اس قسم کے افعال کو جو ارادہ و علم کے بعد معرضِ وجود میں آئیں افعال اختیاریہ کہا جاتا ہے بخلاف اس کے افعال اضطراریہ میں نہ پہلے ارادہ ہوتا ہے اور نہ علم۔ پس خدا نے اپنے علیم ہونے کا ذکر فرما کر تنبیہ فرما دی ہے کہ میرے تمام احسانات اختیاری ہیں۔ لہٰذا مخلوق پر ان کا شکر واجب ہے اور اس کی اطاعت ضروری ہے۔

سوال:۔ اس مقام پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ خداوند علیم و حکیم نے زمین کو پہلے خلق فرمایا ہے اور آسمانوں کو اس کے بعد خلق کیا۔ لیکن ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے۔ ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ بَنٰهَا رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰىهَا وَاَغْطَشَ لَيْلَهَا وَاَخْرَجَ ضُحٰىهَا وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰهَا پ۳۰ نازعات (ترجمہ) کیا تمہارا پیدا کرنا زیادہ سخت ہے یا آسمان جس کو اس نے بنایا۔ اس کی چھت کو بلند اور درست کیا اور اس کی رات کو تاریک کیا اور اس کے دن کو ظاہر فرمایا اور زمین کو اس کے بعد بچھایا۔

ان آیات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آسمان کی تخلیق زمین سے پہلے ہے۔

جواب (۱) زمین کی تخلیق آسمان سے پہلے ہے جسطرح اس جگہ ارشاد ہے لیکن زمین کا بچھانا اور پھیلانا خلقت آسمان کے بعد ہے جس طرح اس جگہ موجود ہے۔ لہٰذا دونوں مقامات پر کوئی تنافی وغیرہ نہیں ہے لیکن یہاں پھر سوال کی گنجائش ہے کہ اس مقام پر یہ فرماتا ہے کہ زمین کی تمام چیزوں کو تمہارے لئے خلق کیا اور پھر آسمان کی طرف متوجہ ہوا اور ساتوں آسمان بنائے۔ پس جب زمین کی تمام اشیاء خلقتِ آسمان سے پہلے ہیں تو ظاہر ہے کہ زمین بچھائی بھی پہلے گئی کیونکہ چیزوں کی پیدائش زمین کے بچھائے جانے سے پہلے نادرست ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ زمین کی سب پیداوار آسمانوں کی خلقت سے پہلے کہاں ہے؟ بلکہ زمین میں پیدا ہونے والی چیزیں خواہ انسان ہوں یا دیگر مخلوق علی الترتیب معرضِ وجود

ہیں آتے ہیں اور قیامت تک خلقت کا یہ سلسلہ برقرار رہے گا لہٰذا خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ زمین کی سب پیداوار بیک وقت خلقتِ آسمان سے پہلے ہوئی بلکہ تدریجی پیدائش مقصود ہے کیونکہ رات دن اور زمانہ رفتارِ فلک سے بنتا ہے اور اوقات کی تعیین شمس وقمر کے دور سے ہوتی ہے اور زمین کی اکثر پیداوار اور اُن کی نشوونما گردشِ فلک اور اجرامِ سماویہ شمس وقمر ونجوم کی منیار پاشی کی مرہون ہیں۔ لہٰذا ممکن نہیں کہ زمین کی پیداوار سب کی سب خلقتِ افلاک سے پہلے ہو۔ پس آیت میں صرف خلقت زمین کا خلقتِ آسمان سے مقدم ہونا معلوم ہوتا ہے اور دوسرے مقام پہ آسمان کی خلقت کا زمین کے بچھانے سے مقدم ہونا معلوم ہوتا ہے اور کوئی منافات نہیں ہے۔

جواب (۲) ثُمَّ کی لفظ ہر دو مقاموں پر بعدیتِ زمانی کے معنے میں نہیں بلکہ ہر دو مقام پہ ذاتِ احدیت نے اپنی عظمت وقدرت وحکمت ونعمات میں انسان کو دعوتِ فکر دی ہے۔ اس مقام پر انسان کو اپنی پیدائش وموت وزندگی اور خلقتِ زمین اور اس کی جملہ نعمات میں غور کرنے کی دعوت دے کر اپنی عبادت کی طرف رہنمائی فرمائی ہے اور کفرانِ نعمت سے منع فرمایا ہے اور اس کے بعد خلقتِ آسمان میں غور کرنے کی دعوت دی ہے تاکہ انسان علوی وسفلی ہر قسم کی مخلوق میں فکر کرکے معرفتِ خدا حاصل کرسکے اور دوسرے مقام پر اپنے مظاہرِ قدرت پر روشنی ڈالتے ہوئے خلقتِ آسمان اور شب و روز کی پیدائش کی طرف متوجہ کرکے زمین اور اس میں جملہ نعمات میں غور وفکر کرنے کی دعوت دی ہے۔ یہاں خلقتِ ارض ومافیہا کے مقدم یا موخر ہونے کا ذکر نہیں بلکہ دعوتِ فکر میں مناسبت مقام کے اعتبار سے تقدم وتاخیر ہے لہٰذا کوئی منافات نہیں۔ از مجمع البیان

maablib.org

ذکرِ خلقتِ آدمؑ

وَاِذْ قَالَ: چونکہ اس سے پہلے انسان کی خلقت کا ذکر ہوا لہٰذا سوال ہو سکتا تھا کہ کب ؟ تو کہاں اس کی وضاحت کا بیان ہوا کہ جب اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو کہا تھا کہ میں زمین میں خلیفہ بناتا ہوں۔ بعض کہتے ہیں کہ تمام ملائکہ کو خطاب کیا تھا اور ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ صرف زمین کے ملائکہ کو خطاب ہوا تھا جو قوم جنات کے بعد زمین پہ ساکن کیے گئے تھے۔ اور تفسیر برہان میں امام زین العابدین علیہ السلام سے منقول ہے کہ وہ عرش کے گرد رہنے والے ملائکہ تھے کیوں کہ ان کے دلوں میں یہ خیال گزرا تھا کہ ہم اللہ کی مقرب ترین مخلوق ہیں۔ ہم سے افضل مخلوق اور کوئی نہ ہوگی پس انہیں سے آدم کے سامنے سجدہ کرنے کا مطالبہ ہوا اور بعض روایات آئمہ میں ابن عباس کے قول کی تائید بھی ہے۔

ابن عباس سے منقول

ع

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً قَالُوْٓا

اور جب کہا تیرے رب نے ملائکہ کو تحقیق میں پیدا کرتا ہوں زمین میں خلیفہ تو انہوں نے کہا۔

اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ

کیا پیدا کرتا ہے تو اس میں ایسے شخص کو جو فساد کرے گا اس میں اور خونریزی کرے گا۔ حالانکہ ہم تیری تسبیح

بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ قَالَ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ وَعَلَّمَ

حمد کرتے ہیں اور ہم تیری پاکیزگی بیان کرتے ہیں فرمایا تحقیق میں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے اور تعلیم

اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِيْ

کیے آدم کو نام سب پھر پیش کیا انکو (جنکے نام آدم کو بتلائے تھے) فرشتوں پر پس فرمایا مجھے بتاؤ نام

بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ

ان کے اگر تم سچے ہو تو انہوں نے عرض کی تو پاک ہے

لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۝

ہمیں کوئی علم نہیں مگر اس قدر جو تو نے تعلیم فرمایا تحقیق تو جاننے والا اور حکمت والا ہے

قَالَ يٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّيْٓ

فرمایا اے آدم تو بتا ان کو نام ان کے پس جب اس (آدم) نے ان کو انکے نام بتائے فرمایا کہ میں نے تمہیں کیا تھا

اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ۝

تحقیق میں آسمانوں اور زمینوں کے غیبوں کو جانتا ہوں اور میں جانتا ہوں جسکو تم ظاہر کرتے ہو اور جسے چھپاتے ہو

منزل

ہے کہ ان کو بتا دیا گیا تھا کہ اولادِ آدم میں سے ایسے لوگ ہوں گے جو فساد اور خونریزی کریں گے اور بعض کہتے ہیں کہ پہلے زمین پر جنوں نے چونکہ فسادات و خونریزیاں کی تھیں اسی بنا پر ملائکہ نے اندازہ کر لیا کہ یہ بھی ایسا کریں گے۔ چنانچہ بعض روایات ائمہ سے بھی اسی قول کی تائید موجود ہے۔ عیاشی سے تفسیر برہان میں منقول ہے کہ حضرت صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ فرشتوں نے اس سے پہلے فساد و خونریزیاں کرنے والوں کو نہ دیکھا ہوتا تو ان کو یہ کیسے معلوم تھا کہ یہ بھی فساد و خونریزی کریں گے۔؟ فرشتوں کو خدا کی تعلیم سے یا سابق تجربہ سے جب یہ بات معلوم تھی کہ اولادِ آدمؑ زمین پر فساد و خونریزی کرے گی تو انہوں نے ازراہِ تعجب نہ بصورتِ اعتراض سوال کیا کہ کیا تو ایسی مخلوق کو پیدا کرتا ہے اور زمین کا خلیفہ بناتا ہے جو فساد و خونریزی کرے اور اس کے بعد انہوں نے اپنی تسبیح و تقدیس کو بھی ظاہر کر دیا کہ ہم تیرے تسبیح گزار اور تیری پاکیزگی کا ذکر کرنے والے ہیں۔ بعض تفاسیر میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ فرشتوں نے زمین کی خلافت اپنے لیے طلب کی تھی اور اسی بنا پر انہوں نے اپنی تسبیح و تقدیس بھی جتلائی تھی اور جب اللہ نے فرمایا کہ تم اس مصلحت کو نہیں جانتے جو میں جانتا ہوں تو انہوں نے فوراً توبہ کی اور عرش کی پناہ لی اور اُن کی توبہ منظور ہوئی۔ اور جب حضرت آدمؑ علیہ السلام سے ترکِ اولیٰ ہوا تو انہوں نے بیت اللہ کا طواف کیا اور ان کی توبہ منظور ہوئی اور روایت میں ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو ندا آئی کہ تیری اولاد میں سے جو بھی اس مکان پر حاضر ہو کر اپنے گناہ سے توبہ کرے گا میں اس کی توبہ قبول کروں گا۔

اجمالی طور پر تو ملائکہ کو معلوم ہو گیا کہ آدمؑ کی خلافت میں مصلحت ہے اور انہوں نے خلافِ مصلحت خدا اپنی لب کشائی کی توبہ بھی کر لی جو منظور ہو گئی لیکن ان کو تفصیل معلوم نہ ہو سکی جس سے وہ خود اعتراف کرتے کہ ہاں بے شک ہم غلطی پر ہیں اور آدمؑ ہم سے افضل ہے تو اس تفصیل کو یوں پیش فرمایا جیسا کہ تفسیر برہان میں حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام سے ایک حدیث میں مروی ہے کہ خداوند کریم نے حضرت آدمؑ کو تمام انبیاء کے نام اور حضرت محمد مصطفیٰؐ حضرت علیؑ حضرت فاطمہؑ حضرت امام حسنؑ حضرت امام حسینؑ اور ان کی ذریت طاہرہ اور ان کے مخصوص شیعوں اور سرکش دشمنوں کے نام تعلیم فرمائے اور پھر عالم اشباح میں چہاردہ معصومینؑ کے انوار کو ملائکہ پر پیش کر کے فرمایا کہ اگر تم اپنی بات میں سچے ہو تو ان کے ناموں کی تفصیل دار خبر دو۔ پس ملائکہ نے عاجزی کا اظہار کیا اور کہا کہ لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا الایہ یعنی ہمیں صرف اتنا ہی معلوم ہے جتنا تو نے ہمیں تعلیم فرمایا اور بس اس کے بعد آدمؑ کو خدا نے حکم دیا کہ تو ان کو اُن یعنی انبیاء و آئمہ کے ناموں کی خبر دے پس جب حضرت آدمؑ نے نام بتلائے تو خدا نے ملائکہ سے انبیاء و آئمہ پر ایمان لانے اور ان کو اپنے سے افضل ماننے کا عہد و پیمان لیا (یعنی ملائکہ نے تسلیم کر لیا کہ واقعی گروہ انبیاء و آئمہ ہم سے افضل و برتر ہیں) اور پھر ارشاد ہوا کہ کیا میں نے تمکو کہا نہیں تھا کہ میں آسمانوں اور زمینوں کے غیبوں کو جانتا ہوں اور میں اس چیز کو بھی جانتا ہوں جس کو ظاہر کرتے ہو اور اس کو بھی جانتا ہوں جس کو تم پوشیدہ رکھتے ہو

(روایت کا ترجمہ تحت اللفظی نہیں ہے بلکہ یہ صرف اقتباس ہے۔ اسی مضمون کی ایک اور روایت حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ خداوند کریم نے حضرت آدمؑ کو اپنے تمام ہویدا لے حُجج (یعنی انبیاء و آئمہ) کے نام تعلیم فرمائے اور عالم ارواح میں ان کو ملائکہ کے سامنے ظاہر کیا اور فرمایا کہ اگر تم اپنی تسبیح و تقدیس کے بل بوتے پر زمین کی خلافت کے استحقاق کے دعویٰ میں سچے ہوں تو ان ناموں کی خبر دو تو انہوں نے عرض کی پاک تیری ذات ہم تو صرف وہی جانتے ہیں جو تو نے ہمیں بتلایا ہے اور بس۔ اور ہر چیز کا دانا و بینا صرف تو ہی ہے۔ پس ارشاد قدرت ہوا اے آدمؑ تو ان کو ان کے[۲] نام بتلائے تو ملائکہ کو ان کے اللہ کے نزدیک عظیم المرتبت ہونے کا علم ہوا اور جان گئے کہ واقعی زمین کی خلافت اور مخلوق میں حجۃ اللہ ہونے کے یہی حقدار ہیں۔ پس خدا نے ان کو ملائکہ کی آنکھوں سے اوجھل کر دیا اور ان سے ان کی ولایت و محبت کا اقرار کر لیا اور فرمایا کیا میں نے تمہیں نہیں کہا تھا کہ میں آسمانوں اور زمینوں کے غیبوں اور تمہاری ظاہر و پوشیدہ باتوں کو جانتا ہوں؟

ابن عباس سے منقول ہے جیسا کہ علامہ طبرسی نے مجمع البیان میں ذکر فرمایا ہے کہ خداوند کریم نے حضرت آدمؑ کو تمام آلہ کاریگریاں زمینوں کی آبادکاری۔ اشیاء خوردنی۔ ادویہ معدنیات درخت لگانا اور ان کے منافع بلکہ دین و دنیا کی آبادی کے لئے جتنے امور کی ضرورت تھی سب تعلیم فرمائے تھے۔ بعضوں نے کہا ہے کہ تمام دنیا کی تمام موجودہ و غیر موجودہ اشیاء کے ہر زبان میں نام سکھائے تھے۔ اور حضرت صادق علیہ السلام سے منقول ہے۔ زمینوں پہاڑوں وادیوں اور گھاٹیوں کے نام بھی آدمؑ کو تعلیم کئے گئے تھے۔ یہاں تک کہ آپ نے اپنی بساط کی طرف جو نیچے بچھی تھی۔ اشارہ فرما کر فرمایا کہ خدا نے حضرت آدمؑ کو اس کا نام بھی بتایا تھا۔ بعض نے کہا ہے کہ تمام ملائکہ اور قیامت تک کی اپنی نسل کے نام بتلائے تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ تمام چیزوں کے القاب معانی اور خواص تعلیم فرمائے تھے اور قرآن مجید کے یہ الفاظ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا (یعنی حضرت آدمؑ کو تمام نام تعلیم کئے) اسی عموم پر دلالت کرتے ہیں۔

لیکن کیا ان تمام چیزوں کو ملائکہ پر پیش کیا گیا اور ان سے ان تمام کے نام بتلانے کا سوال کیا؟ تو قرآن کے ظاہری الفاظ یہ ہرگز نہیں بتلاتے کیونکہ ارشاد ہے۔ ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ (یعنی پھر پیش کیا ان کو فرشتوں پر) اور ھُم کی ضمیر صرف ذوی العقول کے لئے ہی استعمال ہوتی ہے۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے چونکہ ذوی العقول زیادہ تھے اور غیر ذوی العقول کم تھے اس لئے غلبہ ذوی العقول کو حاصل تھا پس ذکر ذوی العقول کا کیا گیا۔ اور مراد سب چیزیں ہیں

لیکن میرے خیال میں اس تکلف کی کوئی ضرورت نہیں۔ کیونکہ آدم علیہ السلام کو تمام چیزوں کے نام بتلانا اور اس کو اس نعمت علم سے سرفراز فرمانا شان الوہیت ہے جس کو وہ نبی بنا کر بھیجے اس کی علمی کمزوری شان اقدس الٰہی کے انتخاب پر نقص کی موجب ہے۔ لیکن یہ ضروری نہیں کہ امتحان و مقابلہ کے مقام پر یا کسی کی امتیازی شان کو اجاگر کرنے کے لئے اس

[۲] ناموں کی خبر دے پس جب آدمؑ نے ان کو ان کے ۔

کی ساری علمی پونجی کو حرفِ بحرف معرضِ ظہور میں لایا جائے۔ بلکہ ایسے مقامات پر صرف چند خصوصی نکات کا دریافت کر لینا کافی ہوا کرتا ہے۔ جس سے ہر مقابل خود بخود اپنی ہار مان لیتا ہے اور اس مقام پر جو نکتہ معیارِ خلافت ظاہر کرنا تھا۔ لہٰذا باقی دنیاوی منافع کی اشیاء کے نام یا ان کے خواص کے متعلق سوال و جواب ایسا ہے جیسے کسی سکول کے ماسٹر کے انتخاب کے لئے امیدواروں میں ہل چلانا یا باغ لگانا یا کوئی دوسرا اس قسم کا پہلو معیارِ کامیابی قرار دیا جائے بلکہ اس جگہ تو اسی موضوع کے متعلق سوالات ہی موزوں ہوں گے۔ مثلاً کیفیت تدریس یا ماہر مدرسین کی خصوصیات و حالات اور ان کا طرزِ عمل ہی موضوعِ امتحان ہوگا اور اسی سے سبقت معیار انتخاب ہوگی۔ اسی طرح ڈاکٹری امتحان میں تجارتی سوالات کا آنا ناموزوں ہے بلکہ اسی ہی موضوع سے متعلق سوالات مناسب ہیں۔ وعلیٰ ہذا القیاس۔ یعنی بالمقابل امیدواروں میں سے انتخاب کے لئے موزوں و کامیاب وہی قرار دیا جاتا ہے۔ جو اسی مقام و نشست کے لئے زیادہ اہل ہو اور اس کی اہلیت تب ہی معلوم ہوگی کہ اسی مقام و نشست کی نوعیت کے سوالات اس سے کئے جائیں اور وہ ان کو حل کر دے۔ اس مقام پہ ملائکہ خدا ہشمند تھے کہ خلافت ہم میں ہو اور خدا کی مصلحت آدمؑ کی خلافت میں تھی۔ پس فرشتوں نے اپنی تسبیح و تقدیس جتلائی اور یہ سمجھے کہ شاید تسبیح و تقدیس ہی معیارِ خلافت ہوگا اور حضرت آدمؑ کی اولاد سے چونکہ فساد و خونریزی متوقع ہے۔ لہٰذا ایسی مخلوق خلافت کے اہل نہیں کیوں کہ اس سے پہلے جنات تھے اور انہوں نے ایسے ہی فساد و خونریزیاں کیں پس ملائکہ کو بھیج کر خدا نے ان کو تباہ و برباد کر دیا جب پہلے فساد کرنیوالوں کا انجام ہوا تو پھر نئے سرے سے کسی فسادی قوم کو زمین کی خلافت کیوں دی جانے لگی! بس ان کی نظر اسی نظریہ تک محدود تھی اور سمجھے تھے کہ صرف عابد و تسبیح گزاری کو خلیفۃ ارض ہونا چاہیئے۔

چونکہ بحث خلافت میں تھی اور ہر دو طرف امیدوارانِ خلافت تھے لہٰذا سوال ایسی نوعیت کا مناسب تھا۔ پس پہلی دونوں روائتوں کے مضمون کے مطابق تمام خلفاء اللہ (جن کے افضل و سردار محمدؐ و آلِ محمدؐ تھے) کے سامنے پیش کئے گئے جس کے جواب سے ملائکہ قاصر رہے اور آدمؑ نے ان کو بتا دیا پس وہ اپنی ہار مان گئے۔

سوال ۱: یہ عجیب مقابلہ ہے۔ آدمؑ کو خدا نے نام بتلا دیئے تھے۔ چنانچہ خود فرماتا ہے کہ اس کو اللہ نے بتلائے اور فرشتوں کو نہیں بتلائے تھے تو اس مقابلہ میں فرشتوں نے خواہ مخواہ اپنا ہار کھائی ہی تھی اور عدلِ خداوندی کا تقاضا یہی ہے کہ فریقین کو تعلیم برابر دے کر مقابلہ کروائے حالانکہ ایسا نہیں ہوا؟

جواب (۱) مثال کے طور پر ایک استاد اپنے دو شاگردوں میں سے ان کی استعداد یا رجحان طبع کے ماتحت ایک کو ایک فن کی تعلیم دے کر اس کی ڈیوٹی اسی فن کے ماتحت معین کر دے اور دوسرے کو کوئی دوسرا فن دے کر اس کو اسی نوعیت کی ڈیوٹی سپرد کرنا چاہے اور پہلا شاگرد اپنے فن کے بل بوتہ پر دوسری ڈیوٹی کے سنبھالنے کی خواہش کرے تو استاد اُسے

اپنی غلطی تسلیم کرانے کے لئے دوسرے فن کے متعلق اس سے سوال کر کے اس کو خاموش کر دے تاکہ وہ خود بھی یہ کہنے پر مجبور ہو جائے کہ واقعی میری خواہش نادرست ہے اور میرا فن صرف میری اپنی ڈیوٹی کے لئے کارآمد ہے اور اس دوسری ڈیوٹی کے لئے وہی موزوں ہے جو اس کا صاحبِ فن ہے تو اس صورت میں پہلے شاگرد کو یہ کہنے کی مجال نہیں کہ مجھے وہ فن کیوں نہ سکھایا گیا۔ پس اس میں نہ پہلے شاگرد پر تشدد و ظلم لازم آتا ہے اور نہ استاد کی جانبدار ی کا سوال پیدا ہوتا ہے۔ کیوں کہ استاد ان مصالح کو خود بہتر جانتا ہے۔ یا حکومتِ وقت ایک شخص کو کسی ملک کی سفارت کے لئے نامزد کر کے اس کو اسی عہدہ کے متعلق امور ضروریہ کی تعلیم دے کر دفتر سفارت کے کاغذات اس کو سپرد کر دے اور پھر دوسرے شخص کو عدلیہ کا محکمہ سپرد کرنے کے لئے اس کو اس نوعیت کی تعلیم دلوا کر عہدہ سپرد کرنا چاہے اور پھر سفیر اپنے علمِ سفارت کے پیشِ نظر عدلیہ کے عہدہ کی خواہش کرے اور بصورتِ ناکامی اپنی غلطی تسلیم کرے تو اسے یہ کہنے کا حق نہیں ہے کہ مجھے پہلے سے وہ تعلیم کیوں نہ دلوائی گئی پس اس میں نہ دل آزاری ہے اور نہ جانبداری جب ظاہری دنیا کا یہ حال ہے کہ انتخاب کرنے والے کے طرزِ عمل کو مناسب مصلحت سمجھ کر ایک فن کا نااہل اپنی نااہلیت کا اعتراف کر لیا کرتا ہے اور یہ نہیں کہتا کہ مجھے اس فن کا اہل کیوں نہیں کہا گیا اور فطرت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ۔ تو اس جگہ ملائکہ کو پیدا ہی تسبیح و تقدیس کے لئے کیا گیا اور ان کی ڈیوٹی بھی وہی ہے اور آدمؑ کو پیدا ہی خلافتِ زمین کے لئے کیا گیا اور علمِ خلافت سے سرفراز فرما کر اس کو یہ عہدہ تفویض کیا گیا اب اگر ملائکہ اپنی تسبیح و تقدیس کے بل بوتہ پر اس عہدۂ خلافت کے لئے بھی اپنا نام پیش کریں اور علومِ خلافت سے اپنے آپ کو نااہل پا کر اپنی درخواست واپس لے لیں اور اپنے کئے کی معافی مانگ لیں تو بعید از عقل ہرگز نہیں اس میں ان پر تشدد و ظلم کا سوال ہی نہیں آتا۔ اور یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اپنی ہاریان لی درجہ نہ کہا کہ ہم کو وہ علم کیوں نہ دیا گیا کیونکہ اس میں انتخابِ خداوندی پر اعتراض تھا اور ملائکہ اس اعتراض سے پاک ہیں۔ جب خاکی و خاطی مخلوق اپنے انتخاب کرنے والوں پر اس اعتراض کی لب کشائی کی جرأت خلافِ عقل اور منافی فطرت سمجھتی ہے۔ حالانکہ ان کا انتخاب بھی خاکی و خاطی مخلوق کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ جیسا کہ گذشتہ دو مثالوں سے واضح کر دیا گیا ہے۔ تو وہ نوری اور پاک مخلوق اپنے پاک خالق کے انتخاب پر کیوں کر حرف زنی کرتی جس کی تسبیح و تقدیس ان کی ورد زبان تھی؟ پس وہ سمجھ گئے کہ ہم جس عہدہ پر ہیں اسی کے اہل ہیں۔ اور آدمؑ کو جو عہدہ دیا گیا ہے۔ وہ اسی کے اہل ہے

جواب (۲) ممکن ہے یہ نام ملائکہ کو پہلے سے معلوم ہوں جس طرح کی جناب رسالت مآبؐ اور اس کی آلِ طاہرین علیہم السلام کی خلقتِ نوری کی احادیث میں کثرت سے اس کا ذکر موجود ہے حتیٰ کہ ملائکہ نے تسبیح و تہلیل کا طریقہ بھی انہی کی تسبیح و تہلیل سے سیکھا اور ان میں بعض احادیث ہم نے کتاب کی جلد اوّل یعنی مقدمہ میں ذکر کی ہیں اور بعض کا آئندہ بھی ضمناً انشاء اللہ مناسبت مقام سے ذکر ہوگا اور حضرت آدمؑ چونکہ نووارد تھے اس لئے ان کو اب تعلیم کئے گئے۔ نام تو ہر دو کو معلوم ہو گئے

اب ان ناموں والے جب عالم انوار میں ملائکہ کے پیش ہوئے تو ملائکہ کو گو نام معلوم تھے لیکن ہر نام کی نام والے کیساتھ تطبیق نہ دے سکے کہ یہ فلاں ہے اور وہ فلاں ہے۔ اور جب حضرت آدمؑ سے سوال ہوا تو انہوں نے ہر ایک نام اپنے مسمّے پر منطبق کر دیا۔ ملائکہ چونکہ مجردات سے ہیں لہٰذا ان میں علم اسی حد تک محدود رہتا ہے جتنا ان کو تعلیم کیا جائے اور مادۂ بشریّہ اور قوائے بدنیہ کا یہ خاصہ ہے کہ عقل ان کی معیت میں اپنی تحصیل میں ترقی کر سکتی ہے۔ پس حضرت آدمؑ نے علائم و خصوصیات کے پیش نظر اپنے غور و فکر یا اجتہاد سے ہر صاحب نام کا ملائکہ سے تعارف کرایا اور ملائکہ نے بھی اپنی معذرت میں خود اس چیز کا اظہار کیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے قَالُوْا سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا (انہوں نے کہا تیری ذات پاک ہے ہمیں تو صرف اتنا ہی معلوم ہے جتنا تو نے ہمیں تعلیم فرمایا یعنی اس سے آگے قدم ہم نہیں رکھ سکتے یہ نہیں کہا کہ تو نے ہمیں بتایا نہیں۔ بلکہ بتایا تو ہے لیکن جتنا بتایا ہے ہم اسے دہرا سکتے ہیں اس سے آگے نہیں چل سکتے۔ پس معلوم ہوا کہ تعلیم مساوی تھی لیکن اس سے ترقی خاصۂ بشریت تھا جس سے فرشتے عاجز تھے اور فرشتوں نے اس مرحلہ پر پہنچ کر یہ نتیجے حاصل کئے۔

۱۔ خدا کا آدمؑ کو خلافتِ ارضیہ کے لئے نامزد فرمانا عین مصلحت ہے جس سے ہم غافل تھے لہٰذا اپنے بے جا سوال پر اللہ سے توبہ کی اور معافی مانگ لی جو قبول ہوئی ۲۔ ان کے دلوں میں جو یہ گھمنڈ تھا کہ ہم عابد و تسبیح گذار ہیں اور اسی پر اترا کر یہ خیال کر لیا کہ ہم تمام مخلوق سے افضل ہیں وہ ختم ہو گیا اور سمجھ لیا کہ ہم سے افضل وہ مخلوق ہے جو خلافتِ ارضیہ کے لئے نامزد کی گئی ہے۔ ۳۔ یہ بھی سمجھ لیا کہ خلافتِ الٰہیہ کا معیار صرف تسبیح و تقدیس نہیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ کافی استعداد علمیہ کی ضرورت ہے۔ ۴۔ ان کی نظر جو صرف بنی آدمؑ کے فسادات و خونریزیوں پر محدود تھی جس کی بنا پر وہ ان کو خلافتِ ارضیہ کے لئے نامعقول سمجھتے تھے اب ان کے فضائل و کمالات کا پہلو بھی سامنے آ گیا۔ ۵۔ حضرتِ آدمؑ کا علمی کمال دیکھ کر اس کا استحقاقِ خلافت تسلیم کر لیا اور بحکمِ خدا ان کو ان کے سامنے سرِ تسلیم جھکانا پڑا۔ ۶۔ ابلیس جو مدتوں ملائکہ کے ساتھ شریکِ عبادت رہا اس سرتابی سے اس کا خبثِ باطن بھی ان کو معلوم ہو گیا اور سمجھ گئے کہ نوریوں کی صحبت میں بھی ناری ناری ہوا کرتا ہے۔ اور بوقتِ امتحان اہلِ کمال کے سامنے جھک جانے سے قربِ بارگاہ نصیب ہوتا ہے اور جو اس مقام پر نکتہ چینی یا تکبر کرے وہ راندۂ بارگاہ ہو کر مستحقِ لعنت ہو جایا کرتا ہے۔ ۷۔ ملائکہ کی نظر بنی آدمؑ کے فسادی افراد پر تھی جو یقیناً عہدۂ خلافت کے لئے ان فٹ تھے لیکن جب عالمِ انوار میں حضرت آدمؑ کی پشت سے ہونے والے حقیقی خلفا سے تعارف ہوا۔ تو ان کے سامنے اپنی گردنیں خم کر دیں اور ان کی موالات و محبت کا عہد خدا سے کر لیا اور مان لیا کہ واقعی یہ لوگ زمین کی خلافت کے زیادہ حقدار ہیں جسطرح پہلے روایات میں گذر چکا ہے۔

حضرت آدم کے بتا دینے کے بعد خداوند کریم نے ملائکہ کو تنبیہ مزید فرمائی کہ جس چیز کی حقیقت کا علم نہ ہو۔ اس کے متعلق لب کشائی درست نہیں چنانچہ فرمایا اَلَمْ اَقُلْ لَکُمْ الآیہ اس کی تفسیر میں امام حسن عسکری سے منقول ہے جیسا کہ تفسیر برہان میں پوری روایت مذکور ہے کہ جب تم اپنے ساتھ رہنے والے یعنی ابلیس کی بد باطنی سے مطلع نہیں ہو حالانکہ وہ تمہارے درمیان موجود ہے تو کسی غائب مخلوق کے متعلق جو ابھی آئی نہیں کس طرح ایک اٹل فیصلہ کر سکتے ہو؟ اور میں زمینوں و آسمانوں کے غیب کو اور تمہاری ظاہری و پوشیدہ سب باتوں کو جانتا ہوں۔ پس اس واقعہ سے صاف واضح ہوا کہ انسان کے جملہ اوصاف حمیدہ میں سے علم بلند و برتر صفت ہے اور یہی چیز خلافت الٰہیہ کا معیار ہے۔ یہی وجہ مولائے کائنات حضرت امیر المومنین علیہ السلام مقام افتخار میں اپنے علم کو پیش فرماتے تھے جیسا کہ ان کی طرف منسوب ہے کہ آپ نے فرمایا

رَضِیْنَا قِسْمَةَ الْجَبَّارِ فِیْنَا ۔ لَنَا عِلْمٌ وَلِلْاَعْدَاءِ مَالٌ

ہم اللہ کی تقسیم پر راضی ہیں کہ اس نے ہمیں علم دیا اور دشمنوں کو مال دیا

فَاِنَّ الْمَالَ یَفْنٰی عَنْ قَرِیْبٍ ۔ وَاِنَّ الْعِلْمَ یَبْقٰی لَا یَزَالُ

کیونکہ مال عنقریب فنا ہو جائیگا اور تحقیق علم باقی و غیر فانی دولت ہے

دل چاہتا تھا کہ علم کی فضیلت کے متعلق کچھ احادیث ذکر کروں لیکن خوف طوالت سے اس مقام پر اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔ تفسیر برہان میں حضرت امیر المومنینؑ سے منقول ہے کہ جو مجھے چار خلیفوں میں سے چوتھا نہ کہے تو اس پر اللہ کی لعنت ہے حسن بن زید کہتا ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کی کہ آپ تو اس کے علاوہ کچھ اور فرماتے ہیں حضرت صادق نے جواب دیا کہ یہ حدیث درست ہے کیونکہ خداوند کریم نے اپنی پاک کتاب میں آدمؑ کو خلیفہ کہا پس وہ پہلا خلیفہ ہے اور داؤد کو بھی خلیفہ کہا پس وہ دوسرا خلیفہ ہے اور ہارون حضرت موسیٰ کا خلیفہ تھا وہ تیسرا ہے اور وہ محمد مصطفیٰ کے خلیفہ ہیں بنا بریں ان کا فرمان بجا ہے کہ میں خلفاء اربعہ میں سے چوتھا ہوں۔

maablib.org

حضرت آدمؑ کے سجدہ کا حکم اور ابلیس کا انکار

وَاِذْ قُلْنَا.. انسان کی ابتدائے خلقت کے ذکر کے بعد خداوند کریم نے ان پر اپنے احسانِ عظیم کا ذکر فرمایا ہے فرشتوں کو اس کے سامنے سجدہ کرنے کا حکم دیا چنانچہ ابلیس نے سجدہ کرنے کا انکار کیا اُسے بارگاہِ قرب سے نکال دیا اور اس کو ہمیشہ کے لئے مستحق لعنت قرار دیدیا۔

قرآن کے ظاہر سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سجدہ کا حکم تمام فرشتوں کو تھا جیسا کہ ایک اور مقام پر فرماتا ہے فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ یعنی پس سجدہ کیا تمام فرشتوں نے اور بعضوں نے کہا ہے کہ فرشتوں کے ایک گروہ کو حکم تھا جنہوں نے حق کی سرکوبی کی تھی اور ابلیس بھی ان میں بوجہ مصاحبت کے شامل تھا۔

نیز سجدہ میں بھی اختلاف ہے کہ سجدہ آدمؑ

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ اَبٰى

اور جب ہم نے حکم دیا فرشتوں کو کہ سجدہ کرو آدم کو پس سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس کہ اس نے انکار و

وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ۝٣٤ وَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ

تکبر کیا اور تھا کافروں میں سے اور ہم نے کہا اے آدم رہ تو

اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا

اور تیری بیوی جنت میں اور کھاؤ اس سے کھلا کھلا جہاں چاہو تم

وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝٣٥

اور نہ قریب جاؤ اس درخت کے ورنہ ہو جاؤ گے نقصان پانے والوں میں سے

فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ

پس پھسلا یا ان کو شیطان نے اس درخت کی وجہ سے پس ان کو نکلوایا اس سے کہ جس میں وہ تھے

وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ وَلَكُمْ فِى الْاَرْضِ

اور ہم نے کہا اترو درحالیکہ بعض تمہارا بعض کا دشمن ہوگا اور تمہارا زمین میں ٹھکانہ

مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ۝٣٦ فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ

اور نفع ہے ایک وقت تک کا پس حاصل کئے آدم نے اپنے رب سے چند کلمے

فَتَابَ عَلَيْهِ إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ۝ ٣٧ قُلْنَا اهْبِطُوا

پس ان کی بدولت (توبہ قبول کی اللہ نے اس کی وہ بہت توبہ قبول کرنیوالا مہربان ہے ہم نے کہا اتر جاؤ اس سے

مِنْهَا جَمِيعًا فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ مِنِّي هُدًى فَمَنْ

سب پس جب آئے گی میری طرف سے ہدایت تمہارے پاس تو جو پیروی کرے گا

تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝ ٣٨

میری ہدایت کی پس نہ خوف ہوگا ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ

اور وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور جھٹلایا ہماری آیات کو وہ

أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝ ٣٩ ع ٤

ساکنانِ جہنم ہوں گے درحالیکہ وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے

منزل

کا تھا اور اس سے اس کی تعظیم و اکرام مقصود تھی یا سجدہ، اللہ کا تھا اور آدمؑ کو صرف قبلہ بنایا گیا تھا۔ ائمہ اہلبیت سے مروی یہ ہے کہ سجدہ آدمؑ کا تھا اور تعظیمی سجدہ تھا اور اس کو علمائے امامیہ نے ملائکہ سے انبیاء کی افضلیت کی دلیل قرار دیا ہے۔ مجمع البیان۔ نیز یہ بھی مروی ہے کہ سجدہ اللہ کا تھا اور آدمؑ قبلہ تھا (برہان)

نیز اس میں بھی اختلاف ہے کہ کیا ابلیس فرشتہ تھا یا نہیں۔ شیخ ابوجعفر طوسیؒ کا مسلک یہی ہے کہ وہ فرشتہ تھا اور شیخ مفید فرماتے ہیں کہ وہ جن تھا اور اکثر علمائے امامیہ کا یہی مذہب ہے کہ وہ قوم جن سے تھا اور متواتر روایات اسی پر دلالت کرتی ہیں گو بعض روایات میں پہلے قول کی تائید بھی موجود ہے ابن عباس اور ابن مسعود سے بھی پہلا قول منقول ہے جو اس کے فرشتہ ہونے کے قائل ہیں بعض کہتے ہیں کہ وہ خازنِ جنت تھا۔ بعض کے نزدیک آسمانِ دنیا اور زمین کا حکمران تھا۔ (از مجمع البیان)

دوسرا قول یعنی ابلیس کا جن ہونا زیادہ قوی معلوم ہوتا ہے اور علامہ طبرسی نے بھی اس کو مختار فرمایا ہے جس کی متعدد دلیلیں دی گئیں ہیں۔

۱۔ قرآن میں ایک مقام پر ارشاد ہے كَانَ مِنَ الْجِنِّ یعنی ابلیس قوم جن سے تھا۔

۲۔ قرآن میں فرشتوں کے متعلق ارشاد ہے کہ وہ اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے بلکہ وہی کرتے ہیں جو اُن کو حکم ہوتا ہے یعنی وہ معصوم مخلوق ہے۔ پس اگر ابلیس فرشتہ ہوتا تو اس سے نافرمانی ناممکن تھی اور چونکہ نافرمانی اس سے صادر ہے پس معلوم ہوا کہ وہ فرشتہ نہیں تھا۔

۳۔ ابلیس صاحب اولاد ہے کیونکہ قرآن میں ارشاد ہے۔ اے انسانو! ابلیس اور اس کی اولاد کو اپنا دوست نہ بناؤ اور فرشتوں میں سلسلہ تناسل نہیں ہے پس معلوم ہوا کہ وہ فرشتہ نہیں تھا۔

۴۔ روایات آئمہ میں اس کے فرشتہ ہونے کی صاف طور پر تردید ہے۔ چنانچہ جمیل بن دراج سے منقول ہے کہ میں نے حضرت صادق علیہ السلام سے دریافت کیا کہ کیا ابلیس فرشتہ تھا یا بعض آسمانی معاملات اس کے سپرد تھے۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ نہ فرشتہ تھا اور نہ آسمانی معاملات اس کے سپرد تھے۔ تھا جن۔ لیکن فرشتوں کی صحبت میں رہتا تھا جس کی وجہ سے فرشتوں نے سمجھا تھا کہ یہ ہم میں سے ہے حالانکہ خدا جانتا تھا کہ یہ ان میں سے نہیں ہے پس جب آدمؑ کے سجدہ کا حکم ہوا تو اس سے وہی ہوا جو ہوا۔

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ وہ فرشتہ تھا وہ یہ دلیل بیان کرتے ہیں کہ اگر فرشتہ نہ ہوتا تو حکم سجود میں شامل نہ ہوتا۔ لہٰذا سجدہ نہ کرنے سے اُسے کافر و مستحق لعنت نہ قرار دیا جاتا تو اس کا جواب یہ ہے کہ فرشتوں کے ساتھ اس کو بھی سجدہ کا حکم تھا جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے کہ مَا مَنَعَكَ اَنْ لَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ (ترجمہ) تجھے سجدہ سے کس چیز نے روکا ہے جب کہ میں نے تجھے حکم دیا تھا معلوم ہوا کہ یہ حکم صرف فرشتوں کے لیے مخصوص نہ تھا بلکہ ابلیس کو بھی سجدہ کا حکم تھا۔ اور خود ابلیس نے بھی اس کی تردید نہیں کی ورنہ اگر اس کو امر نہ ہوتا تو عذر کر سکتا تھا کہ تو نے تو صرف فرشتوں کو حکم دیا تھا لہٰذا میں اس حکم میں شریک نہ تھا بلکہ اس نے جواب میں کہا کہ میں آدم سے افضل ہوں کیونکہ وہ مٹی سے پیدا ہوا ہے اور میں آگ سے پیدا ہوا ہوں یعنی ابلیس یہ تسلیم کرتا ہے کہ مجھے حکم ضرور تھا لہٰذا سجدہ سے انکار کی وجہ اس نے صرف اپنے تکبر کو قرار دیا اور اس کے حکم میں داخل ہونے کی مثال یوں سمجھئے کہ جس طرح ایک شہر والوں کو حکم دیا جائے کہ تم فلاں مقام پر اکٹھے ہو جاؤ اور اتفاقاً عارضی سکونت کی صورت میں وہاں کوئی اجنبی انسان بھی قیام پذیر ہو تو عرفاً اس حکم میں وہ بھی شامل ہوتا ہے اسی طرح ابلیس کی رہائش چونکہ ملائکہ کے ساتھ تھی حتیٰ کہ ملائکہ اس کو اپنے میں سے سمجھتے تھے لہٰذا حکم اکثریت کے ضمن میں اس کو بھی شامل تھا۔

نیز جو لوگ اسکو فرشتہ کہتے ہیں بعض کہتے ہیں اس کا نام عزازیل تھا اور جن فرشتوں کی رہائش زمین پر تھی۔ ان سب کو جن کہا جاتا تھا جب اس نے آدم کے سجدہ سے انکار کیا تو کافر ہو گیا اور اس کا نام ابلیس و شیطان رکھ دیا گیا۔

بہر کیف آدم کے سجدہ کے حکم میں شامل تھا اور تکبر و انکار کرنے کی وجہ سے مردود ہو گیا اور جو لوگ خیر و شر ہر دو کو اللہ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ ان آیات سے ان کی تردید موجود ہے کیونکہ اگر اللہ نے اس سے نافرمانی کرانی ہوتی تو اس کو انکار کے بعد مستحق لعنت نہ قرار دیتا۔ نیز ابلیس نے بھی اپنے انکار و نافرمانی کو اللہ کی طرف منسوب کیا ہے

چنانچہ کہا ہے بِمَا اَغْوَيْتَنِيْ یعنی تو نے مجھے گمراہ کیا ہے پس معلوم ہوا کہ گمراہی کو اللہ کی طرف منسوب کرنا۔ ابلیس کا پڑھایا ہوا سبق ہے۔

تفسیر برہان میں ایک طویل روایت کے ذیل میں حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے مروی ہے کہ حضرت آدمؑ کو مٹی سے خلق فرمایا تو چالیس برس تک اس کا مجسمہ بغیر نفخ روح کے پڑا رہا جب بھی ابلیس لعین کا ادھر سے گذر ہوتا تھا تو کہتا تھا کہ کسی اہم معاملہ کے لئے تجھے پیدا کیا گیا ہے۔ اور معصوم فرماتے ہیں کہ اس نے یہ بھی کہا تھا کہ اگر اللہ نے مجھے تیرے سجدہ کا حکم دیا تو اس بارہ میں میں ضرور نافرمانی کروں گا۔ پس جب آدمؑ کے جسد میں نفخ روح ہوئی تو روح جب دماغ میں پہنچی تو آدم نے چھینک لی اور زبان سے الحمد للہ کا کلمہ جاری کیا، اللہ کی طرف سے یرحمک اللہ کا جواب ملا حضرت صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ کی رحمت اس کو پہلے پہنچ گئی پھر اللہ نے ملائکہ کو آدم کے سجدہ کا حکم دیا تو سوائے ابلیس کے سب نے سجدہ کیا۔ اور ابلیس نے اپنے دل کا حسد ظاہر کر دیا اور سجدہ سے انکار کر دیا پس ارشادِ خالق ہوا کہ تو نے میرے امر کے باوجود کیوں سجدہ نہ کیا؟ تو جواب دیا کہ میں اس سے بہتر ہوں کیونکہ تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور اس کو مٹی سے خلق کیا ہے حضرت صادقؑ فرماتے ہیں کہ مخلوق میں پہلا قیاس کرنے والا ابلیس ہے اور اس نے تکبر کیا اور خدا کی پہلی نافرمانی تکبر ہی سے شروع ہوئی۔ آپ فرماتے ہیں کہ ابلیس نے عرض کی میرے اللہ! آدم کے سجدہ سے مجھے معاف رکھ تو میں تیری ایسی عبادت کروں گا کہ ملک مقرب اور نبی مرسل سے ایسی عبادت نہ ہوگی پس اللہ نے فرمایا کہ میں تیری عبادت کا محتاج نہیں ہوں میں اپنی وہ عبادت چاہتا ہوں جو میری منشاء کے مطابق ہو نہ وہ عبادت جو تیری منشاء کے موافق ہو پس اس نے اپنے انکار کو بحال رکھا تو ارشادِ خداوندی ہوا نکل جا میری بارگاہ سے تو راندہ ہوا ہے اور تیرے اوپر میری قیامت تک لعنت ہے۔ ابلیس نے عرض کیا یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ حالانکہ تو عادل ہے۔ تیرے پاس جور و ظلم نہیں ہے کیا میرے سابقہ اعمال کی جزا باطل ہو گی؟ اللہ نے فرمایا کہ نہیں بلکہ امور دنیا میں سے جو تیرا جی چاہے اپنے اعمال کے بدلہ میں مجھ سے مانگ لے پس اس نے پہلا سوال کیا کہ مجھے یوم الدین تک کی زندگی عطا کر پس اللہ نے فرمایا کہ میں نے تجھے عطا کر دی اس نے کہا مجھے اولادِ آدم پر قابو دے فرمایا یہ بھی دے دیا۔ اس نے عرض کی مجھے ان کے رگ و ریشہ میں گھسنے کی توفیق دے۔ فرمایا یہ بھی تجھے دیدیا۔ اس نے کہا آدم کی اولاد میں سے ایک کے بدلہ میں مجھے دو دو فرزند عطا کر اور میں ان کو دیکھوں اور وہ مجھے نہ دیکھیں اور میں ان کے سامنے ہر شکل میں آسکوں اللہ نے فرمایا یہ بھی تجھے دیدیا اس نے عرض کی کچھ اور بھی دے تو اللہ نے فرمایا تیرا اور تیری اولاد کا اولادِ آدم کے سینوں میں دخل ہے تو ابلیس نے کہا کہ بس اتنا کافی ہے اور اس وقت ابلیس نے کہا کہ تیری عزت کی قسم سوائے تیرے مخلصین بندوں کے

تمام کو گمراہ کر دوں گا اور ان کے پاس، سامنے پیچھے، دائیں اور بائیں سے حاضر ہوں گا پس اکثر ان کے شکر گزار نہ ہوں گے۔ جیسا کہ فرماتا ہے قَبِعِزَّتِكَ لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ ثُمَّ لَآتِيَنَّهُمْ مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَمِنْ أَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَائِلِهِمْ وَلَا تَجِدُ أَكْثَرَهُمْ شَاكِرِينَ

بروایت زرارہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو یہ طاقت عطا کی۔ تو حضرت آدمؑ نے عرض کی اے رب! تو نے ابلیس کو میری اولاد پر مسلط کر دیا اور اس کو ان کے رگ و ریشہ میں مثل خون کے جاری ہونے کی قوت دی اور اس کے علاوہ جو کچھ تو نے اس کو دیا سو دیا۔ پس میرا اور میری اولاد کا کیا حال ہوگا پس خدا نے فرمایا تیرے اور تیری اولاد کے لئے یہ ہے کہ گناہ کریں گے تو ایک کا ایک ہی گنا کریں گے تو ایک کا بدلہ دس دوں گا حضرت آدمؑ نے عرض کی کچھ اور۔ اللہ نے فرمایا کہ ان کے لئے روح کے حلقوم تک پہنچنے تک توبہ کا دروازہ کھلا ہوگا حضرت آدمؑ نے عرض کی اے رب! کچھ اور بھی! تو اللہ نے فرمایا میں ان کے گناہ بخشوں گا۔ اور مجھے اس کی پرواہ نہیں ہے۔ تب حضرت آدمؑ نے عرض کی بس مجھے کافی ہے۔ زرارہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کی میں آپ پر فدا ہوں۔ ابلیس کس وجہ سے عطیۂ خداوندی کا اس قدر حقدار ہوا تھا؟ آپ نے فرمایا کہ اس کی ایک نیکی تھی جس کا خدا نے بدلہ دیا۔ میں نے عرض کی میں آپ پر فدا ہوں وہ کونسی نیکی تھی جو ابلیس سے ہوئی؟ آپ نے فرمایا اس نے آسمان میں دو رکعت نماز پڑھی تھی جس پر چار ہزار برس صرف کئے تھے۔

تفسیر برہان میں حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے مروی ہے کہ جب جناب رسالت مآبؐ نے خواب میں بنی عدی اور بنی امیہ کو اپنے منبر پر سوار پایا اور اس سے گھبرا گئے۔ پس خداوند کریم نے ان کو تسلی دی وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ الخ۔ پھر وحی ہوئی اے محمدؐ میں نے حکم دیا تھا پس میری اطاعت نہ کی گئی تھی پس تو بھی گھبرا نہیں کہ تو امر کرے اور اپنے وصی کے معاملہ میں تیری اطاعت نہ کی جائے۔

درس عبرت:۔ خداوند کریم نے جس طرح حضرت آدمؑ کی خلقت کا ذکر اور ملائکہ کے سجود کا واقعہ ہمارے اوپر اپنے فیض عمیم اور احسان عظیم کے یاد دلانے کی خاطر پیش فرما کر اپنی عبودیت کی دعوت دی اور شیطان کی پیروی سے روکنے کے لئے ہماری رگ حمیت کو حرکت دی اور واضح کیا کہ وہ وہ ہے جس نے ابتداء سے تمہارے بابا کیساتھ یہ برتاؤ کیا کیا پھر بھی تم اسی آبائی دشمن کے دھوکے میں آکر اپنے محسن سے روگردانی کرتے ہو۔ اسی طرح اس امر پر بھی متنبہ فرمایا کہ میری عبادت وہ ہے جو میرے حکم اور منشاء کے موافق ہو کسی کی اپنی عبادت جو منشاء ایزدی کے خلاف ہو وہ ہرگز قابل قبول نہیں ہو سکتی اور وہ صرف وہی عبادت ہے جو اللہ کا بھیجا ہوا رسول سکھائے یا اس کے چلے جانے کے

بعد اس کے صحیح قائم مقام اس کا طریقہ تعلیم فرمائیں ورنہ ہر من گھڑت عبادت قطعاً شرف قبولیت کو نہیں پہنچ سکتی۔ اور شیطان سجدہ کا منکر نہیں تھا۔ صرف اللہ کے فرماتے ہوئے طریقہ پر سجدہ کرنے کے خلاف تھا جس سے مقصود خلیفۃ اللہ کی نافرمانی تھی معلوم ہوا کہ خلیفۃ اللہ کی تعظیم کا انکار یا اس کی نافرمانی ہزاروں برس کی عبادت پر پانی پھیر دیتی ہے۔ اور نوری مخلوق کے مدتوں کے ساتھی کو ابلیس و مردود بنا دیا کرتی ہے۔ لیکن یہ یاد رہے کہ وہ سجدہ کا انکاری نہ تھا۔ عبادت کا منکر نہ تھا۔ اس لئے خدا نے اس کو مشرک نہیں کہا بلکہ کافر کہا ہے اور نماز ترک کرنے والوں کو خدا نے قرآن میں مشرک کہا ہے فرماتا ہے۔ اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَلَا تَکُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ۔ (ترجمہ) نماز قائم کرو اور مشرک نہ بنو۔

پس مسلمانوں کو خصوصاً شیعہ کو اس واقعہ سے عبرت حاصل کر کے نماز جیسے فریضہ کی اہمیت کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے۔

MAAB 1431
مرکز احیاء آثار برّ
maablib.org

حضرت آدمؑ کا جنّت سے خروج

تفسیر برہان میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے متعدد روایات میں ہے کہ جس جنّت میں حضرت آدمؑ کو ٹھہرایا گیا تھا۔ وہ جنّت آخرت نہیں تھی بلکہ جنّت دنیا تھی جس میں شمس و قمر طلوع کرتے تھے۔ اگر جنت آخرت ہوتی تو اس سے قطعاً نہ نکلتے۔

بعض نے کہا ہے کہ یہ جنت الخلد تھی اور چونکہ جزاء و ثواب کے طور پر آدمؑ کی اسمیں رہائش نہ تھی اس لئے اس کا اس سے نکل جانا موجب حرج نہیں۔ جہاں جنّت کی یہ تعریف ہے کہ اس میں رہنے والے ہمیشہ اس میں رہیں گے اور کبھی نکالے نہ جائیں گے۔ وہ اس صورت میں ہے کہ جب جنّت میں دخول بطور جزاء و ثواب کے ہو۔

بعضوں نے کہا ہے کہ وہ جنّت نہ جنّت الخلد تھی اور نہ جنت زمین بلکہ مخصوص آدم علیہ السلام کی ابتدائی رہائش کیلئے آسمان پر علیحدہ بنادی گئی۔

بہرکیف دیکھنا یہ ہے کہ حضرت آدمؑ کا اس جنت سے نکالا جانا اُن کی عصمت کے منافی ہے یا نہیں؟ تو چونکہ ادلّہ قطعیہ سے تمام انبیاء کی عصمت ثابت ہے اور فرقۂ حقہ شیعہ اثنا عشریہ کے عقیدہ کی بنا پر تو انبیاء میں قبل بعثت و بعد بعثت کا بھی فرق نہیں اور نہ صغیرہ و کبیرہ کا فرق ہے۔ بلکہ انبیاء سے کسی وقت بھی کوئی گناہ صادر ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ گناہ کا صادر ہونا قبیح ہے اور انبیاء ارتکاب قبیح سے پاک ہیں کیونکہ جو بھی کسی وقت خود قبیح کا مرتکب ہو کسی دوسرے کو قبیح سے روک نہیں سکتا اور انبیاء کا عہدہ چونکہ تبلیغ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے لہٰذا ناممکن ہے کہ وہ خود تارک معروف یا فاعل منکر ہوں انبیاء کی عصمت کے اثبات میں علمائے امامیہ نے مستقل کتابیں لکھی ہیں جن میں عقلی و نقلی دلائل سے اس مطلب کو ثابت کیا ہے ہم نے بھی چند ایک دلیلیں کتاب کی جلد اوّل یعنی مقدمہ میں ذکر کردی ہیں۔ پس جب ثابت ہے کہ انبیاء سے گناہ سرزد ہو ہی نہیں سکتا تو پھر قرآن مجید میں اس قسم کے الفاظ جو ظاہری صورت میں منافی عصمت انبیاء ہوں ان کی تاویل ضروری ہے۔ البتہ جو لوگ انبیاء کی عصمت کے قائل نہیں وہ ان ظاہر الفاظ کو اپنی دلیل بناتے ہیں اَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ

اس میں شک نہیں کہ جس جنّت میں حضرت آدمؑ کو رہائش دی گئی وہ حضرت آدمؑ کے لئے نہ دار الجزاء تھی اور نہ دار العمل تھی۔ دار الجزاء تو اس لئے نہیں تھی کہ جزاء عمل کے بعد ہوتی ہے لہٰذا عمل سے قبل جزاء کا ہونا خلاف عقل ہے اور دار العمل

کی نہیں تھی جس کی کئی وجہیں ہیں۔

۱۔ خداوند کریم نے حضرت آدمؑ کو پیدا زمین کی خلافت کے لئے کیا تھا جب کہ فرشتوں سے خطاب ہوا اِنِّی جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً۔ اس سے صاف معلوم ہے کہ ان کا دارالعمل زمین کو قرار دیا گیا تھا اور ایک وقتی مصلحت کے ماتحت ان کو اس جنت میں رکھا گیا۔ خواہ وہ آسمان پر ہو یا جنت الخلد ہو یا جنت الارض بھی اگرچہ ہو۔ بہرکیف وہ زمین جو آدمؑ کیلئے دارالعمل ہے اس ماحول کے ماسوا تھی۔

۲۔ ملائکہ نے کہا تھا کہ تو زمین میں اس کو خلیفہ بناتا ہے جو زمین میں فساد و خونریزی کرے گا۔ اس سے بھی صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آدمؑ کے لئے زمین دارالعمل تھی

۳۔ ارشاد خداوندی ہوا کہ تم یہاں سے چلے جاؤ اور تمہارا ٹھکانہ (رہائش گاہ) زمین ہے اور اس کے بعد فرمایا کہ جب تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت پہنچے تو جو اتباع کرلیں گے تو خوف و حزن اُن پر نہ ہوگا اور جو کفر کریں گے اور میری آیات کو جھٹلائیں گے۔ وہ اصحاب نار ہوں گے اور اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ پس یہ آیت صاف طور پر پکار کر کہہ رہی ہے کہ آدمؑ کے وہاں سے چلے جانے کے بعد اطاعت و عصیان کا قصہ شروع ہوا اور دارالعمل میں اس جنت سے نیچے اور جزا و سزا ابدی کا اپنے اعمال سے استحقاق یہاں پہنچنے کے بعد شروع ہوا۔

پس جب یہ معلوم ہوگیا کہ حضرت آدمؑ کی جنت، دارالعمل میں پہنچنے سے پہلے ایک عارضی قیام گاہ تھی اور آدمؑ کو وہاں ٹھہرانے کا مقصد شاید یہ ہو کہ ابتدائی طور پر تنہا اُجاڑ و ویرانے میں بمقتضائے بشریت آدمؑ کو وحشت نہ ہو لہٰذا کچھ وقت اس سرسبز و شاداب پُرکیف و پُرلطف ماحول میں پہلے بسر کرلیں۔ جانا تو بہرحال تھا ہی۔ لیکن انسانی تمدن کے نشیب و فراز ذات رب العزت نے اپنے حکیمانہ انداز سے تدریجی قرار دیئے ہیں اور انسان کی فطرت کو ایسے سانچے میں اس نے ڈھالا ہے کہ یکبارگی و فعی انقلاب انسان پر بار خاطر ہوا کرتا ہے اور انسان کی شرعی زندگی کا ارتقاء بھی اس حکیم مطلق نے تدریجی منظر کیا ہے مثال کے طور پر جب جناب رسالتمآبؐ مبعوث برسالت ہوئے تو جملہ احکام شرعیہ کی بجاآوری اسی وقت سے واجب تھی لیکن پہلے اعلان میں حضورؐ نے صرف اسی ایک کلمہ کو معیار نجات بیان فرمایا کہ قُوْلُوْا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ تُفْلِحُوْا یعنی کلمہ لا الٰہ زبان پہ جاری کرلو بس اسی میں تمہاری نجات ہے پھر کچھ وقت کے بعد نماز کے فریضہ کا حکم سنایا پھر ایک عرصہ کے بعد روزہ کا وجوب بیان فرمایا وعلیٰ ہذا القیاس تئیس برس تک تدریجاً جملہ احکام اسلامیہ بیان فرمائے جن کے آخر میں کلمہ ولایت کا اقرار تھا جس کو حجۃ الوداع سے واپسی پر مقام غدیر پر اعلان کرکے سنایا بلکہ جناب رسالتمآبؐ کو چالیس برس تک خاموش رکھنا بھی اسی مصلحت کے ماتحت تھا ورنہ انسان کی غرض خلقت پہلے دن سے ہی عبادت کرنا ہے جیسے فرماتا ہے

مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ پ ۲۷ یعنی جنوں اور انسانوں کو میں نے پیدا ہی عبادت کے لئے کیا ہے لیکن چونکہ انسان کی فطرت ہی اس نے ایسی قرار دی ہے کہ وہ تدریجاً قدم بڑھائیں لہٰذا اس نے احکام کا سلسلہ بھی تدریجاً مقرر کیا ہے اور تمام انبیاء کی بعثت کا اپنے اپنے مقام پر یہی حال ہے۔ تو امن مقام پر بھی بعید نہیں بلکہ عین مقتضائے عقل ہے کہ انسان اوّل یعنی حضرت آدم علیہ السلام کو چونکہ جملہ خواص ولوازم بشریت عطا فرما کر خلق فرمایا تھا لہٰذا ان کی دینی و دنیاوی زندگی کو اسی فطرت کے ماتحت قرار دے کر تدریجی اقدام کا سلسلہ جاری فرمایا ہو۔ تاکہ ایک طرف تو وہ گل و گلزار کی تازہ بہار میں کچھ وقت گزار کر اگلی منزل کے لئے تیار ہو جائیں جو ان کے لئے دار العمل اور دار الخلافت تھی اور دوسری طرف شیطان کی دشمنی کے انداز سے بھی عملی طور پر تجربہ کر لیں کہ وہ بدبخت کس کس حیلے و بہانے سے انسان کو اپنے دام تزویر میں پھنسانے کی کوشش کرتا ہے اور نعماتِ جنت سے محروم کرنے کے لئے انسان کو کیسے سبز باغ دکھا کر بھٹکانے کے درپے ہوتا ہے تاکہ دار العمل میں پہنچ کر اپنی اولاد کو اس کی مکاریوں اور فریب کاریوں سے پوری طرح آگاہ کر کے جادۂ شریعت پر گامزن کریں اور صراطِ مستقیم پر سیدھا چلنے کی انکو تلقین کریں اور شیطان چونکہ ظاہری جسم بن کر تو گمراہ کرنے کے لئے آتا نہیں بلکہ اس نے بنی آدمؑ کے رگ و ریشہ میں گھسنے اور وساوس میں مبتلا کرنے کی طاقت پہلے سے طلب کر لی تھی اور اب دار العمل (زمین) پر پہنچ کر حضرت آدمؑ جب اپنی اولاد کو مقام تبلیغ میں فرماتے کہ خبردار شیطان کی مکاریوں اور حیلہ سازیوں سے بچ کر رہنا وہ میرا اور تمہارا دشمن ہے کہیں تم کو صراطِ حق سے بھٹکا نہ دے تم کو راہِ جنت سے ہٹا نہ دے تو اب ان کو دریافت کرنے کا حق تھا کہ وہ کیسے بھٹکاتا ہے۔ یا یہ کہ وہ دشمنی کیسے کرتا ہے؟ حضرت آدمؑ دشمنی کی وضاحت تو فرماتے کہ اس نے میرا سجدہ نہیں کیا تھا لیکن بھٹکانا کیسے سمجھائے؟ صرف یہی فرماتے کہ وہ وسوسے ڈالتا ہے۔ پھر اولاد پوچھتی اس کے وسوسے کیسے ہوا کرتے ہیں؟

یہ تھی انسانی زندگی کی ابتدائی منزل۔ ان کا فریضہ تھا کہ اولاد کو ہر نکتہ سمجھاتے اور شیطان کے طرزِ عمل سے پوری طرح آگاہ کرتے۔ ان کے لئے قطعاً یہ جواب ناکافی تھا کہ بس وہ وسوسے ڈال کر گمراہ کرتا ہے۔ کیونکہ وہ مدرسۂ اسلامیہ کی پہلی جماعت تھی اور اس مکتبۂ شرعیہ میں ان کے سوالات پہلی جماعت کے سوالات کی طرح ہونے چاہیئے تھے۔

خداوند کریم کو علم تھا کہ ابلیس حضرت آدمؑ کے ساتھ شرارتیں کرنے سے باز نہ آئے گا اور وہ اپنے حسد کی بھڑاس نکالے گا۔ پس آدم علیہ السلام کو اس جنت میں جو ان کی رہائش گاہ تھی (مدت رہائش کا حضرت آدم کو علم نہیں دیا گیا تھا وہ صرف اللہ کو معلوم تھی) ایک مخصوص درخت کے قریب جانے سے روک دیا یعنی اس باغ میں جو جی چاہے کھاؤ لیکن صرف اس درخت کے قریب نہ جانا ورنہ تمہیں خسارہ ہوگا۔ (اور وہ خسارہ یہ تھا کہ اس کے بعد فوراً اس جنت سے نکل کر اپنے دار العمل یعنی زمین میں رہائش اختیار کرنی ہوگی اور اس خسارہ کا علم بھی حضرت آدمؑ کو نہیں دیا گیا تھا) یہ فرمایا کہ تمہیں خسارہ ہوگا۔ لیکن یہ نہ بتایا کہ وہ خسارہ کس نوعیت

سے ہوگا۔ ظلم کا معنی خسارہ ہوا کرتا ہے)۔

ابلیس کو یہ بھی معلوم تھا کہ دار العمل میں پہنچنے کے بعد حضرت آدمؑ پر میرا داؤ نہیں چل سکے گا۔ کیونکہ وہ نبی ہے اور یہ اقرار بھی کر چکا تھا کہ سب کو گمراہ کر دوں گا سوائے مخلصین کے۔ اور حضرت آدمؑ کے مخلص ہونے کا اس کو پتہ تھا۔ پس اس نے یہ موقع غنیمت سمجھا اور اپنے حسد کی بھڑاس نکالنے کے لئے آگے بڑھا۔ اب یہ معلوم کرنا کہ وہ کس طریقہ سے وہاں تک پہنچا، اس کا کوئی خاص فائدہ نہیں۔ بہرکیف پہنچا ضرور۔ پس حضرت آدم سے یوں خطاب کیا کہ خدا نے تم کو اس درخت سے نہیں روکا مگر اس لئے کہ اس کے استعمال سے تم فرشتے بن جاؤ گے۔ قرآنی الفاظ یہ ہیں مَا نَهٰىكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ (ترجمہ) خدا نے تمہیں اس درخت سے نہیں روکا مگر اس لئے کہ تم فرشتے بن جاؤ گے۔ پس شیطان نے یہ لفظ استعمال کر کے شائد فوراً محسوس کر لیا کہ میرا یہ طرز بیان کچا ہے اور بے اثر ہے۔ کیونکہ جس شخص کے سامنے ملائکہ سربسجود رہے ہوں اس کو ملک بننے کا طمع دینا سراسر بے معنی ہے۔ یہ تو ایسا ہے جیسا ایک ڈی سی کو کہا جائے کہ فلاں کام کر کیونکہ تجھے تحصیلدار کر دیا جائے گا۔ شیطان چالاک و ہوشیار تو تھا ہی وہ اپنی غلطی کو بھانپ کر فوراً آگے بڑھا اور کہا۔ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ ممکن ہے کہ او اغراض کے لئے ہو یعنی تمکو اس درخت سے اس لئے روکا گیا ہے کہ تم اس کے استعمال سے یہاں ہمیشہ رہنے والے ہو جاؤ گے۔ یعنی جب تک تمہاری زندگی ہے اسی باغ و بہار میں گذارو گے اور اجاڑ و غیر آباد زمین پر تمہیں نہ جانا پڑے گا۔ یعنی تمہاری دار العمل اور دار الخلافت زمین یہی ہو جائے گی

ابلیس کے اس قول سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آدمؑ کی جنت اسی زمین پر تھی جیسا کہ ابتدائے بیان میں آئمہ اہلبیت کی روایات میں ہے ورنہ اگر جنت الخلد یا جنت آسمانی ہوتی جیسا کہ بعض نے کہا ہے۔ تو ابلیس آدمؑ کو دھوکا دینے کے لئے یہ بات بھی نہ کہتا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ آدمؑ کو زمین کی خلافت کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ اور آدمؑ کو بھی معلوم تھا کہ میں زمین کی خلافت کے لئے نامزد ہوں تو بھلا ابلیس کے اس پلندے کو وہ کیسے مان سکتے تھے کہ اس درخت کے قریب جانے سے میں جنت الخلد یا جنت آسمانی میں ہمیشہ رہوں گا اور زمین پر نہ جاؤں گا۔ لیکن اگر وہ جنت روئے زمین پر ہو تو ابلیس کا یہ مکر چل سکتا تھا کہ اس درخت کا اثر یہ ہے کہ جو کھائے گا وہ اس میں ہمیشہ رہے گا۔ یعنی تا زندگی اسی میں بسر کرے گا یا یہ کہ اس پر موت نہ آئے گی۔ پھر اس مطلب پر ابلیس نے قسمیں کھائیں لیکن حضرت آدمؑ نے ایک نہ مانی اور فرمایا کہ جس چیز سے مجھے خدا نے منع فرمایا ہے میں اس کا قصد نہیں کرتا۔ پس بنا بریں مضمون روایت وہ حضرت حوّا کے پاس جا کر اپنے سابق طریق کو کارگر نہ سمجھتے ہوئے دوسرا رویہ اختیار کر لیا اور کہنے لگا اے حوّا! خدا نے تمہارے اوپر جس درخت کو حرام فرمایا تھا۔ اب اس نے تمہارے لئے مباح کر دیا ہے اب اس کے کھانے میں کوئی حرج نہیں رہی اور تجھے

بشارت ہو کہ اگر آدم سے پہلے تُو نے اس کو کھا لیا تو تُو اس پر حکمران ہوگی اور وہ تیرا ماتحت ہوگا۔ حضرت حوا بنی تو تھی نہیں۔ اور ابلیس نے بھی عورت کا مزاج دیکھ کر اس پر اس کے مزاج کے موافق مکر کا جال ڈالا کہ اس کے کھانے سے تو مرد کی سردار ہوگی اور اس درخت کا مباح ہو جانا بھی بتلایا۔ پس حضرت حوا نے بڑھ کر تناول کیا جب اس کے تناول کا اس پر کچھ اثر نہ ہوا تو حضرت آدمؑ سے آکر کہا کہ واقعی اس درخت کی حرمت خدا نے برطرف کر دی ہے اور اب وہ ہمارے لئے مباح ہے دیکھو میں نے تناول کیا ہے مجھ پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ آپ بھی تناول کریں اب وہ مباح ہے۔ روایت میں ہے کہ اب اباحت کا پیغام سُن کر حضرت حوا کے کہنے پر حضرت آدمؑ نے تناول کیا اور شیطان اس طریقہ سے ان کے پھسلانے میں کامیاب ہوا

پس اللہ کا حکم ہوا کہ تم اب زمین (دار العمل) میں چلے جاؤ اب تمہاری رہائش گاہ زمین ہوگی وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ تمہارا زمین میں ٹھکانہ اور ایک وقت تک نفع اٹھانا ہوگا اِهْبِطُوا صیغہ جمع کا ہے لیکن دو کے لئے اس کا استعمال ہو سکتا ہے ممکن ہے کہ ابلیس بھی اس خطاب میں داخل ہو جیسا کہ بعض روایت سے ثابت ہے اور بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ بھی اسی بات کا شاہد ہے کیونکہ صیغہ خطاب کا ہے اور اس وقت حضرت آدمؑ و حواؑ کا ابلیس دشمن تھا اور یہی بوقت خطاب موجود تھے اور یہ بھی ممکن ہے کہ ضمنی طور پر تمام اولاد آدم اس صیغہ میں داخل ہو اور انہی میں سے بعض کی بعض کے ساتھ دشمنی مراد ہو اور مقام جنت سے رخصت کرتے ہوئے۔ فرمایا کہ جاؤ زمین میں پھر میری طرف سے تمہارے پاس ہدایت یعنی احکام شریعت پہنچیں گے پس جو میری ہدایت کی اتباع کریں گے۔ ان پر کوئی خوف و حزن نہ ہوگا اور جو کفر و تکذیب کریں گے وہ اصحاب نار ہوں گے اور اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

خداوند کریم نے آدمؑ کو بھیجنا پہلے سے عہدہ خلافت دیکر زمین پر تھا لیکن عارضی طور پر ایک جنت میں رہائش دیکر ابلیس کی دشمنی سے عملی طور پر چونکہ متنبہ کرنا تھا۔ لہٰذا ابلیس کے اس مکر کو اُن کے جنت سے نکلنے کا سبب قرار دیدیا۔

پس آدمؑ کا اس زمین پر آنا بطور سزا نہیں تھا بلکہ یہ مقام تو ان کی پہلے سے رہائش گاہ قرار دی جا چکی تھی یہی اُن کا دار الخلافت اور دار العمل تھی اور اسکو خسارہ اس لئے کہا گیا کہ ایک تو اس سے شیطان اپنے حربہ کے استعمال کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اب اس دار العمل میں انبیاء پر نہ سہی لیکن غیر انبیاء پر اپنے داؤ پیچ کے استعمال کرنے میں اس کی جرأت بڑھ گئی اور اُسے اپنی حیلہ سازیوں میں کامیابی کی کافی ڈھارس مل گئی اور یہ بھی بڑا خسارہ ہے۔

اور دوسرے یہ کہ ظاہری طور پر باغ و بہار کو چھوڑ کر غیر آباد زمین کو نئے سرے سے آباد کرنے کی زحمت گوارا کرنی پڑی جو اس آسائش و آرام کے بعد یقیناً تکلیف دہ تھی۔

اور تیسرے ملائکہ کی تسبیح و تقدیس سے مانوسیت جو حاصل تھی اس سے ظاہری طور پر علیحدہ ہو گئے چنانچہ حضرت

آدمؑ نے اس چیز کا بہت احساس کیا جیسا کہ بعض روایات میں ہے۔

گویا حضرت آدم علیہ السلام کی جنّت میں رہائش اولادِ آدمؑ کی زمین کی رہائش کے لئے ایک پہلی تجربہ گاہ تھی یا یوں سمجھئے کہ جنّتِ آدمؑ اولادِ آدمؑ کی دنیاوی زندگی کے تفصیلی پروگرام کا ایک اجمالی خاکہ تھا اور ابلیس کی مکاریوں سے بچنے کے لئے وہاں ایک اس کی تلبیس کا نمونہ ظاہر کیا گیا اور وہاں اس کا نتیجہ اس جنّت سے خروج قرار دیا گیا۔ یعنی یہ قصّہ تمام بنی آدمؑ کے لئے جنّت الخلد کی نعمات حاصل کرنے کے لئے وساوس شیطانیہ سے اجتناب کرنے کا محرک و باعثِ عظیم ہے بلکہ تازیانۂ عبرت ہے جسطرح حضرت آدمؑ کی جنّت اس دنیا کی تفصیلی زندگی کا اجمال تھی۔ اسی طرح کل دنیاوی زندگی حیاتِ آخرت کا اجمال ہے۔ یعنی دنیا کے تمام امورِ خیر کی تفصیل جنّت الخلد ہے اور دنیا کے تمام آفات و مصائب و شرور کی تفصیل جہنّم ہے۔ وہ مقام اس آبادئ دنیا کی کھیتی تھا کیونکہ اس کا انجام یہی دنیا بنی اور دنیا آخرت کی کھیتی ہے اور اس کا انجام آخرت ہے خواہ جنّت خواہ جہنّم پس بمقتضائے بشریت وہاں حضرت آدمؑ کو ان باتوں کا تجربہ ہوا۔

۱۔ ابلیس راہِ راست سے بھٹکانے کے لئے ہر ممکن حیلہ و بہانہ تلاش کرتا ہے اور ایک نیکی سے ہٹانے کے لئے دوسری طرف زیادہ ثواب و خوشنودئ خدا کا لالچ دلاتا ہے تاکہ اس میں پھنسالے جیسا کہ حضرت آدمؑ کے سامنے کیا۔

۲۔ عورتوں کو گمراہ کرنے کے لئے عورتوں کے مزاج کے موافق پھندے ڈالتا ہے۔

۳۔ حلال گو زیادہ ہوں اور حرام کم ہوں لیکن شیطان اپنی مکاریوں سے صرف اسی حرام کے ارتکاب کی دعوت دیتا ہے جیسا کہ اس جنّت میں صرف ایک درخت سے منع تھی اور باقی سب مباح تھے لیکن ابلیس نے پھر اسی درخت کے استعمال کے لئے ہی سب فریب کاریاں برتیں۔

۴۔ عورت کی اطاعت بعض مراحل میں نقصان دہ ثابت ہوتی ہے جیسا کہ حضرت آدمؑ کو سابق واقعہ میں پیش آیا کہ انہوں نے ابلیس کے قول کو رد کر دیا تو جب حضرت حوّا پر ابلیس کا مکر و فریب کارگر ہوا تو حوا کے کہنے پر اور اس کے مباح ہونے کی خبر سن کر حضرت آدمؑ نے تناول فرمایا گویا انسان کے پھسلانے کے لئے ابلیس کے پاس عورت کے جذبات کو اپنی بات کی طرف مائل کرنے کا آخری حربہ ہے۔

پس یہ تھا دارالعمل کی زمین میں آنے سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کا تجرباتی کورس جسکو اجمالاً مقامِ جنّت میں حضرت آدمؑ نے عبور کیا اور پھر دارالعمل میں پہنچ کر اس کی تفصیل سے اپنی اولاد کو آگاہ فرمایا اور یہی طریقہ انسان کی ابتدائی منازل کیلئے جس پہ تدریجی ارتقاء موقوف تھا مصلحتِ خداوندی کے عین موافق تھا۔

سوال:۔ جو لوگ یہ کہتے کہ قبل از بعثت انبیاء سے گناہ سرزد ہو سکتا ہے اور آدم علیہ السلام کا یہ فعل بھی قبل

ازثبوت ہونا قرار دیتے ہیں۔ تو اس گذشتہ بیان سے انہیں کے قول کی تائید ہوتی ہے۔ حالانکہ شیعی عقیدہ کی رُو سے انبیاء معصوم ہیں۔ قبل از بعثت یا بعد بعثت اُن سے کبھی گناہ ہو ہی نہیں سکتا۔

جواب۔ واقعی یہ عقیدہ درست ہے۔ اور انبیاء سے گناہ کا سرزد ہونا کسی وقت بھی خواہ قبل بعثت خواہ بعد بعثت خواہ صغیرہ خواہ کبیرہ ناممکن ہے۔ لیکن گناہ وہ ہوتا ہے۔ جس کا نتیجہ نعماتِ آخرت سے محرومی اور درکاتِ جہنم میں گرفتاری ہو۔ بہرحال ایسی خطا جس کا نتیجہ زمین کے ایک حصّہ سے منتقل ہو کر دوسرے حصّہ میں جانا ہو جس کا اثر انجامِ اُخروی پر نہ پڑتا ہو۔ اُسے گناہ نہیں کہا جا سکتا۔

نیز حکم کی دو قسمیں ہوا کرتی ہیں۔ حکمِ مولوی۔ اور حکم ارشادی۔ حکم مولوی وہ ہوتا ہے جس کی خلاف ورزی میں خدا کی کسرِ شان ہو۔ اور حکمِ ارشادی وہ ہے جس کی خلاف ورزی مولا (حاکم) کی کسرِ شان کی موجب نہ ہو۔ جس طرح کوئی ڈاکٹر ایک تندرست انسان کو مشورہ دے کہ تم فلاں غذا نہ کھایا کرو۔ ورنہ اس کا انجام تمہارے لئے اچھا نہ ہوگا۔ پس اس انسان کا اس غذا کو استعمال کرنا ڈاکٹر کی کسرِ شان نہیں۔ بلکہ اس کا نفع یا نقصان خود اسی شخص کی طرف ہی عائد ہے۔ پس یہاں بھی ایسا ہی ہے۔ کہ خداوند کریم نے حضرت آدمؑ کو[۲] ارشاد کے طور پر فرمایا۔ کہ اس درخت کے قریب جانے میں تمہیں خسارہ ہوگا۔ اور درحقیقت اُس شجرہ کے قریب جانے یا تناول کرنے میں نہ حق اللہ کا تلف ہونا لازم آتا تھا۔ اور نہ حق الناس پر ڈاکہ تھا۔ لہٰذا حضرت آدمؑ کا اُس درخت کے قریب جانا یا تناول کرنا نہ گناہ صغیرہ ہے نہ کبیرہ۔ گویا یہ نہی تنزیہی تھی۔ تحریمی نہیں تھی۔ لہٰذا اس کا ارتکاب منافی عصمت آدمؑ نہیں تھا۔ اور خداوند کریم نے آدم کے اس فعل کو اس مقام جنت سے خروج کا موجب قرار دے دیا۔ تاکہ ایک طرف تو ابلیس کی مکاریوں کا عملی تجربہ ہو جائے۔ اور ساتھ ساتھ توبہ کی طرف عملی اقدام بھی ہو جائے۔ تاکہ دارالعمل کی زمین میں پہنچ کر فرائض تبلیغ کو تمام پہلوؤں سے ادا کر سکیں۔ یعنی اولاد پر شیطان کی حیلہ سازیوں کی وضاحت بھی کریں۔ ان کو گناہ کے بعد توبہ کا طریقہ بھی سکھلائیں۔ اور دنیا کے پہلے انسان کے لئے یہ عملی درس ضروری تھا۔

نیز اگر حضرت آدم علیہ السلام کا اُس درخت کو تناول کرنا نافرمانی اور گناہ ہوتا۔ تو جب انہوں نے توبہ کر لی اور توبہ منظور بھی ہو گئی۔ جیسا کہ خود ارشاد فرماتا ہے۔ فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ (ترجمہ) پس سیکھ لئے حضرت آدمؑ نے اپنے رب سے کلمات پس اللہ نے ان کی بدولت ان کی توبہ منظور فرمائی۔ کیونکہ وہ بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔ پس جس جرم کی پاداش میں انہیں جنّت سے نکالا گیا تھا۔ جب وہ جرم معاف کر دیا گیا۔ تو ان کو جنّت میں پھر پلٹا لیا جانا کیونکر یہ بات بالکل بے معنی ہے۔ کہ جرم معاف ہو جائے۔ اور سزا باقی رہے۔ چنانچہ توبہ کے قبول کر لینے کے بعد

---

[۲] ایک مخصوص درخت [illegible] منع فرمایا حضرت آدمؑ کو

فرماتا ہے قُلْنَا اهْبِطُوا مِنْهَا جَمِيعًا الآیۃ یعنی ہم نے کہا کہ یہاں سے چلے جاؤ اور اب تم عمل کے مقام پر جا رہے ہو۔ وہاں میری ہدایت پہنچے گی اس پر عمل کرنے والے خوف و غم قیامت سے محفوظ رہیں گے اور کفر و تکذیب کرنیوالے جہنم کی غذا ہوں گے اور اسمیں ہمیشہ رہیں گے۔ پس توبہ قبول ہو جانے کے بعد ان کا زمین میں بحال رکھنا اور دوبارہ جنت میں نہ بھیجنا اس امر کی واضح دلیل ہے کہ آدم کا زمین پر آنا بطور سزا کے نہیں تھا ورنہ جرم کی معافی سے یہ سزا برطرف ہو جاتی بلکہ زمین پر ان کا تشریف لانا ان کی ڈیوٹی تھی جسکے لئے خلق ہوئے تھے اور جنت کا مقام ایک عارضی رہائش گاہ تھی جو ذات احدیت نے اس نو وارد مہمان کے لئے مخصوص طور پر قرار دی تھی جہاں اسے ابلیس ابلیس اور طریقہ توبہ سے عملی طور پر آگاہ کرنا تھا جیسا کہ تدریجی ارتقاء کا تقاضا ہے۔ اور آئمہ اہلبیتؑ کی روایات میں ہے کہ حضرت آدمؑ علیہ السلام کا اس جنت میں قیام کا کل زمانہ چھ یا سات گھنٹے تھا جیسا کہ تفسیر برہان میں باختلاف منقول ہے۔

تحقیق شجرہ تفسیر برہان میں منقول ہے کہ عبدالسلام بن صالح ہروی کہتا ہے کہ میں نے امام رضا علیہ السلام سے دریافت کیا یا ابن رسول اللہ! فرمایئے وہ درخت کون تھا جس سے حضرت آدم و حوا علیہما السلام نے تناول کیا کیوں کہ لوگوں میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ گندم کا درخت تھا۔ بعض انگور کہتے ہیں اور بعض اس کو شجرۂ حسد بیان کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ سب درست ہیں۔ میں نے عرض کی پھر اس کا مطلب کیا ہے؟ فرمایا اے ابن صلت جنت کا درخت کئی قسموں کا پھل دے سکتا ہے۔ گندم کا درخت تھا لیکن اس میں انگور بھی لگ سکتے تھے۔ وہ مثل دنیا کے اشجار کے نہ تھا۔ اور جب آدمؑ کو اللہ نے ملائکہ کے سجدہ کا شرف مرحمت فرمایا اور داخلِ جنت کیا تو آدمؑ کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ اب مجھ سے افضل اور کون ہو سکتا ہے۔ پس اللہ کی جانب سے ندا پہنچی کہ سر بلند کر کے ساق عرش کی طرف نگاہ کر۔ پس آدمؑ نے ساق عرش پر دیکھا تو لکھا ہوا پایا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ عَلِيُّ بْنُ اَبِيْطَالِبٍ اَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَزَوْجَتُهٗ فَاطِمَةُ سَيِّدَةُ نِسَاءِ الْعَالَمِيْنَ وَالْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ سَيِّدَا شَبَابِ اَهْلِ الْجَنَّةِ۔

پس آدمؑ نے عرض کی اے میرے رب! یہ کون ہیں! پس ارشاد ہوا اے آدم! یہ تیری ذریت ہیں اور تجھ سے افضل ہیں اور میری تمام مخلوق سے افضل ہیں۔ اگر یہ نہ ہوتے تو میں نہ تجھ کو اور نہ جنت و نار کو اور نہ زمین و آسمان کو پیدا کرتا۔ خبردار ان کی طرف حسد کی نگاہ نہ اٹھانا (یعنی ان کی منزل کی تمنا نہ کرنا کیونکہ وہ انہی کے لئے مخصوص ہے) ورنہ میرے جوار سے یعنی اس مقام جنت سے نکالا جائے گا۔

پس حضرت آدمؑ نے نگاہِ حسد اٹھائی اور ان کی منزل کی تمنا کی۔ تب ابلیس نے اس درخت کے قریب جانے کی دعوت پیش کی الخ اور اس مضمون کی احادیث بکثرت موجود ہیں یعنی حضرت آدمؑ نے محمدؐ و آلِ محمدؐ کی منازل کا رشک کیا۔ اور رشک کرنا فعل حرام نہیں ہوتا۔

قبولِ توبہ حضرت آدمؑ

حضرت آدم علیہ السلام نے جن کلمات سے توبہ کی روایات میں ان کے الفاظ مختلف ہیں تفسیر عیاشی سے بروایت حضرت امام محمد باقر علیہ السلام جناب رسالتمآبؐ سے منقول ہے کہ دعا کے کلمات یہ تھے۔ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْلِیْ اِنَّكَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ بعض روایات حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ وہ کلمات یہ تھے سُبْحَانَكَ اَللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ رَبِّ اِنِّیْ عَمِلْتُ سُوْءً وَظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْلِیْ اِنَّكَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ اَللّٰهُمَّ اِنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَكَ وَبِحَمْدِكَ اِنِّیْ عَمِلْتُ سُوْءً وَظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْلِیْ اِنَّكَ اَنْتَ خَیْرُ الْغَافِرِیْنَ اَللّٰهُمَّ اِنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَكَ وَبِحَمْدِكَ اِنِّیْ عَمِلْتُ سُوْءً وَظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْلِیْ اِنَّكَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ان کے علاوہ دیگر روایات بھی ہیں۔ لیکن مقصد سب میں حمد و ثنا جناب باری تعالیٰ اور اس کے بعد اپنے قصور کا اعتراف اور طلب معافی ہے چنانچہ خود قرآن مجید ان کی دعا کے کلمات یہ بیان فرماتا ہے رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ۝

اس سے یہ خیال نہ کیا جائے کہ قرآن مجید کے الفاظ سے روایات کے الفاظ مختلف یا کم و بیش کیوں ہیں؟ کیونکہ قرآن مجید میں اکثر و بیشتر مطالب ایسے ہیں جو اجمالاً بیان ہوئے ہیں اور روایات میں ان کی تفصیل موجود ہے لہٰذا اس صورت میں قرآن مجید اور الفاظ روایات میں منافات نہیں بلکہ اجمال و تفصیل کا فرق ہے۔ نیز معصومینؑ سے نقل شدہ روایات کے الفاظ کا اختلاف بھی کوئی باہمی منافات نہیں رکھتا کیونکہ ممکن ہے کہ راویان حدیث میں سے کسی نے کلام کو پورا ضبط کر لیا۔ تو پورے الفاظ آگے چل کر نقل کر دیئے اور کسی کو پوری روایت یاد نہ رہی تو اس نے اس کا معنی نقل کر دیا۔ اسی وجہ سے ایک ہی روایت متعدد راویوں سے مختلف الفاظ میں نقل ہو جاتی ہے۔ یہ یاد رہے کہ حضرت آدمؑ نے جب توبہ کی تو اس توبہ کا طریقہ بھی خداوند کریم نے خود تعلیم فرمایا۔ جس طرح کہ خود قرآن مجید میں موجود ہے فَتَلَقّٰۤی اٰدَمُ مِنْ

رَبِّہٖ کَلِمٰتٍ یعنی آدمؑ نے اپنے رب سے کلمات سیکھے اور متواتر روایات آئمہ طاہرین علیہم السلام میں ہے کہ خمسہ نجباء یعنی حضرت محمد مصطفیٰؐ حضرت علیؑ جناب فاطمہؑ حضرت امام حسنؑ اور حضرت امام حسینؑ کو واسطہ دے کر دعا کی۔ چنانچہ شیخ کلینیؒ اور صدوقؒ سے مروی ہے جیسا کہ تفسیر برہان میں مذکور ہے۔ نیز ابن بابویہ سے مسنداً معتمر بن راشد سے منقول ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے سُنا کہ ایک دفعہ ایک یہودی حضرت رسالتمآبؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سامنے کھڑے ہو کر آنحضرتؐ پر نظر جما کر دیکھنے لگا۔ آنحضورؐ نے ارشاد فرمایا۔ اے یہودی! کیا چاہتا ہے؟ اس نے جواب میں عرض کی۔ حضور! مجھے فرمایئے کہ آپ افضل ہیں یا حضرت موسیٰ بن عمران جن سے خدا نے کلام فرمائی اور اس پر تورات اور عصا کو نازل کیا اور اس کے لئے دریا کو شق کیا اور بادل کا سایہ کیا؟ حضورؐ نے فرمایا انسان کے لئے اچھا نہیں کہ اپنی تعریف کرے لیکن میں اتنا کہتا ہوں کہ جب حضرت آدمؑ سے خطا سرزد ہوئی تو اس کی توبہ کے الفاظ یہ تھے اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ لِمَا غَفَرْتَ لِیْ پس خدا نے اس کو معاف کر دیا اور جب حضرت نوحؑ کشتی پر سوار ہوئے اور غرق کا خطرہ لاحق ہوا تو یہ کلمات کہے۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ اَنْ تُنَجِّیَنِیْ مِنَ الْغَرَقِ۔ یعنی میرے اللہ میں تجھ سے بحق محمد و آلِ محمد سوال کرتا ہوں کہ مجھے غرق سے نجات دے پس اللہ نے اس کو نجات دی اور حضرت ابراہیمؑ کو جب آگ میں پھینکا گیا تو انہوں نے وہی الفاظ دہرائے یعنی میرے اللہ میں تجھ سے محمدؐ و آلِ محمد کے واسطہ سے سوال کرتا ہوں کہ مجھے اس سے نجات دے پس اللہ نے آگ کو ٹھنڈا اور موجب سلامتی کر دیا اور جب حضرت موسیٰؑ نے اپنا عصا پھینکا اور دل میں ڈر محسوس کیا تو یہی کلمات کہے۔ اے اللہ میں تجھ سے بحق محمد و آلِ محمد سوال کرتا ہوں کہ مجھے بچا۔ پس ارشاد قدرت ہوا لَا تَخَفْ اِنَّکَ اَنْتَ الْاَعْلٰی پھر آپ نے فرمایا اے یہودی اگر موسیٰ مجھے پا لیتے اور میری نبوت پر ایمان نہ لاتے تو اس کو اپنا ایمان اور اپنی نبوت کچھ فائدہ نہ دیتی اے یہودی! میری ذریت سے مہدی ہوگا۔ کہ جب وہ ظاہر ہوگا تو اس کی مدد کے لئے عیسیٰ بن مریمؑ اتریں گے اور اس کو آگے کھڑا کر کے خود اس کے پیچھے نماز پڑھیں گے ابن شہر آشوب سے بروایت خصائص نظیری ابن عباس سے مروی ہے کہ حضرت آدمؑ نے خمسہ نجباء کے وسیلہ سے دعا مانگی اور یہ الفاظ کہے۔ یَا رَبِّ اَسْئَلُکَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ وَّعَلِیٍّ وَّفَاطِمَۃَ وَالْحَسَنِ وَالْحُسَیْنِ لِمَا غَفَرْتَ لِیْ پس خدا نے اس کی توبہ قبول کر لی اور یہی وہ کلمات ہیں جو حضرت آدمؑ نے اپنے پروردگار سے حاصل کئے جس کے متعلق قرآن میں ہے فَتَلَقّٰی اٰدَمُ مِنْ رَّبِّہٖ کَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَیْہِ۔ تفسیر برہان میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ پیدائش سے قبض روح تک حضرت آدم علیہ السلام کی کل ۹۳۰ برس تھی اور دفن مکہ میں ہوئے تھے۔ جس وقت حضرت آدمؑ کے جسد خاکی میں روح داخل کی گئی تو وہ جمعہ کا دن تھا اور زوال کے بعد روح ان کے جسم میں داخل ہوئی۔ اس کے بعد ان کی زوجہ پیدا ہوئی اور اسی دن داخل جنت ہوئے

کل چھ گھنٹے جنّت میں رہنے کے بعد ترکِ اولیٰ کی وجہ سے غروبِ شمس کے بعد جنّت سے باہر آگئے وہاں ایک رات بھی نہیں رہے۔

پس یہ تھا حضرت آدمؑ کے جنّت میں رہنے کا مطلب اور ترکِ اولیٰ کا واقعہ اور توبہ و قبول توبہ کا قصہ جس کو میں نے تفصیل سے عرض کر دیا۔ اس میں نہ حضرت آدمؑ کا گناہ ثابت ہوتا ہے نہ خلافِ عصمت و نبوّت کوئی شئے لازم آتی ہے۔ نہ منافیٔ عقل ہے اور نہ مخالفِ نقل۔ اسی کتاب کی جلد اوّل یعنی مقدمۂ تفسیر میں میں نے عصمتِ آدمؑ کے متعلق ایک دوسرا عقلی طریقہ اختیار کیا تھا لیکن یہ بیان اس بیان سے زیادہ واضح اور زیادہ موافقِ عقل و نقل ہے۔ اس میں معانی آیات کی بھی چنداں تاویل کی ضرورت نہیں رہتی اور مضامین روایات سے بھی اس کو کوئی تصادم نہیں بلکہ یہ بیان مضمون روایات کے مطابق ہے۔ واللہ اعلم۔

تنبیہ:۔ حضرت آدم علیہ السلام کی عصمت بلکہ تمام انبیاء طاہرین علیہم السلام کی عصمت میں کسی قسم کا شک و شبہ کرنا حرام و ناجائز ہے اور انبیاء کے متعلق گناہ کو منسوب کرنا خواہ گناہ صغیرہ ہو خواہ کبیرہ قبل از بعثت ہو یا بعد از بعثت منافیٔ ایمان ہے خداوند کریم نے انبیاء کو قرآن مجید میں مصطفیٰ مجتبیٰ اخیار مخلصین منعم علیہم اور صالحین وغیرہ کے پاکیزہ خطابات سے نوازا ہے اور جن کو خدا ان مقدس الفاظ سے ذکر فرمائے۔ ان کی عصمت پر اس سے زیادہ نقلی برہان اور کیا ہو سکتی ہے؟ اور یہ ناممکن ہے کہ خداوند کریم عہدۂ نبوّت کے لئے ایسے افراد کو انتخاب کرے جو خود گناہ سے اجتناب نہ کرتے ہوں کیونکہ خود گناہوں سے نہ بچ سکنے والا کسی دوسرے کے لئے بچاؤ کا قطعاً باعث ہو ہی نہیں سکتا اور جس شخص کا قول اپنے فعل کے خلاف ہو اس کی بات سُننے والوں کے دلوں میں گھر کر سکتی ہی نہیں پس ضروری ہے کہ خدا کی طرف سے عہدۂ نبوت پر فائز ہونے والا معصوم ہو دیگر چند عقلی ادلّہ و براہین کتاب کی جلد اول میں پیش کی جا چکی ہے۔

پس جب قرآن مجید میں انبیاء کی مصطفائی و مجتبائی کا کھلا اعلان موجود ہے جو ثبوتِ عصمتِ انبیاء کے لئے کافی و وافی ہے تو قرآن میں ایسے واقعات یا ایسے الفاظ جن سے انبیاء کی عصمت کے خلاف وہم پڑتا ہو وہ واجب التاویل ہیں میں نے بھی اپنے بیان میں تاویل ذکر کر دی ہے جو مضمونِ قرآن و حدیث کے موافق ہے اور غالباً اس واقعہ کی دوسری تاویلوں سے بہتر ہے۔

بعض لوگ ممکن ہے کہ اس کی تاویل سے عاجز آکر اصل واقعہ کا انکار کر کے اس کو ایک تمثیل قرار دے دیں اور کہیں کہ قرآن کی دوسری مثالوں کی طرح یہ بھی ایک مثال ہے اور دراصل واقعہ کچھ نہیں یا بعض لوگ اس کو عقل و وہم کی تعبیریں قرار دے دیں یعنی آدمؑ سے مراد عقل انسانی اور ابلیس سے مراد وہم انسانی ہے اور گویا قرآن پاک میں عقل و وہم کی

کشمکش کو حسّی مثال سے واضح کیا گیا ہے لیکن یہ صراحت قرآن و حدیث کے بالکل خلاف ہے۔ بعض لوگ حضرت آدمؑ کے متعلق قرآنی بیان کی صحیح تاویل تک دسترس نہ پانے کے باعث اصل واقعہ کا انکار اس طرح کرتے ہیں۔ کہ جملہ خطابات قرآنیہ کا رُخ اولادِ آدمؑ کی طرف ہے جیسا کہ "عصمتِ آدمؑ" کے مصنف نے کیا ہے میرے خیال میں اس قسم کے خیالات کا اظہار کوتاہ نہمی ہے کیونکہ جب قرآن مجید کی تصریحات اور آئمہ معصومینؑ کی روایات بحد تواتر واقعہ کو حضرت آدمؑ کی ذات سے مخصوص کرتی ہیں تو کسی مسلمان کو اس کا انکار کس طرح زیبا ہے؟ بے شک عصمت انبیاءؑ کے منافی الفاظ کی تاویل کرنا ضروری ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اصل واقعہ جو قرآن و حدیث کی رُو سے مُسلّم طور پر ثابت ہو اس کا سرے سے انکار کر دیا جائے اور درحقیقت یہ انکار تاویل مطلب نہیں بلکہ تکذیب مطلب اور بہتان عظیم ہے۔ عَصَمَنَا اللّٰہُ مِنْہُ وَجَمِیْعَ الْمُؤْمِنِیْنَ پس ہمارا عقیدہ ہے کہ واقعہ کا تعلق حضرت آدمؑ کی ذات سے ہے اور منافی عصمت بھی نہیں۔ اس بیان میں طول ہو گیا ہے لیکن امید ہے کہ افادیت کے پیش باعث طول نہ ہوگا

یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ

اس سے پہلے عام انسانوں پر اپنی عمومی نعمتِ خلق کو ذکر کیا اور زمین کی تمام چیزوں کا انسان کے فائدہ کے لئے خلق کرنے کا ذکر کر کے اپنی عبادت و معرفت کی طرف متوجہ فرمایا اور پھر حضرت آدمؑ کی تخلیق و خلافت اور ملائکہ کا اس کے سامنے سجدہ کرانے کا بنی آدم پر خصوصی احسان بیان فرما کر انسان کو خطا کے بعد توبہ کی طرف متوجہ ہونا سکھایا جس کی تفصیل قدرے بیان ہو چکی ہے۔ اب بنی اسرائیل پر اپنے خاص احسانات کا ذکر فرماتا ہے۔ اس مقام پر صرف توجہ دلانے کے لئے اجمالی طور پر یاد دہانی کے بعد ان کو حق پوشی سے بچنے کی اور قرآن

یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اذْکُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتُ عَلَیْکُمْ وَ
اے اولادِ یعقوب یاد کرو میری اس نعمت کو جو انعام کیا میں نے تمہارے اوپر اور
اَوْفُوْا بِعَھْدِیْٓ اُوْفِ بِعَھْدِکُمْ وَاِیَّایَ فَارْھَبُوْنِ ﴿۴۰﴾
تم پورا کرو میرے عہد کو میں پورا کروں گا تمہارے عہد کو اور صرف مجھ سے ڈرو
وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَکُمْ وَلَا تَکُوْنُوْٓا اَوَّلَ کَافِرٍ
اور ایمان لاؤ ساتھ اس کے جو میں نے نازل کی درحالیکہ وہ تصدیق کرنیوالی ہے اس چیز کی جو تمہارے پاس ہے اور نہ ہو جاؤ
بِہٖ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰیٰتِیْ ثَمَنًا قَلِیْلًا وَّاِیَّایَ فَاتَّقُوْنِ ﴿۴۱﴾ وَلَا
کفر کرنیوالے اس کے اور نہ بدلوں کرو میری آیات کے بدلے قیمت تھوڑی اور صرف مجھ سے، خوف کرو اور نہ
تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَکْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۲﴾
ملاؤ حق کو ساتھ باطل کے اور نہ چھپاؤ حق کو حالانکہ تم جانتے ہو۔

منزل ۱

پر ایمان لانے کی دعوت دیکر اپنی گرفت سے ڈرایا ہے لگے۔ رکوع میں ان نعمات و احسانات کی تفصیل آئے گی جن کا یہاں اجمال ہے۔

اسرائیل حضرت یعقوب علیہ السلام کا نام ہے۔ عبرانی زبان میں اِسر کا معنی عبد اور ایل کا معنی اللہ ہوتا ہے۔ پس اسرائیل کا معنی عربی میں عبداللہ ہوتا ہے۔ یعقوب ان کو اس لئے کہا گیا ہے کہ ان کا بھائی عیص اور یہ دونوں جڑوے پیدا ہوئے پہلے عیص کا تولد ہوا اور ان کے بعد یہ پیدا ہوئے تو چونکہ یہ بعد میں پیدا ہوئے اس لئے ان کو یعقوب کہا گیا یعنی بعد میں پیدا ہونے والا۔ لفظ یعقوب عقب سے مشتق ہے۔ اسی طرح امام حسن عسکری علیہ السلام سے مروی ہے۔

تورات میں خداوند کریم نے بنی اسرائیل سے عہد فرمایا تھا کہ میں ایک نبی یعنی حضرت محمد مصطفیٰؐ کو مبعوث کروں گا جو اس کی اطاعت کرے گا اسکو دُگنا اجر عطا کروں گا۔ ایک اجر موسیٰؑ اور توراۃ پر ایمان لانے کا اور دوسرا اجر جناب محمد مصطفیٰؐ اور قرآن پر ایمان لانے کا اور جو شخص اُن پر ایمان نہ لائے گا اس کی سزا سخت دوں گا اور اسے جہنم میں داخل کروں گا۔ پس یہاں اسی عہد کو یاد دلا رہا ہے۔ یہ بنی اسرائیل جو اس وقت جناب رسالتمآبؐ کے زمانہ میں تھے تو اس وقت موجود نہ تھے لیکن چونکہ تو وہ بھی پر ایمان کا دعوے رکھتے تھے لہٰذا وہ عہد ان کو شامل تھا اور اس کی وفا ان پر لازم و واجب تھی (مجمع البیان)

تفسیر برہان میں اسی آیت کے ذیل میں ابن بابویہؒ سے بسند متصل ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جناب رسالتمآبؐ نے جب یہ آیت اتری تو فرمایا کہ جب حضرت آدمؑ دنیا سے رخصت ہوئے۔ تو اپنے فرزند حضرت شیثؑ کے ساتھ وفا کرنے کا اپنی امت یعنی باقی اولاد سے عہد لیا لیکن اس عہد کی وفا نہ کی گئی اور جب حضرت نوحؑ دنیا سے گئے تو انہوں نے اپنے فرزند سام کے لئے اپنی امت سے وفا کا عہد لیا لیکن ان کی امت نے وفا نہ کی اور حضرت ابراہیمؑ نے دنیا سے جاتے ہوئے اپنے فرزند اسمٰعیل کے لئے اپنی قوم سے وفا کا عہد لیا لیکن امت نے پورا نہ کیا اور حضرت موسےٰؑ نے جب دنیا سے رحلت فرمائی تو اپنی قوم سے اپنے وصی حضرت یوشعؑ کے ساتھ وفاداری کا عہد لیا لیکن انہوں نے پورا نہ کیا اور جب حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام آسمان پر تشریف لے گئے تو انہوں نے اس سے پہلے اپنی قوم سے اپنے وصی حضرت شمعونؑ کے ساتھ وفا کرنے کا عہد لیا لیکن امت نے وفا نہ کی اب میں بھی عنقریب تم سے جُدا ہونے والا ہوں اور تمہارے درمیان سے رخصت ہونے والا ہوں اور میں نے بھی اپنی امت سے علی بن ابی طالب کے لئے عہد لیا ہے۔ لیکن یہ بھی گذشتہ اُمتوں کے نقش قدم پر چل کر میرے وصی کی مخالفت و نافرمانی کریں گے۔ آگاہ رہو! علیؑ کے بارے میں میں اپنے عہد کو تازہ کرتا ہوں پس جو شخص اس عہد کو توڑے گا۔ اس کا وبال اس کے سر پر ہوگا اور جو وفا کرے گا خدا اس کو اجر عظیم عطا فرمائے گا۔ ایُّھا الناس۔ علیؑ میرے بعد تمہارا امام ہے۔ اور تمہارے اوپر میرا خلیفہ ہے اور یہی میرا وصی ہے۔ اور

وزیر بھی ہے۔ میرا بھائی بھی ہے اور ناصر بھی ہے میری شہزادی کا شوہر بھی ہے اور میری اولاد کا باپ بھی ہے میری شفاعت حوض اور لواء کا مالک بھی ہے جس نے اس کا انکار کیا اس نے میرا انکار کیا اور جس نے میرا انکار کیا اس نے اللہ کا انکار کیا۔ اور جس نے اس کی امامت کا اقرار کیا اس نے میری نبوت کا اقرار کیا اور جس نے میری نبوت کا اقرار کیا اس نے اللہ کی توحید کا اقرار کیا۔ انصار جس نے علیؑ کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی جس نے علیؑ کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی۔ اور جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔ ایھا الناس جس نے علیؑ کے قول و فعل کی تردید کی اس نے میری تردید کی اور جس نے میری تردید کی اس نے عرش کے اوپر اللہ کی تردید کی۔ لوگو جس نے علیؑ کے اوپر کسی اور امام کو ترجیح دی گویا اس نے میرے اوپر کسی اور نبی کو ترجیح دی اور گویا اس نے اللہ کے علاوہ کسی اور کو رب ہونے میں ترجیح دی۔ ایھا الناس علیؑ سید الوصیین ہے نوریوں کا سردار ہے اور مومنوں کا مولا ہے۔ اس کا ولی میرا ولی اور میرا ولی اللہ کا ولی ہے اس کا دشمن میرا دشمن اور میرا دشمن اللہ کا دشمن ہے۔ پس علیؑ کے بارے میں اللہ کے عہد کی وفا کرو وہ قیامت کے دن تمہارے ساتھ جنت کے عہد کی وفا کرے گا۔

مجمع البیان میں امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ حیی بن اخطب اور کعب بن اشرف اور دیگر علمائے یہود کے لئے عوام یہودیوں کی طرف سے سالانہ وظائف مقرر تھے اور جب رسالتمآبؐ کے دین کی ترویج و اشاعت میں انہیں اپنے مقررہ وظائف کے بند ہو جانے کا خطرہ پیدا ہو گیا جس کو وہ نہ چاہتے تھے تو پس انہوں نے جناب رسالتمآبؐ کا ذکر و جملہ اوصاف جن کا تورات میں ذکر تھا سب کو بدل ڈالا پس قرآن مجید ان کی اسی شرارت کی خبر دے رہا ہے اور ان کو نصیحت کر رہا ہے کہ میری آیات کے بدلہ میں دنیاوی فوائد کو حاصل کرنے کی کوشش نہ کرو کیونکہ دنیا کا فائدہ خواہ کتنا زیادہ ہی کیوں نہ ہو آخرت کے فوائد کے مقابلہ میں تو وہ اتنا قلیل ہے۔ پس یہ خطابات علمائے یہود کی طرف راجع ہیں کہ اس کتاب پر ایمان لاؤ جو تورات کی تصدیق کرتی ہے۔ اور اس کے ساتھ کفر کرنے میں پہل نہ کرو کیونکہ تمہارے پیچھے عوام یہود بھی تم کو دیکھ کر گمراہ ہوں گے اور سب وبال آخرت میں تمہارے اوپر ہو گا اور دنیاوی مال قلیل کے بدلہ میں تورات کی آیتوں کی تحریف کے اپنی عاقبت خراب نہ کرو اور مجھ سے ڈرو اور حق کو چھپانے کی خاطر حق و باطل کو خلط ملط نہ کرو حالانکہ تمہیں تورات کی رو سے بھی معلوم ہے کہ ایسا کرنے والے کا انجام آتش جہنم ہے۔

نماز و زکوٰۃ کا بیان

اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ تمام عبادات میں سے نماز اور زکوٰۃ افضل ہیں۔ نماز عبادات بدنیہ میں سے افضل ہے اور زکوٰۃ عبادات مالیہ میں سے افضل ہے۔

نماز۔ کافی میں بروایت زرارہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا نماز سے سستی نہ کرو کیونکہ جناب رسالتمآب نے اپنے آخری وقت میں فرمایا کہ نماز کو خفیف جاننے والا مجھ سے یعنی میری اُمت سے نہیں ہے۔ اور شراب پینے والا بھی میری امت سے نہیں ہے خدا کی قسم ایسا شخص میرے پاس ہرگز حوض کوثر پر وارد نہ ہوگا۔ نیز دوسری روایت میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ مومن جب تک نماز کا پابند رہے شیطان اس سے خوف زدہ رہتا ہے، جب یہ نماز کو ضائع کر دے تو وہ اس پر غلبہ حاصل کر کے اس کو دوسرے گناہانِ کبیرہ میں مبتلا کر دیتا ہے۔ نیز حضرت امام محمد باقرؑ سے منقول ہے کہ جو شخص فرضی نمازوں کو پابندیٔ وقت سے ادا کرے وہ غافلین میں شمار نہ ہوگا حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے منقول ہے کہ میرے والد بزرگوار نے آخری وقت مجھے فرمایا۔ بیٹا جو شخص نماز کو خفیف سمجھے اس کو ہماری شفاعت نہ پہنچے گی۔ نیز حضرت رسالتمآبؐ نے فرمایا کہ ہر شے کا چہرہ ہوا کرتا ہے اور تمہارے دین کا چہرہ نماز ہے پس تم اپنے دین کے چہرہ کو بدنما داغدار نہ کرو (کافی) روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ معصومینؑ نے اپنے آخری وقت میں سب سے

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴿۴۳﴾	
اور قائم کرو نماز اور ادا کرو زکوٰۃ اور رکوع کرو ساتھ رکوع کرنیوالوں کے	
اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ	
کیا امر کرتے ہو لوگوں کو نیکی کا اور بھولتے ہو اپنے نفسوں کو حالانکہ تم	
تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۴۴﴾ وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ	
تلاوت کرتے ہو کتاب کی (توریت) کیا پس تم نہیں سمجھتے اور مدد چاہو صبر سے	
وَالصَّلٰوةِ ؕ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ﴿۴۵﴾ الَّذِيْنَ	
اور نماز سے اور تحقیق یہ بات بڑی گراں ہے مگر اوپر خشوع کرنیوالوں کے جو یقین رکھتے ہیں	
يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿۴۶﴾ ع	ع ۵
(ملاقی کا معنی یہاں تیقن ہے) کہ وہ اپنے رب سے ملاقات کرنیوالے ہیں اور وہ اسی کیطرف پلٹنے والے ہیں۔	
منزل ۱	

پہلے نماز کی وصیت فرمائی حتیٰ کہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے خیام سے آخری رخصت کے وقت اپنے بیمار فرزند کو سب سے پہلے نماز کی وصیت فرمائی اور حبیب بن مظاہر نے جب نماز کا وقت یاد دلایا تو آپ نے نہایت خوش ہو کر اس کو یہی دعا فرمائی کہ خدا تجھے نمازیوں میں محشور کرے۔ مومنین کو واقعہ کربلا سن کر امام حسینؑ کی فرمائشات اور آخری وصیت کی قدر کرنی چاہیئے۔

زکوٰۃ کافی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے محمد بن مسلم کو فرمایا کہ جو شخص اپنے مال زکوٰۃ میں سے کوئی چیز روک دے اور ادا نہ کرے۔ خداوند کریم بروز محشر اس کو اژدھا کی شکل دے کر اس کی گردن میں ڈال دے گا جو اسے نوچتا رہے گا۔ یہاں تک کہ مخلوق کا حساب ختم ہو۔ ایک روایت میں ہے کہ جناب رسولخداؐ نے نام لیکر پانچ آدمیوں کو اپنی مسجد سے نکالا اور فرمایا کہ تم چونکہ زکوٰۃ ادا نہیں کرتے لہٰذا اس مسجد میں نماز بھی نہ پڑھو ابوبصیر سے مروی ہے کہ حضرت صادقؑ نے فرمایا کہ جو شخص زکوٰۃ کا ایک قیراط ادا نہ کرے نہ وہ مومن ہے اور نہ مسلمان ہے۔ اور روایت میں ہے کہ اس کی نماز بھی مقبول نہیں ہے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ جب قائم آل محمدؐ کا ظہور ہوگا تو زکوٰۃ نہ دینے والوں کی گردنیں اڑا دیں گے نیز جناب رسالتمآبؐ سے منقول ہے کہ جس مال سے زکوٰۃ ادا نہ ہو اس پر لعنت ہے۔

maablib.org

نماز یا جماعت

وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْن میں چونکہ نماز جماعت کی طرف بھی اشارہ ہے۔ لہٰذا نماز جماعت کی فضیلت کے متعلق چند حدیثیں بیان کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔ جناب رسالتمآبؐ سے مروی ہے کہ اگر نماز جماعت میں تعداد دس سے زیادہ ہو جائے تو ایک ایک رکعت کا ثواب لکھنے سے ملائکہ عاجز آجاتے ہیں۔ کافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ صفوں میں سے پہلی صف افضل ہے۔ اور پھر جس قدر پیشنماز کے قریب ہوگا افضل ہوگا۔ تنہا نماز پڑھنے والے سے باجماعت نماز پڑھنے والا جنت میں پچیس درجے بلند ہوگا۔ نیز مروی ہے کہ دائیں طرف والوں کا درجہ بائیں طرف والوں سے اتنا زیادہ ہے جتنا جماعت کا درجہ تنہا نماز سے زیادہ ہے۔ امام محمد باقرؑ سے منقول ہے کہ ایک شخص جناب رسولخداؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ میں بادیہ نشین ہوں میرے پاس میری بیوی بچے اور غلام ہوا کرتے ہیں کیا میں اذان و اقامت کہہ کر اُن کو نماز پڑھاؤں تو جماعت کا درجہ ہوگا۔ آپ نے فرمایا۔ ہاں عرض کی کہ میرے غلام بعض اوقات پانی کی تلاش میں باہر چلے جاتے ہیں تو کیا میں اپنی بیوی بچوں کو اذان اقامت کہہ کر نماز پڑھاؤں تو جماعت کا درجہ ہوگا؟ فرمایا ہاں! اس نے عرض کی کہ بعض اوقات میرے بچے مال مویشی لے کر اِدھر اُدھر چلے جاتے ہیں تو کیا میں اپنی بیوی کو اذان و اقامت کہہ کر نماز پڑھاؤں تو جماعت کا ثواب ملے گا؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ اس نے عرض کی کہ اگر عورت کسی کام کے لیے چلی جائے اور میں تنہا اذان و اقامت سے پڑھوں تو جماعت کا ثواب ہوگا۔ آپ نے فرمایا ہاں! مومن اکیلا بھی جماعت ہے۔ (کافی)

لیکن روایت کے آخری جملہ سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ مومن کی تنہا نماز ہر وقت جماعت کا ثواب رکھتی ہے بلکہ یہ اس وقت ہے جب جماعت ممکن نہ ہو سکتی ہو۔ فی باب المعاصی والمناہی حضرت صادق علیہ السلام سے ایک طویل روایت میں ہے کہ جو شخص ثواب جماعت کی طلب کے لیے مسجد کی طرف چلے اس کے ہر قدم کے بدلہ ستر ہزار نیکیاں اس کے نامۂ اعمال میں درج ہوں گی اور ستر ہزار درجات بلند ہوں گے اور اسی حالت میں اگر مرتے تو ستر ہزار فرشتہ اس کے دفن میں شریک ہوگا جو اسے جنت کی خوشخبری سنائیں گے اور تنہائی میں اس کے مونس ہوں گے اور قیامت تک اس کے لیے استغفار کرتے رہیں گے۔

غلط فہمی کا ازالہ: ہمارے عام مومنین سمجھتے ہیں کہ پیشنماز میں عدالت کی شرط ایک ایسا ناشدنی امر ہے کہ سوائے معصوم کے اور کوئی نماز جماعت کے اہل ہو ہی نہیں سکتا۔ شیطان چونکہ چاہتا ہے کہ مومن کو افضل ترین عبادت سے

محروم رکھے لہٰذا وہ اس قسم کے شبہات دلوں میں داخل کر کے اس آسان اور بہترین عبادت سے مومن کو محروم کرنے میں کامیاب ہوتا ہے۔ کیا طلاق کی شہادت کے لئے عادل میسّر ہو سکتے ہیں نکاح کی وکالت کے لئے عادل مل سکتے ہیں ماہ رمضان یا عید کا چاند ثابت کرنے کے لئے عادل دستیاب ہو سکتے ہیں ؟ اور شہر میں یہ واقعات کم و بیش ہوا بھی کرتے ہیں تو کیا صرف نمازِ خدا کی ادائیگی کے وقت پورے شہر کے سب مومن فاسق و فاجر ہو جاتے ہیں ؟ یہ معاملہ میری سمجھ سے بالاتر ہے میرے خیال میں یہ صرف شیطانی وسوسہ ہے جو نمازیوں کو نماز سے تو روک نہیں سکتا لہٰذا اس بہانہ سے ان کو ایسے طرزِ عمل سے روک دیتا ہے جس سے نماز کی قبولیت یقینی ہوتی ہے۔ پس نماز پڑھنے والوں کے لئے احادیث معصومینؑ کے پیشِ نظر ضروری ہے کہ نماز باجماعت کی کوشش کریں اور ان شیطانی وساوس کا اعتبار نہ کریں جو شخص نماز و طہارت کے ضروری مسائل جانتا ہو قرأت درست رکھتا ہو اور ظاہر میں نیک ہو وہ پیشنماز بن سکتا ہے اور اس کے پیچھے نماز ادا کر کے ہر جگہ مومنین ثوابِ جماعت حاصل کر سکتے ہیں

علمائے یہود کی مذمت کر کے خداوند کریم نے علمائے اسلام کو بھی متنبہ فرمایا ہے کہ مبادا لوگوں کو ہدایت کر کے اپنے نفسوں کو بھلا دیں اور آیت کا مفہوم صرف ایک زمانہ والوں کے لئے نہیں بلکہ تا قیامت باقی ہے اسی لئے تو روایت میں ہے کہ روزِ محشر بڑی حسرت ان علماء کو ہوگی جن کی نصیحت سے دوسروں نے فائدہ اٹھا کر جنت میں جگہ پائی۔ اور ان کو اپنی بداعمالیوں کی بدولت جہنم کا جیل خانہ نصیب ہوا۔ اَعَاذَنَا اللّٰہُ مِنْھَا وَجَمِیْعَ الْمُؤْمِنِیْنَ۔

مرکز احیاء تراث
maablib.org

بنی اسرائیل پر نعماتِ خداوندی کا ذکر

یَابَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اس مقام پر تنزیل کے اعتبار سے بنی اسرائیل سے مراد اولادِ یعقوب ہے۔ پہلے رکوع میں ان پر نعمات کو اجمالی طور پر ذکر کیا گیا تھا یہاں سے ان نعمتوں کی تفصیل کو شروع کیا گیا ہے اور اسی بنا پر اس کو دہرایا گیا ہے۔

ع ۵ الربع

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ

اے اولادِ یعقوب یاد کرو میری اس نعمت کو جو انعام کیا میں نے تم پر

وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ

اور میں نے تم کو فضیلت دی عالمین پر اور ڈرو اس دن سے نہ کفایت

نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـًٔا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا

کرے گا کوئی نفس کسی نفس سے کچھ بھی اور قبول نہ ہوگی اس سے سفارش اور نہ لیا جائے گا

يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ۝ وَاِذْ

اس سے فدیہ اور نہ وہ مدد کئے جائیں گے۔ اور

نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ

(یاد کرو) جب ہم نے بچایا تم کو فرعونیوں سے کہ تکلیف دیتے تھے تم کو برے عذاب کی

يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ؕ وَفِيْ ذٰلِكُمْ

کہ ذبح کر ڈالتے تھے تمہارے لڑکوں کو اور زندہ رکھتے تھے تمہاری لڑکیوں کو اور اس میں

بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ۝

تمہارے رب کی طرف سے بڑی آزمائش تھی۔

شفاعت: تفسیر برہان میں حضرت صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ یہاں جس دن سے ڈرنے کا حکم خدا نے دیا ہے اس سے مراد موت کا دن ہے کیونکہ واقعی موت سے نہ کوئی دوسرے کی مدد کر سکتا ہے اور نہ سفارش کا مقام ہوتا ہے اور نہ فدیہ سے اس کو روکا جا سکتا ہے پس اس یوم سے یوم موت مراد ہے۔ نہ یوم قیامت کیونکہ اس دن یعنی قیامت میں ہم اپنے شیعوں کی مدد کریں گے۔

اعراف پر حضرت محمد مصطفیٰ، علی، فاطمہ، حسن، حسین اور ان کی طاہر اولاد موجود ہوگی۔ پس عرصہ محشر میں جب مومنین پر سختی دیکھیں گے تو ہر زمانہ کے نیک اور اخیار شیعوں کو ان کی نجات کے لئے بھیجیں گے مثلاً اپنے زمانہ والوں کے

ئے سلیمان مقداد ابوذر وغیرہ پس یہ لوگ گنہگار شیعوں کو بازوں اور شکروں کی طرح اٹھا کر جنت میں داخل کریں گے۔ و علیٰ ہذا القیاس۔ پس یہ لوگ ان کو اسی طرح اٹھا لائیں گے جس طرح پرندہ دانہ کو اٹھا لیا کرتا ہے اور ایک ایک گنہگار شیعہ جو حقوق مومنین سے بچا ہوا ہوگا کے بدلہ میں ایک سو سے لے کر ایک ہزار تک دشمنان اہلبیتؑ کو واصل جہنم کیا جائے گا۔ پس مومن داخل جنت ہوں گے اور اہلبیتؑ سے عداوت رکھنے والے داخل جہنم ہوں گے۔ میں نے مضمون روایت نقل کیا ہے۔

تفسیر مجمع البیان میں بنی اسرائیل پر فرعون کے مظالم کی وجہ یوں بیان کی گئی ہے کہ فرعون نے خواب میں دیکھا تھا کہ بیت المقدس کی جانب سے ایک آگ اٹھی جس نے مصر کے تمام گھروں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا اور انکو جلا کر خاکستر کر دیا اور صرف قبطیوں کو اس نے جلایا اور بنی اسرائیل کو ضرر نہ پہنچایا فرعون اس سے بہت گھبرایا اور جادوگروں۔ قیافہ شناسوں اور نجومیوں کو بلا کر ان سے تعبیر خواب دریافت کی انہوں نے کہا بنی اسرائیل میں ایک بچہ پیدا ہوگا کہ جس کے ہاتھوں تو ہلاک ہوگا اور تیرا ملک زائل ہوگا اور تیرا دین ختم ہوگا پس فرعون نے حکم دے دیا کہ بنی اسرائیل میں ہر پیدا ہونے والا لڑکا قتل کر دیا جائے اور اپنی مملکت کی تمام دایہ عورتوں کو بلا کر حکم دیا کہ بنی اسرائیل میں پیدا ہونیوالا کوئی لڑکا زندہ نہ چھوڑا جائے اور کوئی پیدا ہونے والی لڑکی قتل نہ کی جائے چنانچہ وہ ایسا ہی کرتی تھیں۔ بنی اسرائیل کے سن رسیدہ لوگ اپنی اپنی اجل سے مرتے گئے اور بچے ذبح ہوتے گئے تو قبطیوں کے رؤسا فرعون کے پاس جمع ہوئے اور کہا کہ سن رسیدہ بنی اسرائیل دیسے مر رہے ہیں اور پیدا ہونے والے لڑکوں کو تو قتل کروا رہا ہے اس صورت میں تھوڑے عرصہ کے اندر ہمارے کاروبار کرنیوالا کوئی نہ بچے گا اور تمام نجی کام ہمیں خود کرنا پڑیں گے۔ پس فرعون نے حکم دیا کہ ایک سال قتل کو جاری رکھا جائے اور ایک سال یہ سلسلہ بند کر دیا جائے۔ پس حضرت ہارون اس سال پیدا ہوئے جس سال قتل نہ تھا اور حضرت موسیٰؑ قتل کے سال میں پیدا ہوئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کا تفصیلی ذکر کسی اور مقام پر مناسبت کے لحاظ سے بیان ہوگا۔ انشاء اللہ۔

بنی اسرائیل کے مرد قبطیوں کے نوکروں کی حیثیت سے تھے۔ ان کی کھیتی باڑی اور دیگر تمام نجی کاروبار ان کے ذمہ تھے جو شخص کام سے عاجز ہوتا تھا قبطیوں کی طرف سے اس پر جزیہ (ٹیکس) رکھا جاتا جسکو وہ ظلم سے وصول کیا کرتے تھے اور بنی اسرائیل کی عورتوں کو کنیزی میں رکھتے تھے۔ اس لئے فرعون نے ان کے ذبح نہ کرنے کا حکم دیا تھا۔ اور درحقیقت لڑکیوں ان کے لڑکوں کے قتل ہونے سے زیادہ سخت اور نہ قابل برداشت تھا۔

بلاء عظیم کا معنی سخت آزمائش بھی ہے اور اس کا معنی احسان عظیم بھی ہے اور اس مقام پر دونوں مراد لیے جا سکتے ہیں یعنی فرعون کا یہ ظلم تمہارے اوپر امتحان عظیم تھا جس سے خدا نے تمہیں نجات دی یا فرعونیوں کے اس مہیب ظلم سے جو خدا نے تمہیں نجات دی ہے اس میں تمہارے اوپر اس کا احسان عظیم ہے۔

فرعون مصر کے بادشاہ کا نام نہیں تھا بلکہ یہ عمالقہ کے بادشاہوں کا لقب تھا جس طرح روم کے بادشاہ کو قیصر اور ایران کے حکمران کو کسریٰ کہا جاتا تھا۔ اسی طرح عمالقہ کے بادشاہ کو فرعون کہا جاتا تھا حضرت موسیٰ کے زمانہ کے فرعون کا نام مصعب بن ریان تھا۔

امام حسن عسکری علیہ السلام سے مروی ہے کہ بنی اسرائیل پر جب فرعون کے مظالم سخت ہوئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی ہوئی کہ اپنی قوم کو محمد و آل محمد پر درود بھیجنا سکھائے جب انہوں نے یہ عمل شروع کیا تو درود کی برکت سے ان کے مصائب کم ہو گئے جب ان کے بچہ کی پیدائش ہوتی تھی تو فرعونیوں کے ڈر سے اسکو کسی غار میں چھپا دیتے تھے اور اس پر دس مرتبہ درود پڑھ دیتے تھے۔ خداوند کریم اس کی تربیت کے لئے ایک فرشتہ بھیج دیتا تھا اور بقدرت خدا وہ اپنی انگلی کو چوستا تھا تو اس سے دودھ جاری ہو جاتا تھا جس سے اس کی نشوونما ہوتی تھی اور یہی وجہ تھی کہ باوجود فرعون کے تشدد کے بنی اسرائیل کی تعداد میں کمی واقع نہ ہوئی اور عورتوں نے بھی درود کو ورد زبان بنایا جس سے فرعونیوں کو ان کی آبروریزی پر قدرت نہ ہو سکتی تھی اب خدا اسی احسان کو بنی اسرائیل پر ذکر فرما رہا ہے۔ انتہی ملخصاً

maablib.org

فرعون اور اس کے لشکر کے غرق ہونیکا واقعہ

وَاِذْ فَرَقْنَا۔ تفسیر مجمع البیان میں فرعون اور اس کے لشکر کی دریائے نیل میں غرقابی کا قصہ ابن عباس سے اس طرح منقول ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی ہوئی کہ بنی اسرائیل کو ساتھ لیکر مصر سے ہجرت کر جائیں چنانچہ حضرت موسیٰؑ بنی اسرائیل کو لیکر رات کے وقت روانہ ہوئے تو فرعون نے دس لاکھ سواروں کے ساتھ ان کا تعاقب کیا اور حضرت موسیٰؑ کے ہمراہیوں کی تعداد چھ لاکھ بیس ہزار تھی پس حضرت موسیٰؑ ان کو لیکر دریا کے کنارے پہنچے جب پلٹ کر پیچھے دیکھا تو فرعون کے گھوڑوں کا غبار نظر آیا بنی اسرائیل حضرت موسیٰؑ سے کہنے لگے اے موسیٰؑ۔ تیرے آنے سے پہلے بھی ہم مبتلائے مصیبت رہے اور تیرے آجانے کے بعد بھی معاملہ وہی ہے۔ سامنے دریا ہے پیچھے فرعون ہے۔ حضرت موسیٰؑ سے کہنے لگے کہ مجھے امید ہے کہ خدا تمہارے دشمن کو ہلاک کرے گا اور تم کو زمین کی حکومت عطا کرے گا۔ حضرت یوشع بن نون نے عرض کی کہ اب کیا حکم ہے؟ تو حضرت موسیٰؑ نے فرمایا کہ مجھے حکم ہوا ہے کہ دریا پر اپنا عصا ماروں اور خدا نے دریا کو وحی کی تھی کہ وہ موسےٰ کے عصا مارنے سے اسکی اطاعت کرے پس حضرت موسیٰؑ نے جب دریا پر عصا مارا تو وہ شق ہو گیا اور اس میں بارہ راستے پیدا ہو گئے اور بنی اسرائیل کے ہر قبیلہ کے لیے ایک راستہ تھا پس وہ کہنے لگے کہ ابھی رستوں میں تری زیادہ ہے یعنی کیچڑ ہے ہم ایسے راستے سے نہیں چلتے۔ پس خدا نے بادصبا کو بھیج کر راستے خشک کر دیئے۔ پس جب داخل ہوئے تو کہنے لگے کہ ہم ایک دوسرے کو دیکھ نہیں سکتے۔ نہ معلوم ان کا حال کیا ہوگا تو حضرت موسیٰؑ نے اللہ سے ان کے حالات کی شکایت کی

وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَيْنٰكُمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ
اور یاد کرو جب شق کیا ہم نے تمہاری وجہ سے دریا تو پس تمہیں بچا لیا اور غرق کر دیا ہم نے فرعونیوں کو
وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ۝ وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰٓى اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً
حالانکہ تم دیکھ رہے تھے اور جب ہم نے وعدہ کیا موسےٰ سے چالیس راتوں کا
ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ۝
پھر پکڑا (پوجا) تم نے بچھڑے کو اس کے پیچھے اور تم ظالم تھے۔
ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝
پھر ہم نے درگذر کیا تم سے اس کے بعد تاکہ تم شکر گذار بنو

پس وحی ہوئی کہ تو اپنے عصا سے دائیں بائیں اشارہ کر چنانچہ حضرت موسیٰؑ نے ویسا ہی کیا۔ پس پانی کی بلند دیواروں ہر دو طرف سے دروازے پیدا ہو گئے کہ وہ سب ایک دوسرے کو دیکھ سکتے تھے جب فرعون ساحل دریا پر پہنچا تو وہ مشکی گھوڑے پر سوار تھا۔ دریا میں داخل ہونے سے اس کا گھوڑا گھبرایا پس حضرت جبرئیلؑ بصورت بشر ایک مادہ گھوڑی پر سوار ہو کر آ گئے اور اپنی گھوڑی کو فرعون کے گھوڑے کے آگے کر لیا اور دریا میں داخل ہوئے تو فرعون کا گھوڑا بھی پیچھے داخل ہو گیا اس کے بعد فرعون کا لشکر بھی داخل ہونا شروع ہو گیا۔ جب بنی اسرائیل سب کے سب پار ہو گئے اور لشکر فرعون سب کا سب داخل دریا ہو گیا تو بحکم خدا پانی آپس میں مل گیا اور لشکر فرعون غرق ہو گیا۔ (ملخص ترجمہ روایت)

حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام سے مروی ہے کہ حضرت موسیٰؑ بمعہ بنی اسرائیل جب ساحل دریا پر پہنچے تو وحی ہوئی کہ اے موسیٰ! بنی اسرائیل سے کہو کہ میری توحید کا اقرار تازہ کریں اور جناب محمد مصطفیٰؐ کا دل سے اقرار کریں اور اس کے بھائی علیؑ اور اس کی آل پاک کی ولایت کو تازہ کریں اور پھر اس پانی کو عبور کرنے کے لئے ان کا واسطہ دے کر مجھ سے دعا مانگیں۔ میں اس پانی کی سطح کو مثل زمین کے کر دوں گا۔ حضرت موسیٰؑ نے جب ان کو اللہ کا یہ حکم سنایا تو کہنے لگے کہ تو ہم کو ایسی بات کہتا ہے جس کو ہم نہیں چاہتے ہم نے موت کے ڈر سے تو فرعون سے فرار کیا ہے تو ان کلمات کے ذریعہ سے ہمیں اس پانی میں داخل کرتا ہے۔ ہمیں کیا معلوم کہ اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟ کالب بن یوحنا گھوڑے پر سوار تھا اور اس جگہ سے پانی کی چوڑائی بارہ میل تھی۔ عرض کرنے لگا یا نبی اللہ! کیا اللہ کا حکم ہے کہ ہم یہ کلمات زبان پر جاری کر کے دریا میں داخل ہو جائیں؟ آپ نے فرمایا۔ ہاں! پھر عرض کی کہ آپ کی اجازت بھی ہے؟ موسیٰ نے فرمایا۔ ہاں! پس اس نے توحید خدا اور نبوت محمد مصطفیٰؐ اور ولایت علی مرتضیٰؑ اور ان کی آل اطہار کا عہد تازہ کر کے دعا مانگی کہ میرے اللہ ان کے وسیلہ سے مجھے دریا کے عبور کی توفیق مرحمت فرما۔ یہ کہہ کر گھوڑے کو پانی میں داخل کیا اور ایڑ لگائی پس پانی کی سطح زمین کی مانند ہو گئی۔ اس کنارے تک پہنچ کر پھر واپس اسی طرح آیا اور بنی اسرائیل سے خطاب کر کے کہا اللہ کی اطاعت کرو اور حضرت موسیٰؑ کی بات مانو۔ کیونکہ یہ دعا ابواب جنت کی کنجیاں ہیں اور دریائے جہنم کے بند کرنے کا ذریعہ ہیں۔ طلب رزق کا وسیلہ اور رضائے خالق کا سبب ہیں۔ انہوں نے جواب میں کہا کہ ہم تو زمین پر ہی چلیں گے اور بس۔ پس حضرت موسیٰؑ کو وحی ہوئی کہ محمد و آل محمد کو وسیلہ قرار دے کر دریا کے شق کی دعا مانگ اور اس پر اپنا عصا مار۔ پس حضرت موسیٰؑ نے ایسا ہی کیا دریا شق ہوا اور زمین ظاہر ہو گئی وہ کہنے لگے کہ کیچڑ ہے ہم عبور نہ کریں گے۔ جب تک پوری طرح خشک نہ ہو ہمیں خطرہ ہے کہیں دھنس نہ جائیں پھر بذریعہ وحی حضرت موسیٰؑ نے محمد و آل محمد کے وسیلہ سے دعا مانگی تو خدا نے بادِ صبا کو بھیج کر زمین کو خشک کر دیا۔ وہ کہنے لگے ہم بارہ قبیلے ہیں ایک راستہ سے کیسے گذریں ہر قبیلہ پہلے گذرنے کا خواہشمند ہوگا

اور اس میں جھگڑا ہو جائے گا۔ لہٰذا ہمارے لئے جدا جدا رستے ہونے چاہئیں۔ پس بحکم خدا حضرت موسیٰؑ نے بارہ جگہ پر بذریعہ عصا دریا میں رستے پیدا کئے اور ہر بار محمد و آلِ محمد کو وسیلہ قرار دیتے رہے اور بذریعہ باد صبا بطریق سابق سب خشک بھی ہو گئے پھر انہوں نے کہا کہ ہمیں ایک دوسرے کا علم کیسے ہوگا۔ وہ تو نظر نہ آئیں گے تو حضرت موسیٰؑ نے محمدؐ و آلِ محمدؐ کے وسیلہ سے دعا مانگی اور عصا کا دائیں بائیں اشارہ کیا جس سے پانی کی دیواروں میں دروازے پیدا ہو گئے۔ الخبر

بروایت مجمع البیان جب فرعون اور اس کا لشکر غرق ہو گئے اور بنی اسرائیل واپس مصر میں آباد ہو گئے تو خداوند کریم کا وعدہ ہوا کہ میں تورات و شریعت عطا کروں گا پس حضرت موسیٰؑ اپنے بھائی ہارون کو اپنا قائم مقام مقرر کر کے کوہ طور پر گئے اور چالیس دن وہاں رہے ماہ ذوالقعدہ اور دس دن ذوالحجہ کے۔ اسی اثنا میں سامری جس کا نام میخا یا موسیٰ بتلایا گیا ہے۔ جو دراصل گاؤ پرست قوم سے تھا اور بنی اسرائیل میں ظاہری صورت میں مسلمان کہلاتا تھا (نے فریب کیا) وہ اس طرح کہ قبطیوں کے جو زیورات بنی اسرائیل کے پاس موجود تھے حضرت ہارون نے ان کو پھینک دینے کا حکم دیا چنانچہ انہوں نے آگ جلوائی اور ان تمام زیورات کو اس میں ڈال دینے کا حکم دیا۔ سامری نے جبریل کی گھوڑی کے قدم کے نشان سے مٹی اٹھا کر اپنے پاس محفوظ کی ہوئی تھی۔ اپنی مٹھی میں لیکر آگ کے قریب آیا اور اس مٹی کو آگ میں ڈال کر گوسالہ بنا ڈالا۔ اور بنی اسرائیل سے کہا کہ تمہارا خدا یہی ہے چنانچہ بنی اسرائیل اس کی بات مان کر اس کی پوجا کرنے لگ گئے۔ خداوند کریم ان آیات میں ان کے دشمن فرعون کی ہلاکت اور ان کی نجات پھر ان کی گوسالہ پرستی کی شرارت اور توبہ کی مقبولیت اور معافی کا ذکر فرما رہا ہے تاکہ ان احسانات کا احساس کر کے اپنے محسن حقیقی کا حق شکر ادا کریں۔

maablib.org

بنی اسرائیل کو گوسالہ پرستی کی سزا اور ذکرِ توبہ

وَاِذْ اٰتَيْنَا.. فرقان کے معنی کی کئی توجیہات مفسرین نے بیان کی ہیں چنانچہ ابن عباس سے منقول ہے کہ فرقان کا معنی بھی تورات ہے اور کتاب پر اس کا عطف تفسیری ہے۔ تفسیر اہلبیتؑ میں ہے کہ فرقان سے مراد حق و باطل کے درمیان فرق اور حق پرستوں اور باطل پرستوں کے درمیان۔ اور مومنوں اور کافروں کے درمیان امتیاز ہے (کہ یہ بچ گئے اور وہ غرق ہو گئے) بعضوں نے کہا ہے کہ فرقان کا معنی دریا کا شق ہونا ہے

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى.. حضرت موسیٰ جب کوہ طور سے واپس آئے اور قوم کی گوسالہ پرستی پر مطلع ہوئے تو فرمایا کہ تم نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا ہے کہ خدا کے مقابلہ میں ایک بچھڑے کو معبود قرار دیدیا۔ پس اب اللہ سے توبہ کرو اور دین حق پر ثابت قدم رہنے والوں کو حکم دیا کہ گوسالہ پرستوں کو قتل کر دیں۔ روایت اہلبیت میں ہے کہ یہ حکم سنتے ہی اکثر گوسالہ پرستوں نے اپنی گوسالہ پرستی کا انکار کر دیا اور کہنے لگے کہ ہم نے بالکل اس کی پوجا نہیں کی۔ پس وحی ہوئی کہ اس گوسالہ کو دریا میں ڈال دیا جائے۔ پس جب بنی اسرائیل اس کا پانی پئیں گے تو گوسالہ پرستوں کے منہ اور ناک سیاہ ہو جائیں گے اور مجرم اور غیر مجرم کا فرق معلوم ہو جائے گا۔ روایت ابن عباسؓ میں ہے حکم موسیٰ ان لوگوں نے قتل کیا اور کفن پہن لئے اور صف بستہ کھڑے ہو گئے اور حضرت ہارون کے ہمراہ جن لوگوں نے گوسالہ پرستی

وَاِذْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۵۳﴾

اور جب ہم نے دی موسیٰ کو کتاب (تورات) اور فرقان تاکہ تم ہدایت پاؤ۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ

اور جب کہا موسیٰ نے اپنی قوم سے اے قوم تحقیق تم نے ظلم کیا اپنے نفسوں پر ساتھ

بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ

پکڑنے اور بنانے گوسالہ کے پس توبہ کرو طرف اپنے پیدا کرنیوالے کے پس قتل کرو اپنے نفسوں کو

ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ اِنَّهٗ

یہ اچھا ہے تمہارے لئے تمہارے پیدا کرنے والے کے نزدیک پس اس نے توبہ قبول کی

هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۵۴﴾

تمہاری تحقیق وہ بہت توبہ قبول کرنیوالا مہربان ہے

نہیں کی تھی۔ وہ تیز تلواریں ہاتھوں میں لیکر آ گئے اور بروایت اہلبیتؑ حضرت موسیٰؑ نے منادی کرادی کہ جو شخص کسی مجرم کو بچائے گا یا اپنے عزیز سے چشم پوشی کر کے غیر کو قتل کرنے کی کوشش کرے گا اس پر اللہ کی لعنت ہوگی۔ پس مقتولین نے سر جھکائے اور بیان کیا جاتا ہے کہ خداوند کریم نے فضا کو تاریک کر دیا تاکہ قاتل مقتول کو پہچان کر اس امتحان میں قتل نہ ہو جائے۔ پس قتل شروع ہوا اور حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام نے تضرع و زاری سے دعا مانگنا شروع کی اور جب تاریکی منکشف ہوئی تو ستر ہزار آدمی قتل ہو چکے تھے۔ روایت اہلبیتؑ میں ہے کہ پارہ ۱۲ ہزار آدمیوں نے گوسالہ پرستی نہیں کی تھی اور چھ لاکھ نے گوسالہ پرستی کا جرم کیا تھا جن کو قتل کرنے کا حکم ہوا تھا پس قتل ہونے والوں میں جب قتل کا قصہ شروع ہوا تو انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ محمدؐ و آل محمدؐ کا وسیلہ جو ہر مصیبت کے وقت ہمیں سکھایا گیا ہے اور اس کے ذریعہ سے کوئی دعا مسترد نہیں ہوتی اور نبی و رسول بھی بارگاہِ خداوندی میں یہی وسیلہ قرار دیا کرتے ہیں تو ہم کیوں نہ ان کے وسیلہ سے دعا مانگیں؟ پس انہوں نے رونا شروع کیا اور محمدؐ و آل محمدؐ کے وسیلہ سے اپنے گناہ کی معافی مانگی اور توبہ کی پس حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وحی ہوئی کہ اب قتل کو روک دو۔ ملخص ترجمہ روایات۔

روایت میں ہے کہ زوال سے لیکر غروب آفتاب تک قتل شروع رہا اور ستر ہزار مقتولین کو دیکھ کر حضرت موسیٰؑ غمگین ہوئے تو خداوند کریم نے سب کی بخشش کا وعدہ فرمایا۔ تب حضرت موسیٰؑ خوش ہوئے۔

مقتولین قتل کرنیوالوں کے رشتہ دار بھی تھے اسی وجہ سے خدا نے فضا کو تاریک کر دیا تھا اور یہ قتل کی مصیبت صرف مقتولین پر نہیں تھی بلکہ قتل کرنے والوں پر مصیبت زیادہ تھی کیونکہ وہ اپنے ہاتھوں اپنے عزیزوں کو قتل کر رہے تھے اس کی وجہ یہ ہے کہ گوسالہ پرستوں کو یہ منع نہ کرتے تھے۔ اس لئے ان پر یہ امتحان نازل ہوا۔ اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ جسطرح گناہ کرنے والے مستحق سزا ہوتے ہیں اسیطرح ان کے گناہ پر راضی ہونے والے یا باوجود روک سکنے کے ان کو نہ روکنے والے بھی سزا میں ان کے ساتھ شریک ہو جاتے ہیں اسی لئے تو روایات میں ہے کہ جو کسی قوم کے فعل پر راضی ہو اس کا شمار اسی قوم سے ہوگا۔ چنانچہ یہ آیات اگرچہ ان لوگوں کے حق میں وارد ہیں جو حضرت موسیٰؑ کے زمانہ میں تھے لیکن جناب رسالتمآبؐ کے زمانہ کے بنی اسرائیل ان پر ناز کرتے تھے اور ان کے افعال پر راضی تھے اس لئے قرآن مجید میں ان کی نعمات و عقوبات کو ان کی طرف منسوب کر کے خطاب فرمایا ہے کہ تم نے ایسا کیا تھا اور تم پر یہ احسان تھا وغیرہ۔

خلاصہ یہ کہ ستر ہزار بنی اسرائیل کے قتل کے بعد باقیوں کی توبہ قبول ہوئی اور قتل ہونیوالوں کے گناہوں کی بخشش کا وعدہ ہوا اور خداوند کریم اپنے اسی احسان کا موجودہ بنی اسرائیل کے سامنے تذکرہ فرما رہا ہے تاکہ ان واقعات

سے عبرت حاصل کر کے راہ راست پر چلنے کی کوشش کریں۔

تنزیل کے لحاظ سے اگرچہ یہ آیات بنی اسرائیل سے تعلق رکھتی ہیں لیکن تاویل اسکی صرف ایک زمانہ کے لوگوں کے لئے مختص نہیں جسطرح کہ اس موضوع پر تفسیر کی جلد اوّل میں کافی بحث کی جا چکی ہے۔ پس اس قسم کی آیات تمام مسلمانوں کے لئے بھی درس عمل ہیں اور انسان کو اپنے عمل بد کے بعد رحمت خدا سے مایوس نہ ہو جانا چاہئے جسطرح بنی اسرائیل کی بار بار کی لغزشوں کے بعد ان کی توبہ کو خداوند کریم نے نہیں ٹھکرایا۔ اس سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اگر انسان سے لغزش ہو جائے تو اسے توبہ کا دروازہ کھٹکھٹانا چاہئے پھر لغزش ہو جائے تو پھر توبہ کرے خداوند کریم کی رحمت سے بعید ہے کہ معافی طلب کرنے والے کو معافی نہ دے وہ تو اب اور رحیم ہے۔

مثال کے طور پر یوں سمجھئے کہ انسان کا ظاہری جسم یا لباس اگر نجس ہو جائے تو اسے پاک پانی سے دھو ڈالنے کا حکم ہے تاکہ وہ پاک رہے پھر اس کو حفاظت سے رکھے تاکہ دوبارہ نجس نہ ہونے پائے۔ لیکن اگر اتفاق سے یا اس کی غفلت سے دوبارہ نجس ہو بھی جائے تو پانی کو اس کے دوبارہ پاک کرنے سے انکار نہیں ہوتا جتنی بار نجس ہوگا جاری پانی میں غوطہ دینے سے پاک ہی ہوتا رہے گا۔ پس اسی طرح روحانی نجاستوں کی تطہیر کے لئے خدا نے دریائے توبہ اور بحر رحمت کو جاری فرمایا ہے۔ اگر گناہ سرزد ہو تو اس کو دریائے توبہ میں غوطہ دے۔ پھر اپنی طرف سے بچنے کی کوشش کرے لیکن پھر بوجہ گناہ کے اگر روحانی نجاست سے آلودہ ہو جائے تو یہ نہ سمجھے کہ اب دریائے توبہ میں یا بحر رحمت میں تطہیر کا عمل ہے وہ جتنی دفعہ توبہ کرے گا خدا منظور فرمائے گا۔ بشرطیکہ زبانی توبہ نہ ہو قلبی توبہ ہو اور اللہ دلوں کے حالات کو خوب جاننے والا ہے۔

maablib.org

بنی اسرائیل کا رویتِ خدا کا سوال

وَاِذْ قُلْتُمْ عقائد صدوق۔ عصمت انبیاء کے متعلق مامون نے جو سوالات امام رضا علیہ السلام سے کئے منجملہ ان کے ایک سوال یہ بھی تھا کہ جب حضرت موسیٰؑ کو یقین تھا کہ خدا نظر نہیں آسکتا تو خدا سے رویت کا سوال کرنا ان کیلئے کیسے جائز تھا؟ تو

وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً	
اور جب کہا تم نے اے موسیٰ ہرگز ہم ایمان نہ لائیں گے تیری بات پر یہانتک کہ دیکھیں اللہ کو ظاہر	حضرت امام رضا علیہ السلام نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو علم تھا کہ خدا نظر نہیں آسکتا لیکن خدا نے حبیب ان کو اپنا کلیم بنایا اور اپنی ہمکلامی سے قرب کا شرف بخشا تو انہوں نے اپنی قوم سے آکر ذکر فرمایا کہ خدا نے مجھے کلام کا شرف بخشا ہے۔ انہوں نے کہا کہ یہ بات ہم ہرگز نہ مانیں گے جبتک کہ ہم اس کا کلام خود نہ سنیں گے جس طرح تم نے سنا ہے اور قوم کی کل تعداد سات لاکھ تھی موسیٰ نے ان میں سے ستر ہزار کا انتخاب کیا پھر ان میں سے سات ہزار چنے پھر ان سے سات سو لئے اور پھر ان سے ستر کو منتخب فرمایا پھر ان ستر کو میقات کے لئے طور سینا پر لے گئے۔ پس ان کو پہاڑ کے دامن میں کھڑا کر کے خود کوہ طور کے اوپر تشریف لے گئے اور اللہ سے کلام کرنے کی درخواست کی تاکہ وہ منتخب کردہ آدمی سن لیں پس خدا نے کلام کیا اور انہوں نے سنا اور وہ آواز اوپر نیچے۔ دائیں بائیں آگے پیچھے یعنی ہر طرف سے سنائی دے رہی تھی۔ گو کلام درخت سے پیدا تھا لیکن ہر طرف سے
فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ۝ ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ	
پس پکڑا تم کو بجلی نے حالانکہ تم دیکھتے تھے	پھر ہم نے زندہ کیا تم کو
مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ	
تمہاری موت کے بعد تاکہ تم شکر کرو۔	اور سایہ کیا ہم نے تمہارے
الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ	
اوپر بادل کا اور نازل کیا ہم نے تمہارے اوپر من اور سلویٰ کھاؤ پاکیزہ چیزوں سے جو	
مَا رَزَقْنٰكُمْ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝	
روزی دیا ہم نے تمکو اور انہوں نے ہمیں نقصان نہیں دیا بلکہ وہ اپنے نفسوں کو نقصان دیتے تھے۔	

سنائی دیتا تھا۔ بنی اسرائیل نے کہا کہ ہم نہیں مانتے کہ یہ اللہ کا کلام ہے۔ جب تک اپنی آنکھوں سے اس کو بولتا ہوا نہ دیکھیں جب انہوں نے یہ بات کہی اور تکبر اور سرکشی کی تو خدا نے ان کے ظلم کے بدلہ میں ان پر بجلی نازل کی اور وہ سب مر گئے۔ پس حضرت موسیٰ نے عرض کی میرے اللہ میں واپس جا کر قوم کو کیا جواب دوں گا۔ وہ تو کہیں گے تو اپنے کلیم اللہ ہونے کے دعوے کی تصدیق پیش نہیں کر سکا لہٰذا ان کو اکیلا لے جا کر قتل کر آیا ہے پس خدا نے (۱) کو دوبارہ زندہ کر دیا۔ چنانچہ وہ حضرت موسیٰ کے ساتھ واپس آئے۔ پھر کہنے لگے اگر تو اللہ سے رویت کا سوال کرتا تو وہ ضرور منظور کر لیتا ہم بنی اس کو دیکھ کر صحیح معرفت حاصل کر لیتے تو حضرت موسیٰ نے ان کو جواب دیا کہ خدا آنکھوں سے ہرگز نہیں دیکھا جا سکتا بلکہ اس کی نشانیاں دیکھ کر اس کو پہچانا جاتا ہے انہوں نے کہا کہ ہم ہرگز ایمان نہ لائیں گے۔ جب تک تو اللہ سے رویت کا سوال نہ کرے گا پس حضرت موسیٰ نے اپنی مناجات میں عرض کی میرے اللہ! تو بنی اسرائیل کی باتوں کو جانتا ہے اور ان کی مصلحتوں سے بھی واقف ہے پس وحی ہوئی اے موسیٰ وہ جو کچھ کہتے ہیں تو سوال کر ان کی جہالت کا مواخذہ میں تجھ سے نہ کروں گا۔ پس اسی وقت حضرت موسیٰ نے عرض کی رَبِّ اَرِنِیْٓ اَنْظُرْ اِلَیْكَ قَالَ لَنْ تَرٰىنِیْ ۔ اے میرے رب مجھے اپنا آپ دکھا تاکہ میں تجھے دیکھوں۔ ارشاد ہوا تو ہرگز مجھے نہیں دیکھے گا وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ لیکن پہاڑ کی طرف نظر کر فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ اگر وہ اپنی جگہ پر ٹھہرا رہا فَسَوْفَ تَرٰىنِیْ تو پس تو مجھے دیکھ لے گا فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ پس جب اس کے رب نے پہاڑ پر اپنی نشانیوں میں سے ایک نشانی کو ظاہر کیا جَعَلَهٗ دَكًّا۔ اس کو ریزہ ریزہ کر دیا۔ وَخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا اور حضرت موسیٰ مدہوش ہو کر گر گئے پس جب ہوش میں آئے تو عرض کی میرے اللہ میں اپنی قوم کی جاہلانہ روش سے تائب ہوں اور میں اس بات پر پہلا ایمان لانے والا ہوں کہ تو دیکھا نہیں جا سکتا۔

اقول جس آیت خدا کی تجلی پہاڑ پر ہوئی تھی اس کے متعلق بعض روایات میں ہے کہ ملاء اعلیٰ کے شیعان علی میں سے ایک شیعہ یعنی ملائکہ کروبیین میں سے ایک ملک مقرب کا نور تھا۔

ذکرِ رجعت

اس آیت سے علمائے امامیہ نے رجعت کا جواز ثابت کیا ہے۔ مذہب شیعہ میں رجعت کا مسئلہ مسلمہ حقیقت ہے
رکھتا ہے یعنی ظہور قائم آلِ محمدؐ عج کے بعد مخلص مومن اور خالص دشمنِ خدا و رسولؐ اٹھائے جائیں گے۔ دشمنانِ خدا کو
سزائیں ملیں گی اور مومنین کو خوشی و سرور نصیب ہوگا تفسیر برہان میں ہے کہ ابنِ کوا نے یہی مسئلہ حضرت امیرالمومنینؑ کی
خدمت میں پیش کیا آپ نے فرمایا کہ کئی قومیں ایسی ہیں جن کو خدا نے اپنی اجل مقرر سے پہلے بوجہ ان کے گناہوں کے موت
دے دی اور پھر دوبارہ ان کو زندگی بھی دی تاکہ دنیا سے اپنا رزق پورا حاصل کرلیں پھر بعد میں ان کو دوبارہ موت دی ابن کوا
نے جب یہ بات سُنی تو اس کو گراں معلوم ہوئی اور سمجھ نہ سکا آپ نے فرمایا۔ دائے ہو تیرے اوپر کیا تجھے معلوم نہیں کہ خدا
فرماتا ہے حضرت موسیٰؑ اپنی قوم سے ستر آدمی منتخب کر کے وعدہ گاہ پر لے گئے تاکہ کلام خدا سُن کر قوم کے سامنے موسیٰؑ کے
کلیم اللہ ہونے کے دعوے کی تصدیق کریں۔ اگر وہ مان جاتے اور تصدیق کر لیتے تو ان کے لیے بہتر تھا لیکن انہوں نے
موسیٰؑ کو کہا کہ جب تک اپنی آنکھوں سے خدا کو نہ دیکھیں گے نہ مانیں گے پس وہ صاعقہ کی زد میں آگئے یعنی مر گئے
پھر خدا نے ان کو زندہ کیا اے ابنِ کوا کیا یہ لوگ دوبارہ زندہ ہو کر اپنے گھروں کو نہیں گئے تھے؟ اس نے کہا نہیں جس
ان کو پھر خدا نے اسی جگہ موت دے دی تھی۔ آپ نے فرمایا تیرے اوپر ویل ہو خدا فرماتا ہے ہم نے ان کے اوپر سایہ
بادل کا کیا اور منّ وسلویٰ نازل کیا اور یہ سب ان کے دوبارہ زندہ ہونے کے بعد کا قصّہ ہے اور رجعت پر اس کے
علاوہ اور بہت سی آیات ہیں جو دلالت کرتی ہیں اپنے اپنے مقام پر ان کا بیان ہوگا۔

منّ وسلویٰ

من وسلویٰ کا سبب نزول جیسا کہ علامہ طبرسیؒ نے مجمع البیان میں ذکر فرمایا ہے یہ ہے کہ جب حضرت موسیٰ
علیہ السلام نے اپنی قوم کو بیت المقدس کی طرف روانگی کا حکم دیا اور قوم عمالقہ سے جہاد کا امر کیا تو انہوں نے صاف
انکار کر دیا اور کہا فَاذْهَبْ أَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا إِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُونَ ۔ ترجمہ۔ تو اور تیرا رب دونوں جا کر لڑو ہم
بیٹھے ہیں پس خداوند کریم نے ان کو تیہ نامی جنگل میدان کے عذاب میں مبتلا کر دیا وہ پانچ یا چھ فرسخ کا فاصلہ تھا اس میں سارا دن چلتے رہتے
جب شام ہوتی تو اسی مقام پر اپنے آپ کو پاتے تھے جہاں سے روانہ ہوئے تھے اور چالیس سال متواتر اسی

میں رہے اور حضرت موسیٰؑ و ہارونؑ کا انتقال بھی اسی میدان میں ہوا۔ جب بنی اسرائیل اس مصیبت میں گرفتار ہوئے تو اپنے کئے پر پشیمان ہوئے پس خدا نے ان پر کرم فرمایا کہ جب انہوں نے سورج کی گرمی کی شکایت کی تو خدا نے سایہ کے لئے بادل ان کے سروں پر بھیج دیا اور کھانے پینے کیلئے من وسلویٰ نازل فرمایا اور یہ صبح صادق سے لیکر سورج نکلنے تک ان پر اترتا تھا پس ہر شخص اپنے اس دن کی خوراک جمع کر لیا کرتا تھا حضرت صادقؑ سے مروی ہے کہ جو شخص اس وقت میں سویا رہتا تھا وہ اس دن کی خوراک سے محروم رہتا تھا اسی لئے اس وقت میں نیند کرنا مکروہ ہے بعضوں نے کہا ہے کہ دن کو ان کے اوپر بادل کا سایہ رہتا تھا اور رات کو آسمان سے ایک عمود نور اترتا تھا جو ان کو چراغ کا کام دیتا تھا اور جو ان کے ہاں بچہ پیدا ہوتا تھا خدا اس کا لباس اس کے ساتھ بھیج دیتا تھا۔ من وسلویٰ کے معنی میں اختلاف ہے من سے مراد بعض شہد لیتے ہیں بعض کہتے ہیں روٹی ہے۔ بعض کچھ اور کہتے ہیں اور جناب رسالتمآبؐ سے منقول ہے کہ کماۃ (کھمبی) من کی قسم ہے اور اس کا پانی آنکھ کے لئے باعث شفا ہے اور سلویٰ ایک قسم کا پرندہ تھا ایک روایت میں ہے کہ من سے مراد ترنجبین ہے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ رات کے وقت من اترتا تھا جبکہ وہ صبح کے وقت درختوں اور پتھروں وغیرہ سے اتار لیا کرتے تھے اور کھاتے تھے اور رات کے وقت ان کے دسترخوان پر بھونا ہوا پرندہ آجاتا تھا جب کھا پی چکتے تو وہ زندہ ہو کر پرواز کر جایا کرتا تھا۔

وَاِذْ قُلْنَا اکثر مفسرین کہتے ہیں کہ جس بستی میں بنی اسرائیل کو داخل ہونیکا حکم ہوا تھا اس سے مراد بیت المقدس ہے اور بعضوں نے کہا ہے کہ وہ اریحا تھی جو بیت المقدس کے قریب تھی کہتے ہیں کہ بیت المقدس کے شہر کی بنا حضرت داؤد علیہ السلام نے رکھی تھی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وقت

وَاِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ	
اور جب ہم نے کہا کہ داخل ہو جاؤ اس بستی میں پس کھاؤ اس سے جہاں	
شِئْتُمْ رَغَدًا وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُوْلُوْا	
کھلم کھلا اور داخل ہو تم دروازہ سے سجدہ کرتے ہوئے اور کہو	
حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ وَسَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۸﴾	
حطۃ (معافی) بخش دیں گے ہم تقصور تمہارے اور زیادہ دیں گے نیکی کرنے والوں کو	
فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَنْزَلْنَا	
پس بدل ڈالا ان لوگوں نے جو ظلم کئے تھے قول غیر اس کے جو ان کو کہا گیا تھا پس نازل کیا	
عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۵۹﴾	
ہم نے ان لوگوں پر جو ظالم تھے عذاب آسمان سے بوجہ اس کے کہ فسق کرتے تھے۔	

یہ شہر نہ تھا اور بستی اریحا حضرت موسیٰ کے زمانہ میں موجود تھی اور امام حسن عسکری علیہ السلام سے منقول روایت میں بھی اریحا اس بستی کا نام بتایا گیا ہے جو علاقہ شام میں تھی اور قوم عمالقہ اسی بستی میں آباد تھی اور عوج بن عنق کا مسکن بھی یہیں تھا اور یہ ان کا سرغنہ تھا۔ لیکن کیا حضرت موسیٰ نے ان کو اس بستی میں داخل ہونے کا حکم دیا تھا ان کے بعد ان کے وصی حضرت یوشع بن نون نے حکم دیا تھا ظاہر آیات سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم حضرت یوشع بن نون کی طرف سے تھا کیوں کہ اس حکم کے بعد وہ اس بستی میں داخل ہوئے لیکن حطۃ کی بجائے حنطۃ یا کوئی دوسرا قول تبدیل کر لیا اور سجدہ کرتے ہوئے جانے کی بجائے الٹا چوتڑوں کے بل گئے بہرکیف، اسی بستی میں داخل ہوئے اور یقیناً حضرت موسیٰ کے زمانہ میں بنی اسرائیل قطعاً بیت المقدس میں داخل نہیں ہوئے تھے۔ پس اس سے معلوم ہوتا ہے جیسا کہ بعض مفسرین نے خیال ظاہر کیا ہے کہ حضرت موسیٰ و ہارون کی رحلت کے بعد حضرت یوشع بن نون نے ان کو یہ حکم دیا تھا۔ اور یہ کلمہ حطۃ بھی تعلیم فرمایا اور سجدہ کرنے کا مشورہ بھی دیا لیکن انہوں نے ان کی نافرمانی کی چنانچہ پھر عذاب خدا نازل ہوا اور وہ یہ کہ خداوند کریم نے ان پر طاعون کی بیماری بھیج دی کہ ایک ہی گھنٹہ میں ان کے چوبیس ہزار بزرگ اور سن رسیدہ آدمی مر گئے۔

اور تفسیر برہان قالت الیہود لیست النصاریٰ الخ کی تفسیر میں مروی ہے کہ جناب رسولخدا نے فرمایا کہ طاعون سے بنی اسرائیل کے ایک لاکھ بیس ہزار آدمی ہلاک ہوئے اور صرف بچے باقی رہ گئے پس علم و عبادت سے محروم ہو گئے اور نیز ممکن ہے کہ اس ارض مقدسہ میں داخل ہونے کا حکم حضرت موسیٰ نے دیا ہو اور ان کا عمل (خواہ خلاف فرمان ہی تھا) بعد حضرت موسیٰ کے واقع ہوا ہو اور فابعث یقاتل پر داخل ہے یہ محض عطف کے لئے ہو اور یہ دخول کا حکم اس وقت معلوم ہوتا ہے جب کہ موسیٰ نے ان کو قوم عمالقہ سے جہاد کرنے کے لئے فرمایا تھا اور انہوں نے صریح لفظوں میں انکار کر دیا تھا اور کہا تھا کہ تو اور تیرا خدا دونوں جا کر لڑو ہم یہاں بیٹھے ہیں اور اس صورت میں فکلوا منہا حیث شئتم رغدا یعنی کھاؤ اس سے جہاں چاہو جی بھر کر اور کھلم کھلا۔ اس سے مراد یہ ہوگی کہ قوم عمالقہ پر فتحیابی حاصل کر کے ان کے اموال پر بطور غنیمت کے قبضہ کر لو اور کشادگی سے زندگی بسر کرو لیکن انہوں نے سرتابی کی جس کے بدلہ میں انہیں چالیس سال کی سرگردانی و پریشانی کا سامنا ہوا۔

کہتے ہیں کہ شہر کے سات یا آٹھ دروازے تھے جس دروازہ سے ان کو گذرنے کا حکم ہوا تھا وہ باب الحطۃ تھا اور نیز لفظ حطۃ ان کے لئے توبہ و استغفار کا کلمہ تھا اور خضوع و خشوع سے جھکتے ہوئے ان کو شہر میں داخل ہونے کا حکم تھا اور مجمع البیان میں ہے کہ دروازہ ان کے لئے چھوٹا رکھا گیا تھا تاکہ خواہ مخواہ وہ جھک کر گذریں لیکن انہوں نے حطۃ

کی بجائے حنطۃٌ (گندم) کا ورد شروع کر دیا اور سجدہ کرنے کی بجائے اکڑا کر اور سر اونچا کر کے پیر پہلے داخل کر دیئے اور پھر کھسک کر گذر گئے۔ نیز آیات کی روش سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس بستی کا داخلہ حضرت موسیٰؑ کی موجودگی میں ہوا ہو واللہ اعلم میں نے جو کچھ ذکر کیا ہے مفسرین کے اقوال کے نتائج ہیں۔

تفسیر عمدۃ البیان میں بعض کتب اہلسنت سے مروی ہے کہ جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا علی باب حطہ ہے جو اس میں داخل ہوگا مومن ہوگا اور جو اس سے خارج ہوگا کافر ہوگا اور مراد اس سے علیؑ کی پیروی کرنا ہے یعنی علی کا پیروکار مومن اور اس کی پیروی نہ کرنیوالا کافر ہے۔ نیز مجمع البیان میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا نحنؑ بابُ حِطَّۃٌ یعنی ہم تمہاری بخشش کا دروازہ ہیں اسی طرح تفسیر برہان میں عیاشی سے بھی منقول ہے۔

تفسیر امام حسن عسکری علیہ السلام سے منقول ہے کہ جس دروازہ سے بنی اسرائیل کو جھک کر داخل ہونے کا حکم تھا اس کے اوپر حضرت محمد مصطفیٰؐ اور حضرت علیؑ کی مثالیں موجود تھیں اور ان کے سجدہ کرنے سے مراد ان کی تعظیم اور ان کی ولایت کے عہد کو تازہ کرنا تھا۔ اور جب انہوں نے حکم کی خلاف ورزی کی تو خدا نے ان پر طاعون کا عذاب بھیجا چنانچہ تھوڑے ہی وقت میں ایک لاکھ بیس ہزار آدمی موت کے سیلاب میں بہہ گئے۔ خداوند کریم ان بنی اسرائیل کے واقعات سے جناب رسالتمآبؐ کے زمانہ کے بنی اسرائیل بلکہ جملہ مسلمانوں کو اطاعت کی دعوت دے رہا ہے تاکہ یہ لوگ ان لوگوں کے واقعات سے عبرت حاصل کر کے حق کو قبول کر کے عذاب سے نجات حاصل کرنے میں کامیاب ہوں

عصا کی حقیقت مروی ہے کہ یہ عصا آں جنت سے تھا جس کو حضرت آدمؑ ساتھ لائے تھے اور یہ حضرت شعیبؑ نے حضرت موسیٰؑ کو دیا تھا اس کی لمبائی دس ذراع تھی اور حضرت موسیٰ کا قد بھی اسی قدر تھا اس کے دو شعبے تھے جو رات کو روشن ہو کر تاریکی میں نورانیت کا فائدہ

وَاِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ
اور جب پانی طلب کیا موسیٰ نے اپنی قوم کے لئے پس ہم نے کہا مار اپنے عصا کو پتھر پر
الْحَجَرَ ؕ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ؕ قَدْ عَلِمَ
(تو انہوں نے مارا) پس پھوٹ نکلے اس سے بارہ چشمے تحقیق جان لیا ہر
كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ؕ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ
آدمی نے اپنا گھاٹ۔ کھاؤ اور پیئو اللہ کے رزق سے
وَلَا تَعْثَوْا فِى الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۝ وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى
اور نہ پھرو زمین میں فساد کرتے۔ اور جب تم نے کہا اے موسیٰ

لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ

ہم ہرگز صبر نہ کریں گے اوپر طعام ایک کے پس پکار ہمارے لئے اپنے رب کو کہ پیدا

لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَفُوْمِهَا

کرے ہمارے لئے ان چیزوں سے جن کو زمین اگاتی ہے ساگ ککڑی گندم

وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا ؕ قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِىْ هُوَ اَدْنٰى

دال اور پیاز فرمایا کیا تم بدلہ میں لیتے ہو اس چیز کو جو پست ہے

بِالَّذِىْ هُوَ خَيْرٌ ؕ اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ ؕ

بجائے اس کے جو بہتر ہے اترو شہر میں پس تحقیق تمہارے لئے وہ ہوگا جو تم نے

وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ ۗ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ

مانگا ہے اور ماری گئی ان پر ذلت اور خواری اور حاصل کر لے گئے ناراضگی

مِّنَ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ

اللہ کی یہ اس لئے کہ وہ کفر کرتے تھے اللہ کی آیات کے ساتھ اور قتل کرتے تھے

وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا

نبیوں کو ناحق یہ بوجہ اللہ کی نافرمانیوں کے تھا اور

وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ۝ ۶۱

اس لئے تھا کہ وہ سرکش تھے۔

دیتے تھے۔ اسی کو دریا پر مار کر شق کیا تھا اور یہی سانپ بن جایا کرتا تھا۔

حجر: بعض کہتے ہیں کہ یہ ایک مخصوص قسم کا پتھر تھا۔ جس کو حضرت موسیٰ ہر وقت پاس رکھتے تھے اور بوقت پیاس اس کو باہر نکال کر اوپر عصا مارتے تھے اور پانی جاری ہوتا تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ عام پتھر مراد تھا یعنی جس پتھر پر بھی زمین کے پتھروں میں سے عصا مارتے تھے پانی جاری ہوتا تھا بعض کہتے ہیں کہ وہ پتھر مربع شکل کا تھا۔ بعض نے کہا ہے کہ سر کی مانند تھا۔

بعض کہتے ہیں کہ اس پتھر پر بارہ گڑھے تھے اور ہر گڑھے سے ایک چشمہ جاری ہوا کرتا تھا اور کہتے ہیں کہ جس منزل پر پہنچے تھے وہی پتھر موجود تھا اور اس پر عصا مارنے سے پانی کے چشمے اس سے نکل پڑتے تھے اور ہر روز اس سے چھ لاکھ آدمی سیراب ہوتے تھے۔

بنی اسرائیل جب تیہ میں چالیس برس پھرتے رہے اس دوران میں یہ خدا کے احسانات ہیں جن کو ان آیات میں بیان کیا جا رہا ہے۔ دھوپ سے بچنے کے لئے بادل کا سایہ ان کے سروں پر ہوتا تھا کھانے کے لئے من وسلویٰ اترتا تھا۔ پینے کے لئے پتھر سے بارہ چشمے جاری ہوا کرتے تھے اور ہر چشمہ ایک ایک قبیلہ کے لئے ہوتا تھا اور جس مقام پر وہ قبیلہ فروکش ہوا کرتا تھا چشمہ خود اس طرف بہ کر جاتا تھا اور وہ اسی سے پیتے تھے اور اسی کے متعلق

خدا فرماتا ہے کہ ہم نے کہا اس اللہ کے دیئے ہوئے بے مشقت رزق سے کھاؤ اور پیئو اور زمین میں دنگا فساد وغیرہ نہ کرو اور روایات اہلبیت میں ہے کہ حضرت موسیٰ پتھر پر عصا مارتے ہوئے محمد و آلِ محمد کے وسیلہ سے دعا مانگتے تھے تب اس پتھر سے پانی جاری ہوتا تھا۔

سوال۔ پتھر سے پانی کیسے جاری ہو سکتا ہے حالانکہ وہ جامد چیز ہے اور پھر اتنا زیادہ پانی کہ چھ لاکھ آدمیوں کو سیراب کرے۔

جواب ۱۔ یہ حضرت موسیٰ کے معجزات میں سے ایک معجزہ تھا اور نبی کی صداقت منوانے کے لئے خداوند کریم ان کو ایسی خارق عادت چیز عطا فرما دیتا ہے جس سے عام لوگ عاجز ہوں۔ تاکہ ایسی چیزیں دیکھ کر انکے لئے نبی کی نبوت کے انکار کی جرات نہ ہو اور خدا کی قدرت سے یہ چیزیں بعید نہیں کیونکہ جو ذات تمام چیزوں کو کتم عدم میں سے معرض وجود میں لانے پر قادر ہے۔ اس کے لئے پتھر سے پانی نکالنا کوئی بڑی بات نہیں۔

بنی اسرائیل کو جب ایک عرصہ اسی حالت میں گذرا تو نعماتِ مذکورہ پر راضی نہ رہے اور حضرت موسیٰ سے سوال کیا کہ اللہ سے دعا مانگو کہ ہمیں وہی خوراک عطا کرے جو زمین سے اگا کرتی ہے مثلاً ساگ ککڑیاں گندم، دال اور پیاز وغیرہ تو حضرت موسیٰ نے ان کو سمجھایا کہ نعمات خدا کی بے قدری نہ کرو وہ بلا مشقت تمہیں رزق دے رہا ہے۔ اسے کھاؤ پیئو اور اس کی شکر گذاری کرو لیکن انہوں نے ایک نہ مانی آخر کار حضرت موسیٰ نے دعا مانگی اور اللہ کا حکم ہوا کہ مصر میں جاؤ۔ یہاں مصر سے بعضوں نے بیت المقدس مراد لیا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ مصر فرعون مراد ہے اور بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد کوئی سا شہر ہے۔ یعنی کسی شہر میں چلے جاؤ اور جو کچھ مانگتے ہو وہی کماؤ اور کھاؤ۔

اس بے شکری کے نتیجہ میں عزت کے بدلے ذلت، دولتمندی کی بجائے فقر و فاقہ اور رضائے خدا کے بدلہ میں غضب خدا ان کو نصیب ہوا اور غضب خدا کے مستحق بعد میں اس لئے بنے رہے کہ اللہ کی آیات کا انکار کرنا ان کا شیوہ تھا۔ اور بعد میں انبیاء جو ان کو کلمہ حق کہتے تھے تو وہ ان کو ناحق قتل کر دیا کرتے تھے اور یہ سب ان کی نافرمانیوں اور سرکشیوں کے نتائج تھے۔ پس ہمیشہ ذلیل و خوار رہے اور شاہان وقت کے مزاج کے خلاف جو احکام شریعت انبیاء سے سنا کرتے تھے۔ وہ بطور چغلخوری کے بادشاہوں کو سنا کر ان کو انبیاء کے قتل پر آمادہ کر دیتے تھے اور نبی قتل ہو جایا کرتے تھے چنانچہ روایات اہلبیت میں ہے کہ وہ لوگ خود قاتل نہ تھے

بلکہ انبیاء کے ازبادشاہوں پر فاش کرکے ان کے قتل کا موجب بنتے تھے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اس سے پہلے چونکہ بنی اسرائیل پر اللہ کی نعمات کا ذکر تھا اور ان کی نافرمانیوں کا قصہ تھا تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ جو لوگ ان میں اپنے نبی کے احکام پر چلتے تھے اپنے دین پر ثابت قدم تھے ان کا کیا حال ہوگا تو اس آیت میں اس کا حل ہے کہ خداوند کریم کسی کے اجر کو ضائع نہیں کرتا خواہ اس زمانہ میں جناب رسالتمآبؐ کی فرمانبرداری پر چلنے والے ہوں یا گذشتہ انبیاء کی امتوں میں سے اپنے زمانہ کے نبی کے پیرو ہوں بہرکیف جو شخص بھی اپنے زمانہ کے نبی کی ہدایت کے مطابق اللہ پر ایمان رکھتا ہو اور روز جزا (قیامت) کو مانتا ہو اور نیک عمل کرتا ہو اس کا اجر و ثواب اللہ

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالنَّصَارَىٰ وَالصَّابِئِينَ

تحقیق وہ لوگ جو ایمان لائے اور وہ لوگ جو یہودی اور نصرانی اور صابی ہوئے ان میں سے

مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ

جو بھی ایمان لائے ساتھ اللہ کے اور یوم آخر کے اور عمل نیک کرے پس ان کے لئے ان کا اجر

عِندَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٦٢﴾

ہے نزدیک اپنے رب کے اور ان پر نہ خوف ہوگا اور نہ حزن

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّورَ خُذُوا

اور (یاد کرو) جب لیا ہم نے تم سے وعدہ اور بلند کیا ہم نے تمہارے اوپر کوہ طور کو اور کہا۔

مَا آتَيْنَاكُم بِقُوَّةٍ وَاذْكُرُوا مَا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿٦٣﴾

پکڑو اس کو جو دیا ہم نے تمہیں ساتھ طاقت کے اور یاد کرو اس کو جو اس میں ہے تاکہ تقوی اختیار کرو

ثُمَّ تَوَلَّيْتُم مِّن بَعْدِ ذَٰلِكَ فَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ

پھر تم پلٹ گئے اس کے بعد پس اگر نہ ہوتا فضل خدا تم پر

وَرَحْمَتُهُ لَكُنتُم مِّنَ الْخَاسِرِينَ ﴿٦٤﴾ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ

اور اس کی رحمت البتہ تم خسارہ میں رہتے۔ اور البتہ تحقیق تم نے جان لیا

الَّذِينَ اعْتَدَوْا مِنكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُونُوا

ان لوگوں کو جنہوں نے سرکشی کی تم میں سے ہفتہ کے دن پس ہم نے ان کو کہا ہو جاؤ

قِرَدَةً خَاسِئِينَ ﴿٦٥﴾ فَجَعَلْنَاهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا

بندر ذلیل ہوا پس کیا ہم نے اسکو عبرت واسطے سامنے والوں کے

وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِينَ ﴿٦٦﴾

اور پیچھے والے کے اور نصیحت واسطے ڈرنے والوں کے

کے نزدیک ثابت ہے اور قیامت کے دن خوف وحزن سے محفوظ ہوگا۔

بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہ آیت ان لوگوں کے لئے ہے جو قبل بعثت پہلے نبیوں کے دین پر تھے اور جناب رسالتمآبؐ پر غائبانہ ایمان رکھتے تھے پھر کئی ان میں سے حضورؐ کا زمانہ پاسکے اور ایمان بھی لائے جیسے ابوذر وسلمان وغیرہ اور کئی حضرتؐ کی بعثت سے پہلے انتقال کر گئے۔

بعض کہتے ہیں کہ یہ آیت حضرت سلمان اور ان کے ساتھیوں کے حق میں ہے جو پہلے دین نصاریٰ پر تھے اور غائبانہ حضورؐ پر ایمان رکھتے تھے۔

وَاِذْ اَخَذْنَا پھر بنی اسرائیل کا ذکر شروع کر دیا حضرت موسیٰؑ کو چونکہ تورات کا وعدہ دیا گیا تھا تو بنی اسرائیل سے اقرار لیا گیا تھا کہ جب حضرت موسیٰؑ تورات کو لے آئیں گے تو تم کو اس سے اوامر ونواہی پر عمل کرنا ہوگا چنانچہ انہوں نے اقرار کیا لیکن جب حضرت موسیٰؑ تورات لے آئے اور اپنی قوم کو یہ خبر سنائی کہ مجھے خدا نے تورات عطا فرمائی ہے جس میں حلال وحرام کے احکام موجود ہیں تو انہوں نے کہا کہ ہم نہیں مانتے پس خداوند کریم نے ملائکہ کو حکم دیا کہ کوہ طور کو اٹھا کر ان کے سروں کے اوپر بلند کریں جب ملائکہ نے کوہِ طور کو بنی اسرائیل کے سروں پر بلند کیا تو ادھر حضرت موسیٰؑ نے فرمایا کہ اگر تم تورات کو قبول کرلو تو ٹھیک ورنہ یہ پہاڑ تمہارے اوپر گرا دیا جائے گا۔ پس انہوں نے تورات کو تسلیم کر لیا اور اللہ کا سجدہ بھی کیا لیکن پیشانی کو زمین پر ترچھا رکھکر ایک آنکھ سے پہاڑ کو دیکھتے تھے کہ کہیں اوپر گر نہ جائے اس لئے کہتے ہیں کہ یہودی اب تک سجدہ کرتے ہوئے پیشانی کو زمین پر ترچھا رکھتے ہیں۔

امام حسن عسکری علیہ السلام سے مروی ہے کہ جبریل کو حکم ہوا تھا کہ فلسطین کے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ کو ان کی فرودگاہ پر بلند کرے اور وہ پہاڑ کا ٹکڑا تین تین میل لمبا اور چوڑا تھا پس جبریل نے ان کے اوپر وہ پہاڑ بلند کیا تو انہوں نے تورات کے احکام پر عمل کرنے کا وعدہ کیا بعضوں نے صرف ڈر اور خوف سے اور بعضوں نے بدل وجان قبول کیا تھا۔ الخبر پس دل وجان سے ایمان لانے والے ثابت قدم رہے ڈر سے اقرار کرنے والے اپنے عہد سے پھر گئے۔

مچھلی کا شکار کرنیوالے۔ تفسیر برہان میں امام علی زین العابدین علیہ السلام سے منقول ہے کہ بنی اسرائیل میں سے ایک قوم جو دریا کے کنارہ پر رہتی تھی ان کے شہر کا نام ایلہ تھا خداوند کریم نے ان کو بذریعہ ان کے انبیاء کے ہفتہ کے دن مچھلی کے شکار سے منع فرمایا تھا پس انہوں نے اللہ کے حرام کو حلال بنانے کے لئے ایک حیلہ تلاش

کیا اور وہ یہ کہ دریا کے کنارے انہوں نے حوض بنا لئے اور دریا سے بذریعہ چھوٹی نالیوں کے ان کو ملا دیا تاکہ مچھلیاں ان نالیوں کے ذریعہ سے ان حوضوں میں داخل ہو سکیں اور وہاں سے نکل کر واپس دریا کی طرف نہ جا سکیں پس مچھلیاں سنیچر کے روز اللہ کی امان سمجھ کر آجاتی تھیں اور ان نالیوں سے پھر پھرا کر حوضوں میں داخل ہو جاتی تھیں پس جب بوقت شام واپس دریا کی طرف جانا چاہتی تھیں تاکہ کل کے شکار سے بچ جائیں تو واپس نہ جا سکتیں تھیں اور رات کو وہاں بندھ رہ جاتی تھیں پس صبح اتوار کو وہ لوگ ان کو آسانی سے پکڑ لیا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم نے سنیچر کو تو یہ شکار نہیں کیا بلکہ اتوار کو یہ شکار کیا ہے (لہٰذا یہ ہم پر حرام نہیں) حالانکہ وہ دشمنانِ خدا جھوٹے تھے کیوں کہ درحقیقت وہ مچھلیاں سنیچر کے دن ہی پکڑی جا چکی تھیں بذریعہ ان حوضوں اور نالیوں کے۔ پس اس حیلہ و بہانہ سے وہ لوگ بڑے مالدار و دولتمند ہو گئے اور کثرتِ زن و مال سے عیش و عشرت کی زندگی گذارنے لگے اور اس شہر کی آبادی اسّی ہزار سے زیادہ تھی جن میں سے ستر ہزار آدمی اس جرم میں مبتلا تھے اور دس ہزار سے کچھ اوپر اس فعل حرام سے محفوظ تھے پس یہ لوگ ان کو عذابِ خدا سے ڈراتے تھے اور ان کو اس فعل بد سے باز آنے کی دعوت دیتے تھے اور وعظ و نصیحت کرتے تھے لیکن کچھ اثر نہ ہوتا تھا پس وہ کہتے تھے کہ ہم نے اپنا فریضہ ادا کر دیا ہے کیونکہ ہمیں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا حکم تھا پس اللہ کے سامنے ہمارا عذر معقول ہے کہ ہم نے نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کر دیا ہے اور ہم دل سے اس فعل کو بُرا جانتے ہیں شائد کوئی ہماری نصیحت سے عذابِ خدا سے بچنے پر موفق ہو جائے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ ان لوگوں پر ہمارا وعظ و نصیحت کچھ اثر نہیں کرتا تو انہوں نے اس شہر سے ہجرت کر کے ایک علیحدہ بستی بسالی اور وہاں آباد ہو گئے تاکہ مبادا خدا کا عذاب نازل ہو کر ہمیں بوجہ مجاورت کے اپنی لپیٹ میں لے لے۔ پس[1] ایک رات کو وہ سوئے جب اٹھے تو سب بندروں کی شکل میں زن و مرد مسخ ہو چکے تھے شہر کے دروازے ویسے کے ویسے بند رہ گئے نہ کوئی وہاں سے باہر آتا تھا اور نہ کوئی اندر داخل ہو سکتا تھا جب بیرونی بستی والوں نے سنا تو انہوں نے شہر کا قصد کیا اور دیواروں پر چڑھ کر جھانکا اور سب عورتوں مردوں کو بندروں کی شکل میں مسخ دیکھا یہ دیکھنے والے ان میں سے اپنے کسی قریبی یا تعلق دار کو کسی علامت سے پہچانتے تھے پوچھتے کہ تو فلاں مرد ہے یا تو فلاں عورت ہے؟ تو وہ سر ہلا کر ہاں کا جواب دیتے تھے اور ان کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑتے تھے پس تین روز تک اسی حالت میں رہے پھر خداوند کریم نے بارش اور آندھی بھیج کر ان کو ختم کر دیا اور دریا میں ڈال

---

[1] بعض تفاسیر میں ہے کہ حضرت داؤد نے ان پر بد دعا کی تب ان پر مسخ کا عذاب آیا (منہ)

دیا اور کوئی مسخ شدہ جانور تین دن سے زیادہ نہیں رہتا۔ ہاں جن کو تم بندر دیکھتے ہو یہ وہ مسخ شدہ نہیں ہیں بلکہ ان کی شکلوں کے مشابہ ہیں اور یہ جانور ان کی نسل سے ہیں

مجمع البیان میں ابن عباس سے منقول ہے کہ ان کو خدا نے مسخ کیا تو تین دن تک زندہ رہے اور ایک دوسرے کو بھونکتے تھے۔ نہ انہوں نے کھایا نہ پیا۔ نہ نر و مادہ آپس میں جمع ہوئے۔ پھر خدا نے ان کو ہلاک کر دیا اور تیز ہوا نے ان کو اٹھا کر دریا میں جا پھینکا۔ پس یہ بندر اور سور ان کی اولاد نہیں ہیں بلکہ شکل میں ان کے مشابہ ہیں۔

پھر امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا کہ خداوند کریم نے مچھلی کے شکار کرنیوالوں کو مسخ کر دیا تو کیا حال ہوگا۔ ان لوگوں کا جنہوں نے ناحق اولاد رسول کو قتل کیا اور ان کی حرمت کی ہتک کی؟ خداوند کریم نے دنیا میں گو ان کو سزائے مسخ نہیں دی لیکن عذاب آخرت جو ان کے لئے تیار ہے وہ اس مسخ ہونے سے بہت زیادہ ہے۔ پس ایک شخص نے آنحضرتؑ کی خدمت میں عرض کی۔ یا ابن رسولؐ اللہ بعض ناصبی ہم پر اعتراض کرتے ہیں کہ اگر قتل حسینؑ ناجائز ہوتا تو بنی اسرائیل کے مچھلی کے شکار سے اس کا جرم سنگین ہوتا تو پھر قاتلانِ حسینؑ پر خدا کا غضب کیوں نازل نہیں ہوا جیسا کہ بنی اسرائیل کے مچھلی کے شکاریوں پر نازل ہوا؟ آپ نے فرمایا کہ ان ناصبیوں سے کہو ابلیس کا گناہ ان لوگوں سے سنگین ہے جو اس کے بہکانے سے گمراہ ہوئے لیکن وہ غرق ہو گئے جن کا گناہ ہلکا تھا اور وہ غرق نہیں ہوا جس کا گناہ سنگین تھا پس خدا نے اپنی مصلحت سے سنگین جرم والے کو مہلت دیدی اور ہلکے جرم والوں کو معذب کر دیا۔ اسی طرح بنی اسرائیل کے شکاری اور قاتلان حسینؑ میں سے بنی اسرائیل جو ہلکے جرم والے تھے معذب ہو گئے اور حسینؑ کے قاتل ابلیس کی طرح ایک وقت تک مہلت دیئے گئے۔ حالانکہ ان کا جرم سنگین تھا۔ نیز آپ سے سوال کیا گیا کہ یہ فعل گذشتہ زمانہ کے بنی اسرائیل کا تھا پھر زمانہ اسلام کے بنی اسرائیل کو اس فعل سے کیوں مخاطب کیا جا رہا ہے؟ تو آپ نے فرمایا جس کا ماحصل یہ ہے کہ ایک شخص کی قوم اگر کسی کو قتل کر دے یا کہیں ڈاکہ ڈال دے تو اس شخص کو کہا جا سکتا ہے کہ تم نے فلاں کو قتل کیا یا فلاں مقام پر ڈاکہ ڈالا حالانکہ یہ اس قتل یا ڈاکہ میں شریک نہیں تھا اور نیز اس زمانہ کے بنی اسرائیل چونکہ اپنے اسلاف کے افعال پر راضی تھے لہٰذا ان کو ان کے فعل کا شریک قرار دیا گیا۔ اور ان کو توبیخ و سرزنش کی گئی تاکہ اپنے عقیدۂ فاسدہ سے باز آ کر اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کریں۔

فَجَعَلْنَاهَا نَكَالًا ضمیر کا مرجع اگر بستی ہو تو معنی ہوگا کہ اسی بستی کو ہم نے عبرت قرار دے دیا اور اگر ضمیر کا مرجع عقوبت اور سزا ہو تو معنی ہوگا ہم نے اس سزا کو عبرت بنا دیا اسی طرح لِمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا میں مَا بَيْنَ يَدَيْهَا اور مَا خَلْفَهَا میں کئی احتمالات ہو سکتے ہیں۔

۱۔ مابَیْنَ یَدَیْھَا سے مراد وہ لوگ جنہوں نے آنکھوں سے ان لوگوں کو مبتلائے عذاب ہوتے دیکھا اور مَا خَلْفَھَا سے مراد بعد میں آنے والی نسلیں ہیں۔

۲۔ مَابَیْنَ یَدَیْھَا سے مراد قریب کی بستیاں اور مَا خَلْفَھَا سے مراد دور دور کی بستیاں ہیں

۳۔ مَابَیْنَ یَدَیْھَا سے مراد ان کے سابقہ گناہ اور مَا خَلْفَھَا سے مراد بعد والا گناہ جسمیں ماخوذ ہوئے۔

صادقین علیہما السلام کی روایت سے پہلے احتمال کی تائید ملتی ہے اور تمام احتمالات کی رُو سے معنی آیت کا یہ ہوگا کہ ہم نے اسی بستی کو یا اس بستی والوں کے عقاب و مسخ کو باعث عبرت قرار دیا دیکھنے اور سننے والوں کیلئے اور نزدیک و دور والوں کے لئے اور اگر نکال کا معنی عذاب لیا جائے تو پھر آخری احتمال سے معنی درست ہوگا یعنی وہ عذاب ان کے اگلے و پچھلے سب گناہوں کی سزا ہم نے قرار دیا۔ واللہ اعلم

فائدہ۔ یہود نصاریٰ اور صابی کی وجہ تسمیہ۔ مختصراً از تفسیر مجمع البیان۔

۱۔ یہود۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ ہود سے مشتق ہے اور اس کا معنی توبہ ہے چونکہ گوسالہ کی عبادت سے انہوں نے توبہ کی تھی اس لئے ان کو یہودی کہا گیا بعض کہتے ہیں کہ حضرتِ یعقوب کا بڑا فرزند یہوذا تھا یہ لوگ ان کی طرف منسوب ہیں جس طرح قومیں اپنے آباؤ اجداد کی طرف منسوب ہوا کرتی ہیں بعض کہتے ہیں کہ ہود کا معنی مائل ہونا ہے چونکہ یہ لوگ دین اسلام بلکہ دین موسیٰ سے پھر گئے۔ اس لئے ان کو یہود کہا جاتا ہے اور چوتھا قول اسمیں یہ ہے کہ تہوّد کا معنی حرکت کرنا ہے چونکہ یہ لوگ تورات کی تلاوت جھوم جھوم کر کرتے تھے اور اپنے جسم کو حرکت دیتے تھے اس لیے ان کو یہود کہا جاتا ہے۔

۲۔ نصاریٰ ابن عباس سے منقول ہے کہ حضرت عیسیٰ جس بستی میں رہتے تھے اس کا نام ناصرہ تھا۔ یہ لوگ اسی کی طرف منسوب ہیں دوسرا قول اسمیں یہ ہے کہ یہ نصرت سے مشتق ہے اور چونکہ یہ لوگ ایک دوسرے کی نصرت کرتے ہیں اس لئے ان کو نصاریٰ کہا جاتا ہے اور تیسرا قول یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ کی نصرت کا انہوں نے وعدہ کیا تھا اور کہا تھا نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰہ اس لئے ان کو نصاریٰ کہا جاتا ہے۔

۳۔ صابی کا معنی ہے ایک دین کو چھوڑ کر دوسرے دین کی طرف مائل ہونیوالا۔ بعض کہتے ہیں یہ لوگ اہل کتاب ہیں اور زبور کو مانتے ہیں بعض کہتے ہیں کہ وہ نصاریٰ کے مشابہ دین رکھتے ہیں لیکن ان کا قبلہ سمت جنوب ہے۔ اور دین نوحؑ کا دعویٰ رکھتے ہیں اس کے علاوہ اور اقوال بھی ہیں علمائے امامیہ کے نزدیک یہ لوگ اہل کتاب سے نہیں ہیں علامہ مجلسی نے بحار الانوار جلد ۱۴ باب عصمت ملائکہ میں ذکر فرمایا ہے کہ جو آسمانوں اور ستاروں کو واجب الوجود جانتے ہیں اور انہی کو کون

وفساد کا مدبر جانتے ہیں۔ وہی صابی ہیں اور حضرت ابراہیمؑ ان پر مبعوث تھے۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی۔ سوال:۔ بنی اسرائیل کو گائے کے ذبح کا حکم کیوں ہوا؟ جواب:۔ چونکہ وہ اس سے قبل گوسالہ پرستی کر چکے تھے پس اس موقعہ پر خدا نے ان کو گائے کے ذبح کا حکم دے دیا تاکہ ان کے دلوں سے گائے کی رہی سہی عظمت بھی چلی جائے اور کسی وقت بھی اس کے معبود ہونے کا تصور تک نہ کریں۔

هزوًا حضرت موسیٰ نے مسخری کو جاہلوں کا فعل بتلایا ہے علامہ طبرسی نے فرمایا ہے کہ مسخری کی دو صورتیں ہیں۔ یا تو کسی کی جسمانی وضع پر ہوگی یا اس کے فعل پر ہوگی پہلی صورت میں مسخری اس لئے ناجائز ہے کہ وہ تو اللہ کا فعل ہے اللہ نے بنایا ہی ایسا ہے۔ لہٰذا مسخری کا محل ہی نہیں اور دوسری صورت میں اگر اس کا فعل برا ہے تو اس کو نصیحت کرنی چاہئے نہ کہ اس سے مسخری کی جائے

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهٖٓ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ؕ

اور جب فرمایا موسیٰ نے اپنی قوم کو تحقیق اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ ذبح کرو ایک گائے

قَالُوْٓا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ؕ قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ

انہوں نے کہا کیا تو ہم سے مسخری کرتا ہے۔ فرمایا میں اللہ کی پناہ لیتا ہوں اس بات سے

الْجٰهِلِيْنَ ۝۶۷ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ؕ قَالَ

کہ جاہلین سے ہو جاؤں انہوں نے کہا پکار ہمارے لئے اپنے رب کو کہ ہمیں بتائے وہ کیسی ہو

اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَّلَا بِكْرٌ ؕ عَوَانٌۢ بَيْنَ

فرمایا کہ وہ فرماتا ہے تحقیق وہ ایسی گائے ہو جو نہ بوڑھی ہو اور نہ بچی اور میان ہو

ذٰلِكَ ؕ فَافْعَلُوْا مَا تُؤْمَرُوْنَ ۝۶۸ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ

ان دو حالتوں کے پس تم بجا لاؤ وہ جو تم کئے جاتے ہو انہوں نے کہا پکار ہمارے

يُبَيِّنْ لَّنَا مَا لَوْنُهَا ؕ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَآءُ

لئے اپنے رب کو کہ ہمیں بتائے اس کا رنگ کیا ہو فرمایا تحقیق وہ فرماتا ہے تحقیق وہ گائے ہو زرد پکے

فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ ۝۶۹ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ

رنگ کی کہ خوش کرے دیکھنے والوں کو انہوں نے کہا پکار ہمارے لئے اپنے رب کو

لَنَا مَا هِيَ اِنَّ الْبَقَرَ تَشَابَهَ عَلَيْنَا وَاِنَّآ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ لَمُهْتَدُوْنَ ۝۷۰

کہ ہمیں بتائے کہ وہ کیسی ہو تحقیق گائیں ایک دوسری سے متشابہ ہیں ہمارے سامنے اور تحقیق ہم اگر اللہ نے چاہا تو البتہ

قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُوْلٌ تُثِيْرُ الْاَرْضَ وَلَا تَسْقِي

ہدایت پانے والے ہیں۔ فرمایا تحقیق وہ فرماتا ہے کہ تحقیق وہ ایسی گائے ہو جو نہ رام شدہ ہو زمین پر ہل چلانے کیلئے اور نہ کھیتی

الْحَرْثَ مُسَلَّمَةٌ لَّا شِيَةَ فِيْهَا ؕ قَالُوا الْاٰنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ ؕ فَذَبَحُوْهَا

میرا بیل کرنے کے لئے سالم ہو اس میں کوئی عیب یا داغ نہ ہو انہوں نے کہا کہ اب تو نے حق بات کہی پس انہوں نے اس کو ذبح

لہٰذا مسخری کرنا گناہ کبیرہ ہے نیز مسخری کرنیوالے انسان کا لوگوں کے دلوں میں ذرہ بھر بھی وقار نہیں رہتا۔	ع	وَمَا كَادُوا يَفْعَلُونَ ۝ کیا حالانکہ ظاہر امید نہیں تھی کہ وہ کریں گے۔ منزل ۱

قَالُوا ادْعُ الآیہ بروایت ابن عباس جناب رسالتمآب سے منقول ہے کہ ان کو کوئی سی گائے ذبح کرنے کا حکم تھا لیکن انہوں نے خود اپنے اوپر سختی کی تو خدا نے بھی سختی کر دی اور اگر آخر میں انشاء اللہ نہ زبان پر جاری کرتے تو یہ سختی ان سے دور نہ ہوتی۔ مجمع البیان

فَاقِعٌ لَوْنُهَا۔ جناب صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ جو شخص زرد رنگ کا جوتا پہنے گا۔ جب تک وہ جوتا اس کے پاؤں میں رہے گا اس کو خوشی نصیب ہوگی اور نیز اس کو مال اور علم نصیب ہوگا (برہان)

واقعہ۔ مجمع البیان۔ ابن عباس سے منقول ہے کہ ایک مالدار شخص کو اس کے بھتیجوں نے قتل کر کے اس کی لاش ایک دوسرے محلہ والوں کے دروازہ پر ڈال کر ان پر قتل کا دعویٰ کر دیا اور حضرت موسیٰ سے اس کے قصد کی درخواست کی۔ ایک قول یہ ہے کہ اس کو اپنے سگے چچازاد نے اس کی وراثت سنبھالنے کے طمع سے اسے قتل کر کے خود دعویٰ دائر کر دیا اور ایک قول ہے کہ اس کی لڑکی سے شادی کرنے کے لئے اسے قتل کر دیا کیونکہ اس قاتل کو وہ نہ دینا چاہتا تھا اور کسی دوسرے کو مالدار کر دینا ارادہ رکھتا تھا اور حضرت صادقؑ سے بھی ایک روایت اسی مضمون سے وارد ہے تفسیر عیاشی سے مروی ہے کہ امام رضا علیہ السلام نے فرمایا کہ ایک شخص نے کسی اپنے قرابتدار کو قتل کر کے دوسرے قبیلہ کے محلہ میں ڈال کر اس کے قتل کا دعویٰ کیا تھا۔ تفسیر برہان میں امام حسن عسکری علیہ السلام سے منقول ہے کہ تین شخصوں نے جو آپس میں چچازاد تھے ایک عورت کے نکاح کی خواستگاری کی تو اس عورت نے ان میں سے جو عالم اور شریف تھا اس کے ساتھ نکاح کرنا منظور کیا تو باقی دونوں نے مشورہ کر کے اسکو قتل کر دیا اور رات کو اس کی لاش اٹھا کر بنی اسرائیل کے بڑے قبیلہ کے محلہ میں ڈال کر ان پر قتل کا دعویٰ دائر کر دیا۔ تفسیر برہان میں مروی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جن پر دعویٰ تھا حضرت موسیٰؑ نے ان کو بلایا اور ماجرا پوچھا تو انہوں نے قتل کا انکار کر دیا اور انہوں نے کہا کہ ہم سے قسمیں یا خون بہا لینے کی بجائے خدا سے صحیح قاتل کا علم کیا جائے خدا کی جانب سے وحی ہوئی کہ ایک گائے کو ذبح کر کے اس کا بعض حصہ مقتول کے جسم پر مارا جائے تو وہ خدا کے اذن سے زندہ ہو کر اپنا قاتل خود بیان کرے گا انہوں نے کہا آپ ہمارے ساتھ مسخری نہ کریں ہم مقتول کے متعلق پوچھتے ہیں اور آپ گائے کے ذبح کا حکم دیتے ہیں کبھی ایک مردہ کے دوسرے مردہ کے ساتھ

مگرانے سے بھی مردہ زندہ ہوتا ہے آپ نے فرمایا کہ مسخری جہلاء کا کام ہے۔ میں نے تو حکم خدا سنایا ہے جو خدا مرد اور عورت کے مردہ نطفوں کے ملنے سے زندہ انسان پیدا کر سکتا ہے اسی طرح تمہاری ہری بھری کھیتیاں مردنی کے بعد باذنِ خدا وجودِ حیات میں آئیں تو وہ خدا اس مردہ انسان کو بھی اس طریق سے زندہ کر سکتا ہے۔ آخر سوال و جواب کے بعد وہ گائے کے ذبح کرنے پر آمادہ ہوئے۔ روایت میں ہے کہ ان صفات کی گائے بنی اسرائیل میں سے ایک نوجوان کی ملکیت تھی جو اکثر محمد و آلِ محمد پر درود پڑھا کرتا تھا اور باپ کا اسقدر فرمانبردار تھا کہ ایک مرتبہ اس نے ایک چیز کو فروخت کرنا تھا تو اس میں اس کو بڑا نفع تھا جب خریدار پہنچے تو مال خانہ کی کنجیاں اس کے باپ کے سرہانے کے نیچے تھیں اور وہ محو خواب تھا۔ اس نے باپ کو نیند سے بیدار کرنا مناسب نہ سمجھا اور خریداروں کو واپس کر دیا جب باپ نے بیدار ہونے کے بعد لڑکے سے مال کے فروخت کے متعلق پوچھا تو لڑکے نے کہا کہ میں نے آپ کو بے آرام کرنا مناسب نہ سمجھا۔ لہٰذا مال فروخت نہیں ہو سکا تو باپ نے انعام میں اس کو یہ گائے دی تھی۔ پس سابقہ روایت کے مطابق جب بنی اسرائیل گائے خریدنے کے لئے آئے تو قیمت بڑھتے بڑھتے یہ مقرر ہوئی کہ بیل کی کھال دیناروں سے پُر اس گائے کا عوض ہو اور جب اسے پُر کیا گیا تو پچاس لاکھ دینار اس میں سماتے۔ پس لڑکے نے قیمت وصول کر لی اور گائے دے دی۔ انہوں نے اس کو ذبح کیا اور ایک حصہ اس کا جب مقتول کو مارا تو وہ باذن خدا زندہ ہوا اور اس نے اپنے دونوں چچا زاد بھائیوں کو اپنا قاتل بتایا اور وجہ قتل بھی بیان کی پس دونوں قاتلوں کو قصاص میں قتل کر دیا گیا مقتول نے جب دودھ کی برکت دیکھی تو درود محمد و آلِ محمد پر پڑھکر ان کے وسیلہ سے اپنی طول حیات کی دعا مانگی تو وحی ہوئی کہ اس کی اصل زندگی میں ساٹھ سال باقی تھے اور اس دعا کی بدولت ستر سال میں نے اس کو مزید عطا کئے لہٰذا اس کی باقی زندگی ایک سو تیس ۱۳۰ برس میں نے کر دی ہے۔ اور باقی بنی اسرائیل نے محمد و آلِ محمد کے وسیلہ سے دعا مانگی تو گائے کی اوگر قیمت سے دگنا خزانہ خدا نے اُن کو عطا فرمایا اللھم صل علیٰ محمد و آلِ محمد۔

وَاِذْ قَتَلْتُمْ الخ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ آیت معنی کے اعتبار سے پہلے ہے کیونکہ قتل کا واقعہ پہلے ہوا اور گائے ذبح کرنے کا حکم بعد میں ہوا تھا لہٰذا اس آیت کو پہلے

وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا ۭ وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ
اور جب قتل کیا تم نے ایک شخص کو پس جھگڑا کیا تم نے اس میں اور اللہ ظاہر کرنیوالا ہے جو کچھ تم چھپاتے
تَكْتُمُوْنَ ۝ فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا ۭ كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ
ہو پس کہا ہم نے مارو اس مقتول کو بعض حصہ اس گائے کا اسی طرح خدا زندہ کرتا ہے
الْمَوْتٰى وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ ثُمَّ
مُردوں کو اور تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے تاکہ تم سمجھو پھر

قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ	
سخت ہو گئے تمہارے دل اس کے بعد پس وہ پتھر جیسے (یا اس سے بھی)	
اَشَدُّ قَسْوَةً ؕ وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ	
سخت تر ہو گئے اور تحقیق بعض پتھر ایسے ہیں کہ البتہ بہتی ہیں ان سے نہریں	
الْاَنْهٰرُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا	
اور تحقیق بعض ان میں سے شق ہوتے ہیں پس نکلتا ہے ان سے پانی اور	
لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۷۴﴾	
تحقیق بعض ان میں سے گر پڑتے ہیں اللہ کے ڈر سے اور نہیں خدا غافل تمہارے اعمال سے	
اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ	
کیا پس تم (اے مسلمانو) طمع کرتے ہو کہ وہ ایمان لائیں تمہارے ساتھ حالانکہ تھا ایک فریق	
يَسْمَعُوْنَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ	
ان میں سے سنتے تھے اللہ کا کلام پھر اس کی تحریف کرتے تھے بعد سمجھ لینے کے	
وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۵﴾ وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا	
وہ جانتے تھے اور جب وہ ملتے ہیں مومنوں سے تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان	
وَاِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ قَالُوْٓا اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ بِمَا	
لائے اور جب تنہا ہوتا ہے ان کا بعض طرف بعض کے تو کہتے ہیں کہ کیا تم بتاتے ہو ان کو	
فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَآجُّوْكُمْ بِهٖ عِنْدَ رَبِّكُمْ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۷۶﴾	
وہ چیز جو جتوائی اللہ نے تمکو تاکہ حجت پکڑیں تم پر اس کی تمہارے رب کے سامنے کیا تم سمجھتے نہیں اتر	

ذکر ہونا چاہیے تھا۔

جواب (۱) یہ ضروری نہیں کہ جامع قرآن نے آیات قرآنیہ کو ترتیب نزول کے ماتحت جمع کیا ہو کیوں کہ ہمیں معلوم ہے کہ بہت سی آیات جو نزول میں پہلے تھیں لیکن موجودہ ترتیب میں وہ موخر ہیں اور جو آیات نزول میں موخر تھیں موجودہ ترتیب میں پہلے ہیں۔

۲۔ یہاں ترتیب واقعہ بیان کرنا مقصود نہیں بلکہ بنی اسرائیل پر اتمام حجت کے طور پر نعمات کا ذکر ہے ان کی ناقدر شناسی کا بیان ہے تاکہ موجودہ دور کے یہودی درس عبرت حاصل کریں

۳۔ اگر قصہ ہی سمجھا جائے تو مقصود اس سے گائے کے ذبح کا حکم اور بنی اسرائیل کے سوال و جواب کے بعد ان کے ذبح پر آمادہ ہونے کا بیان تھا اب یہاں پہنچ کر ایک سوال پیدا ہوتا تھا کہ اس گائے کو ذبح کرنے کا حکم کیوں ہوا تھا۔ اور اس میں اہمیت کیا تھی تو اس کا جواب دیا گیا کہ چونکہ انہوں نے ایک آدمی کو قتل کیا تھا اور ان کے باہمی نزاع کو ختم کرنے کے لیے خدا نے ان کو گائے کے ذبح کرنے کا حکم دیا تاکہ اس کا بعض حصہ اس مردہ کو مارا جائے

وہ خود زندہ ہو کر قاتل کی نشان دہی کرے گا۔ پس ترتیب آیات میں اس لحاظ سے کوئی اشکال نہیں اور گائے کی قربانی سے ان کو تعلیم دینا مقصود تھا کہ ہر مشکل کے لیے خدا کی بارگاہ میں قربانی سے مصیبت دور ہو جایا کرتی ہے اور نیز یہ بتلانا مقصود تھا کہ خدا جب چاہے اور جس طرح چاہے مردہ کو زندہ کرنے پر قادر ہے۔

فَقُلْنَا اضْرِبُوهُ بِبَعْضِهَا الخ۔ گائے کا بعض حصہ جو مقتول کو مارا گیا۔ پچھلی چوڑی تھی یا دم کی ہڈی تھی یا زبان تھی یا کوئی دوسری ہڈی تھی یا گوشت کا ٹکڑا تھا؟ اس میں مفسرین کے اقوال مختلف ہیں بعض روایات اہلبیتؑ میں دم کی ہڈی مذکور ہے۔ قرآن کا یہ واقعہ جناب رسالتمآبؐ کی نبوت کی واضح دلیل ہے کیوں کہ یہ واقعہ ایسا ہے کہ سوائے کتب متقدمہ کے مطالعہ کے کسی کو کیا معلوم تھا؟ اور آنحضورؐ ظاہری طور پر کسی پڑھے لکھے انسان سے ..... کچھ پڑھے نہ تھے اور نہ قبل بعثت علمائے یہود سے اٹھ بیٹھ تھی۔ پس ان کا واقعہ بیان فرمانا اور علمائے یہود کا اس واقعہ کی تصدیق کرنا قرآن کی حقانیت اور جناب رسالتمآبؐ کی صداقت کی کھلی اور واضح دلیل ہے

وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ پتھروں سے نہروں کے جاری ہونے سے مراد جس طرح عام پہاڑوں سے دریا نکلتے ہیں گویا پتھر سے مراد پہاڑ ہے اور دوسرے پتھر جو شق ہو کر پانی ان سے نکلتا ہے۔ جسطرح حضرت موسیٰؑ کے عصا مارنے سے پتھر سے چشمے کھلتے تھے جو بنی اسرائیل کو سیراب کرتے تھے اور پتھروں کا خوف خدا سے گرنا جیسے وہ پہاڑ جس پر حضرت موسیٰؑ نے بنی اسرائیل کے لئے رویت کا سوال کیا تھا اور تجلی سے وہ گر کر ریزہ ریزہ ہو گیا یہ انسانی قلوب کی سختی و نرمی کی مثالیں ہیں اور بنی اسرائیل کے دل گویا ان پتھروں سے سخت تر تھے اور وہ مثل ان پتھروں یا پہاڑوں کے تھے جن سے نہ پانی نکلتا ہے اور نہ وہ خوف خدا سے گرتے ہیں۔ بنی اسرائیل کو جب جناب رسالتمآبؐ نے یہ آیت سنائی تو ان کو گراں معلوم ہوئی روایت اہلبیتؑ میں ہے کہ وہ جمع ہو کر حضرت رسالتمآبؐ کی خدمت میں عرض گزار ہوئے کہ تیری نبوت کی تصدیق اگر پہاڑ کر دے تو ہم مان جائیں گے پس حضورؐ ان کو ساتھ لیکر ایک پہاڑ کے قریب آئے تو حضورؐ نے اس پہاڑ کو مخاطب کیا۔ اے پہاڑ بحق محمد و آلہ الطیبین جن کے نام کی برکت سے حاملین عرش سے عرش کا بوجھ ہلکا ہوا اور بحق محمد و آلہ الطیبین جن کے ذریعہ آدمؑ کی توبہ قبول ہوئی اور بحق محمد و آلہ الطیبین جن کی بدولت اور بس کو جنت میں اٹھایا گیا تو محمد کی گواہی دے پس پہاڑ کانپا اور اس سے پانی جاری ہوا اور اس سے ندا آئی اَشْهَدُ اَنَّكَ رَسُوْلُ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ روایت بہت لمبی ہے جسمیں آنحضورؐ کے معجزات باہرات کا ذکر ہے اور تفسیر برہان میں تفصیل مذکور ہے۔

وَقَدْ كَانَ فَرِيْقٌ اس سے مراد وہ گروہ ہے جو موسیٰؑ کے ساتھ کوہ طور پر اللہ کی کلام سن آیا تھا لیکن

واپس آکر بجائے موسیٰؑ اور تورات کی تصدیق کے قوم کے سامنے دوسری تاویلیں کر کے انکاری ہو گیا تھا یا یہ کہ تورات میں جو حضرت رسالت مآبؐ کی پیشین گوئیاں موجود ہیں ان کو سنتے تھے اور ان کی تحریف کر دیتے تھے کہ عوام یہود دھوکے میں رہیں۔

وَاِذَا لَقُوا الَّذِیْنَ خالص مومنوں سے ان علمائے یہود کی جب ملاقات ہوتی تھی جیسے سلمان مقداد تو ان کو کہتے تھے کہ ہم ایمان رکھتے ہیں لیکن جب آپس میں تنہا بیٹھتے تھے تو ایک دوسرے کو سمجھاتے تھے کہ تورات میں جو جناب محمد مصطفیٰؐ کے متعلق پیشگوئیاں ہیں وہ ان مومنوں کے سامنے بیان نہ کرو تاکہ قیامت کے روز ہم پر حجت نہ پکڑیں اور یہ نہ کہیں کہ تم نے جان بوجھ کر انکار کیا ہوا تھا اور اگر کوئی یہودی مسلمانوں کے سامنے کچھ بیان کر بیٹھتا تھا تو دوسرے اس پر ناراض ہو کر اس کو تنبیہ کرتے تھے اور کہتے تھے کہ تم ان کو ایسی باتیں بتلاتے ہو جو صرف تمہاری کتاب میں ہیں اور تمہیں ہی معلوم ہیں تاکہ وہ ہمیں ہماری کتاب سے لاجواب کر دیں۔

اَوَلَا یَعْلَمُوْنَ اکابر یہود چونکہ کمزور طبقہ سے یہ کہتے تھے کہ تورات میں جو جناب رسالتمآبؐ کے صفات موجود ہیں مسلمانوں سے مت بیان کیا کرو تاکہ اللہ کے نزدیک وہ ہم پر حجت نہ پکڑیں تو خدا وند کریم ان کے خیالات ناسدہ کی تردید فرما رہا ہے کہ خواہ وہ مسلمانوں سے بیان نہ کریں اور چھپانے میں کتنی ہی احتیاط کریں میں تو ان کی خفیہ و ظاہر سب باتوں کو جانتا ہوں

اُمِّیُّوْنَ اُمی کی جمع

اَوَلَا یَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ مَا یُسِرُّوْنَ وَمَا یُعْلِنُوْنَ ۝
کیا وہ نہیں جانتے تحقیق اللہ جانتا ہے جس چیز کو چھپاتے ہیں اور جس چیز کو ظاہر کرتے ہیں۔
وَمِنْهُمْ اُمِّیُّوْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ اِلَّاۤ اَمَانِیَّ وَاِنْ هُمْ
اور بعض ان میں ان پڑھ ہیں جو نہیں جانتے کتاب کو مگر خالی آرزوئیں اور ان کے پاس کچھ
اِلَّا یَظُنُّوْنَ ۝ فَوَیْلٌ لِّلَّذِیْنَ یَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَیْدِیْهِمْ
نہیں مگر خیالی پلاؤ پس ویل ہے ان لوگوں کے لئے جو لکھتے ہیں کتاب کو اپنے ہاتھوں
ثُمَّ یَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِیَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا
سے پھر کہتے ہیں یہ اللہ کی طرف سے ہے تاکہ حاصل کریں ساتھ اس کے مال قلیل پس
قَلِیْلًا ؕ فَوَیْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَیْدِیْهِمْ وَوَیْلٌ لَّهُمْ
ویل ہے ان پر ان کے ہاتھوں کے لکھے ہوئے کی وجہ سے اور ویل ہے ان پر
مِّمَّا یَكْسِبُوْنَ ۝ وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّاۤ اَیَّامًا مَّعْدُوْدَةً
ان کے کسب کئے ہوئے کی وجہ سے اور کہا انہوں نے ہرگز ہم کو آتش جہنم نہ چھوئیگی مگر چند دن گنے ہوئے

قُلْ أَتَّخَذْتُمْ عِندَ اللَّهِ عَهْدًا فَلَن يُخْلِفَ اللَّهُ عَهْدَهُ

کہو کیا لیا ہے تم نے اللہ سے وعدہ پس ہرگز نہ خلاف کرے گا اپنے وعدہ سے

أَمْ تَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝ بَلَىٰ مَن

یا تم کہتے ہو اوپر اللہ کے ایسی بات جو تم نہیں جانتے ہے ٹھیک جو

كَسَبَ سَيِّئَةً وَأَحَاطَتْ بِهِ خَطِيئَتُهُ فَأُولَٰئِكَ

کسب کرے برائی کا اور گھیر لیں اس کو گناہ اس کے پس وہ دوزخی

أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝ وَالَّذِينَ آمَنُوا

ہیں اس میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے۔ اور وہ لوگ جو ایمان

وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ

لائے اور انہوں نے عمل صالح کئے یہ جنتی ہیں وہ اس (جنت) میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے

ہے (جو لکھ پڑھ رہا ہے) اُمّ کی طرف منسوب ہے یعنی جس طرح ماں کے شکم سے پیدا ہوا تھا اور اسوقت کچھ نہ جانتا تھا۔ اب بھی اسی طرح کچھ نہیں جانتا یعنی وہ خود کچھ نہیں جانتے بس دوسرے لوگوں کے کہے کہلوائے کے پیچھے چلنے والے ہیں اور اپنے خیالی پلاؤ سے یہی آرزو رکھتے ہیں کہ ہم جنتی ہوں گے اور ان بے علم یہودیوں کی مذمت ہے جو بے سمجھے بوجھے اپنے علماء کی تقلید کرتے تھے لہٰذا اس سے یہ نتائج برآمد ہوتے ہیں۔

(۱) اصول دین میں جہاں علم حاصل کرنا واجب ہے اور ممکن بھی ہو وہاں تقلید ناجائز ہے۔

(۲) کتاب کی حجیت یا علم لوگوں پر قائم ہے اور ان پر واجب ہے کہ خود کتاب کے معنی کو سمجھیں

(۳) کتاب کے معانی کی معرفت حاصل کرنا ضروری ہے صرف پڑھ لینا کافی نہیں (عن مجمع البیان)

تفسیر امام حسن عسکری علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے سوال کیا گیا کہ عوام یہود و نصاریٰ جو خود کتاب کا علم نہ رکھتے تھے اور ان کا دین اپنے علما سے سنی سنائی چیزوں کے تابع تھا اور خدا نے ان عوام کی اس لئے مذمت کی ہے کہ وہ اپنے علماء کی تقلید میں تھے پس جب ان کے لئے علماء کی تقلید حرام تھی تو ہمارے عوام کے لئے علماء کی تقلید کیسے جائز ہے؟ آپ نے فرمایا کہ ہمارے عوام اور علماء میں فرق بھی ہے اور ایک لحاظ سے مساوات بھی ہے۔

عوام یہود کو معلوم تھا کہ ان کے علماء جھوٹ بولتے ہیں حرام کھاتے ہیں رشوت لیتے ہیں اور سفارشوں رشتہ داروں اور رواداریوں کی بنا پر احکام خدا کو تبدیل کر دیتے ہیں جن لوگوں پر ناراض ہوں ان کو حقوق سے محروم کر دیتے ہیں

اور جن پر راضی ہوں ان کو ناحق مال دلواتے ہیں وغیرہ لہٰذا خداوند کریم نے ان کی اس اندھا دھند تقلید کی مذمت فرمائی ہے اسی طرح ہمارے عوام بھی اگر اپنے علماء کو فاسق۔ متعصب۔ مال دنیا کے اور حرام خور پائیں اور ایسے ہوں کہ جس پر راضی ہوں اسکو ناحق مال دلوائیں اور جس پر ناراض ہوں اس کو اپنے جائز حقوق سے محروم کر دیں غرضیکہ بدترین ہوں۔ تو ایسے علماء کی تقلید کرتے ہیں ہمارے عوام اور یہود کے عوام میں کوئی فرق نہیں ہے لیکن فقہا میں سے جو شخص اپنے نفس کو حرام سے بچانے والا دین کا نگہبان خواہش نفس کا مخالف اور اپنے مولا کے فرمان کا مطیع ہو پس عوام کے لئے اس کی تقلید کرنا جائز ہے۔ اور اس صفت سے ہمارے بعض شیعہ فقہا متصف ہیں سب نہیں۔ روایت طویل ہے میں نے حسب ضرورت ایک حصہ کا مختصر سا ترجمہ پیش کیا ہے اور یہ بحث اس تفسیر کی جلد اول یعنی مقدمہ میں تقلید کے باب میں مفصل لکھی جا چکی ہے۔

فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ الخ۔ یہ ان علماء کی مذمت ہے جو کتاب خدا میں اپنی طرف سے اپنی خواہشات کے مطابق احکام داخل کر کے یا جناب رسالتمآبؐ کی صفات میں تبدیلی کر کے لکھ دیتے تھے اور عوام یہود کو سناتے تھے تاکہ امراء سے رقم وصول کر لیں کیونکہ ان کی مرضی کے مطابق یہ احکام ہوا کرتے تھے اور عوام کو دین اسلام سے منحرف کر کے ان پر اپنا وقار قائم رکھیں اور ان سے سالانہ اپنے مقرر شدہ وظائف وصول کر کے شکم پری کرتے رہیں کیونکہ تورات میں جو جناب رسالتمآبؐ کی صفات درج تھیں۔ اگر عوام کے سامنے وہ بیان کرتے تو عوام اسلام کے حلقہ بگوش ہو کر ان سے کنارہ کش ہو جاتے اور ان کے دلوں سے ان کا وقار ختم ہو جاتا اور سالانہ آمدنی میں کمی واقع ہو جاتی۔

وَقَالُوا لَن تَمَسَّنَا النَّارُ الخ۔ ابن عباس سے منقول ہے کہ جب جناب رسالتمآبؐ مدینہ میں وارد ہوئے تو یہودیہ کہتے تھے کہ مدت دنیا کل سات ہزار سال ہے اور گنہگار کو ہر ہزار سال کے بدلہ میں ایک دن عذاب ہوگا یعنی کچھ سات دن عذاب ہوگا پھر ختم ہو جائیگا بعض کہتے ہیں کہ ان کا اعتقاد تھا کہ ہم پر عذاب کی کل مدت چالیس دن ہوگی جتنے دن ہم نے گوسالہ پرستی کی تھی۔ پس یہ آیت نازل ہوئی اور ان کے اس خیال کی پرزور مذمت کی گئی۔

مَن كَسَبَ سَيِّئَةً الخ۔ روایات اہلبیتؑ میں ہے کہ سیئۃ سے مراد انکارِ ولایت علی بن ابی طالب ہے۔ جناب رسالتمآبؐ سے سوال کیا گیا کہ اصحاب النار سے کون لوگ مراد ہیں تو آپ نے فرمایا جو علی سے جنگ کریں اور حضرت علی کو فرمایا یا علی حربی حرب مسلم یعنی اے علیؑ تیرے ساتھ لڑائی میرے ساتھ لڑائی اور تیرے ساتھ صلح میرے ساتھ صلح کے مترادف ہے الخ اور ان آیات میں یہودیوں کے عقیدہ کی تردید ہے یعنی جو برائی کا کسب کریں گے وہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے سات روز یا چالیس دن کا خیال دل سے نکال دیں اور جو نیکی کریں گے ایمان کے ساتھ وہ جنت میں جائیں گے اور وہاں وہ بھی ہمیشہ رہیں گے۔

والدین کی اطاعت

وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا ۔ والدین کی اطاعت فرض ہے یہاں تک کہ لڑکا مستحبات شرعیہ بھی والدین کی اجازت کے بغیر ادا نہیں کر سکتا البتہ اگر واجبات سے والدین روکیں تو لڑکے پر ان کی یہ اطاعت واجب نہیں بلکہ حرام ہے کیوں کہ خدا کا حق والدین کے حق سے مقدم ہے۔

ع

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَائِيلَ لَا تَعْبُدُونَ إِلَّا اللَّهَ

اور جب لیا ہم نے وعدہ اولاد یعقوب سے کہ نہ عبادت کرنا مگر اللہ کی اور

وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ

والدین کے ساتھ نیکی کرنا اور قریبیوں کے ساتھ اور یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ

وَقُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ

اور کہنا لوگوں کو اچھی بات اور قائم کرو نماز ادا کرو زکوٰۃ

ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ إِلَّا قَلِيلًا مِنْكُمْ وَأَنْتُمْ مُعْرِضُونَ ﴿٨٣﴾ وَإِذْ أَخَذْنَا

پھر تم پھر گئے مگر تھوڑے تم میں سے اور تم لوگ روگردانی کرنے والے تھے اور جب لیا

مِيثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُونَ دِمَاءَكُمْ وَلَا تُخْرِجُونَ أَنْفُسَكُمْ

ہم نے وعدہ تم سے کہ آپس میں خونریزی نہ کرنا اور نہ نکالنا اپنے نفسوں کو اپنے

مِنْ دِيَارِكُمْ ثُمَّ أَقْرَرْتُمْ وَأَنْتُمْ تَشْهَدُونَ ﴿٨٤﴾

گھروں سے تم نے اقرار کیا اور تم مانتے ہو۔

اور منقول ہے لبد بخت اولاد ہے وہ جس کو والدین کی خدمت کا موقعہ ملے اور وہ ان کی خدمت نہ کر سکیں وافی میں کافی سے منقول ہے کہ حضرت صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ والدین کے ساتھ احسان کا مطلب یہ ہے کہ ان کے ساتھ حسنِ صحبت رکھو۔ اور جن چیزوں کی ان کو ضرورت ہو تم پورا کر دو قبل اس کے کہ وہ تم سے سوال کریں۔ اور فرمایا ان کی طرف نظر محبت

دیا سے کرو۔ اپنی آواز ان کی آواز سے بلند نہ کرو اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ سے اونچا نہ کرو ان کے آگے نہ چلو اور جناب رسالتمآبؐ سے مروی ہے کہ باپ کا فرزند پر یہ حق ہے کہ اس کو نام لیکر نہ بلائے اس کے سامنے نہ چلے۔ اس سے پہلے نہ بیٹھے اور اس کو گالی نہ دلوائے۔ ایک شخص نے جناب رسالتمآب کی خدمت میں عرض کی کہ آپ مجھے کوئی وصیت فرمائیں آپ نے فرمایا کہ اللہ کے ساتھ شرک نہ کرنا خواہ تجھے آگ میں ہی جلایا جائے اور تجھے عذاب دیا جائے۔ پس تیرا دل ایمان

کی دولت سے پُر ہو۔ اور ماں باپ کی اطاعت کرہ خواہ وہ زندہ ہوں یا مر جائیں۔ حتیٰ کہ اگر تجھے بیوی بچوں اور مال سے علیحدہ ہونے کا حکم دیں تو تجھ پر اطاعت واجب ہے اور یہی ایمان ہے۔

حضرت صادق علیہ السلام سے سوال کیا گیا کہ اعمال میں سے کون سا عمل افضل ہے تو آپ نے فرمایا وقت پر نماز پڑھنا اور ماں باپ کی اطاعت کرنا اور اللہ کے رستہ میں جہاد کرنا۔

ایک شخص نے حضرت رسالتمآبؐ کی خدمت میں عرض کی کہ مجھے جہاد سے بڑی محبّت ہے۔ آپ نے فرمایا پس اللہ کے رستے میں جہاد کیا کر کیونکہ اگر قتل کیا جائے گا تو اللہ کے نزدیک تو زندہ ہوگا۔ اور رزق دیا جائے گا اور اگر مرے گا تو تیرا اجر اللہ کے نزدیک محفوظ ہوگا اور اگر خیر و سلامتی سے پلٹ آئے گا تو ایسا ہے گویا تو گناہوں سے پاک ہو گیا جس طرح شکم مادر سے پیدا ہوا تھا۔ اس نے عرض کی کہ حضورؐ میرے ماں باپ بوڑھے ہیں اور ان کو مجھ سے بڑی محبت ہے وہ میرا گھر سے باہر جانا پسند نہیں کرتے تو آپ نے فرمایا کہ اس صورت میں تو ماں باپ کی خدمت میں رہ۔ مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے ان کا ایک شب و روز تیرے ساتھ محبت کرنا ایک سال کے جہاد سے افضل ہے۔

اسی طرح ایک نوجوان نے جہاد سے محبت ظاہر کی اور ماں کی محبت کا تذکرہ کیا کہ وہ مجھ سے جدائی نہیں چاہتی تو آپ نے فرمایا تو واپس ماں کی خدمت میں چلا جا مجھے اس ذات کی قسم ہے جس نے مجھے برحق مبعوث برسالت کیا ہے اس کی تجھ سے ایک رات کی محبت ایک سال کے جہاد فی سبیل اللہ سے افضل ہے۔

حضرت صادق علیہ السلام کی خدمت میں ایک شخص نے عرض کی کہ میرا باپ بہت بوڑھا ہے قضائے حاجت کے لئے بھی ہم اس کو اٹھا کر لے جاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تو کر سکتا ہے تو یہ کام خود کیا کر اور اپنے ہاتھ سے اس کے منہ میں لقمہ دیا کر یہ خدمت کل تیرے لئے ڈھال کا کام دے گی۔

ایک شخص دین نصاریٰ چھوڑ کر مسلمان ہوا اور حج پر گیا وہاں حضرت صادق علیہ السلام کی زیارت کی اور اپنی ماں جو نابینا تھی کی خدمت کے متعلق سوال کیا آپ نے فرمایا پس ماں کی خدمت کیا کر وہ کہتا ہے کہ حج سے واپس میں اپنے گھر کوفہ میں آیا اور ماں کی خدمت میں مشغول ہوا اسے کھانا اپنے ہاتھوں سے کھلاتا تھا۔ اس کے کپڑے صاف کرتا تھا اور اس کی ہر ممکن خدمت کرتا تھا تو ماں نے پوچھا بیٹا! جب تک تو میرے دین پر تھا تو اتنی خدمت نہیں کیا کرتا تھا۔ جب سے تو نے اسلام قبول کیا ہے میری زیادہ خدمت کرتا ہے۔ میں نے کہا ہمارے نبی کی اولاد میں سے ایک بزرگ نے مجھے یہی حکم دیا ہے۔ ماں نے پوچھا کیا وہ نبی ہے؟ میں نے کہا نہیں بلکہ وہ نبی کی اولاد سے ہے

ماں نے کہا بیٹا! وہ یقیناً نبی ہے کیونکہ یہ چیز انبیاء کی وصیتوں میں سے ہے میں نے کہا مادر گرامی۔ ہمارے نبی کے بعد اور کوئی نبی نہیں ہوگا یہ اس کا فرزند ہے۔ پس وہ کہنے لگی بیٹا! تیرا دین اچھا ہے۔ مجھے بھی سکھا۔ میں نے اس کو سکھایا اور وہ مسلمان ہو گئی۔ پھر عصر، مغرب، عشا یہ چار نمازیں اس نے پڑھیں اور رات کو عارضہ میں مبتلا ہو گئی۔ اور آخری وقت پھر اصول دین کا اقرار کیا اور مر گئی تمام مسلمان اس کی تجہیز و تکفین میں شامل ہوئے اور میں نے خود اس کا جنازہ پڑھا (تو جملہ روایت میں نے مختصر الفاظ میں کیا ہے)

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ بعض اوقات انسان زندگی میں والدین کا فرمانبردار ہوتا ہے اور جب وہ مر جاتے ہیں تو ان کا بے فرمان بن جاتا ہے کیوں کہ نہ ان کے قرضے ادا کرتا ہے اور نہ ان کے لئے استغفار کرتا ہے پس دفتر عدل خداوندی میں وہ عاق لکھا جاتا ہے اور بعض انسان ماں باپ کی زندگی میں ان کے بے فرمان ہوا کرتے ہیں اور ان کے مرنے کے بعد فرمانبردار ہو جاتے ہیں کہ ان کے قرضے ادا کرتے ہیں اور ان کے لئے استغفار کرتے ہیں پس دفتر عدل خداوندی میں وہ والدین کے اطاعت گزار لکھے جاتے ہیں۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے فرماتے ہیں تمہیں کیا ہے کہ والدین کے ساتھ احسان نہیں کرتے زندہ ہوں یا مر گئے ہوں ان کی طرف سے نماز پڑھو۔ صدقہ دو۔ حج کرو ان کے روزے رکھو کیونکہ یہ اعمال ان کے ہو جائیں گے اور کرنے والے کو بھی اسی قدر ثواب ملے گا اور خدا اس سے زیادہ اس کو عطا کرے گا۔ یہ سب روایات وافی سے منقول ہیں۔

ایک روایت میں ہے ماں باپ کے چہرہ کی طرف مہر و محبت کی نگاہ عبادت ہے۔ مقدمہ تفسیر میں پوری روایت مذکور ہے۔

عنوان الکلام میں ہے کہ ماں باپ کی طرف نظر کرنا ایک حج کے ثواب کے برابر ہے اور ہر روز جمعہ ان کی قبروں کی زیارت حج کا ثواب ہے۔

جلد ثالث بحار الانوار میں کافی سے منقول ہے کہ حضرت صادق علیہ السلام نے فرمایا جنت کی خوشبو پانچسو سال کی راہ سے آئے گی لیکن اپنے والدین کا فرمان اسے نہ سونگھے گا احادیث اس باب میں حد تواتر سے زیادہ ہیں نیک نیت اور صاف دل انسان کے لئے اسی قدر کافی ہے اس کے بعد بھی مناسبت مقام کے اعتبار سے دیگر احادیث انشاء اللہ نقل ہوتی رہیں گی۔

یہ تبر والدین کی ظاہری تفسیر تھی اب ذرا اس کی باطنی تفسیر و تاویل ملاحظہ فرمائیے۔ تفسیر برہان میں روضۃ الواعظین

سے منقول ہے کہ حضرت امام جعفر صادقؑ نے وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا کی تفسیر میں فرمایا کہ والدین حضرت محمد مصطفیٰؐ اور حضرت علی مرتضیٰؑ ہیں حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام سے مروی ہے۔ کہ جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا کہ تمہارے افضل والدین اور زیادہ مستحق شکر محمدؐ و علیؑ ہیں حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا میں نے جناب رسالتمآبؐ سے سنا کہ فرماتے تھے اَنَا وَعَلِیٌّ اَبَوَا هٰذِهِ الْاُمَّةِ میں اور علیؑ اس امت کے باپ ہیں اور ہمارے حقوق ان پر اپنے والدین کے حقوق سے زیادہ ہیں کیونکہ اگر وہ ہماری اطاعت کریں گے تو ہم انہیں جہنم سے نکال کر جنت پہنچائیں گے اور غلامی سے نکال آزادی دلوائیں گے پس انسان کو اپنے والدین کی اطاعت میں زندگی بسر کرنی چاہیئے جنت بغیر اطاعت والدین میسر نہ ہو گی نہ ظاہری والدین کی اطاعت کے بغیر خدا کی خوشنودی حاصل ہو سکتی ہے اور نہ باطنی اور روحانی والدین کی اطاعت کے سوا رضائے خدا ہوتی ہے۔ پس بہر کیف جنت والدین کے قدموں میں ہے

وَذِی الْقُرْبٰی اپنے قرابت داروں کے ساتھ احسان کرنا صلہ رحمی ہے اور روایات میں ہے کہ صلہ رحمی کرنے والے پر قیامت کا حساب آسان ہو گا اور جناب امام حسن عسکری علیہ السلام سے مروی ہے کہ جو شخص اپنے والدین کی قرابت کے حقوق کی رعایت کرے گا اس کو جنت میں ہزار درجہ عطا ہو گا کہ ہر دو درجہ کے درمیان تیز رو گھوڑے کا ایک لاکھ سال کا رستہ ہو گا اور اس کے بعد پھر امامؑ نے درجات کی تفصیل کسی حد تک بیان فرمائی اور پھر فرمایا کہ جو شخص حضرت محمد مصطفیٰؐ اور علی مرتضیٰؑ کے قرابت داروں کے حقوق کی رعایت کرے گا۔ تو نسبی قرابت داروں کے حقوق کی رعایت کے ثواب سے اس کا ثواب اتنا زیادہ ہو گا جتنا نسبی والدین اور روحانی والدین جناب محمد مصطفیٰؐ اور علی مرتضیٰؑ کے مراتب اور درجات میں فرق ہے۔ پس خدا کا غضب نازل ہو ان لوگوں پر جنہوں نے رسولؐ و علیؑ کے قریبیوں کے حقوق کی رعایت کرنا تو بجائے خود ان کو اس قدر ستایا کہ آج تک روحِ رسول اس صدمہ سے گریاں ہے چنانچہ امام زین العابدینؑ سے مروی ہے کہ باوجودیکہ ہمارے نانا مسلمانوں کو ہمارے ساتھ احسان کرنے کی اور ہمارے حقوق کی رعایت کرنے کی بار بار تلقین کر گئے تھے لیکن ان مسلمانوں نے ہمیں وہ مصائب و دکھ پہنچائے ہیں کہ اگر ہمارے نانا مسلمانوں کو ہمارے ستانے کی وصیت فرما جاتے تو مسلمان اس سے زیادہ ہمیں مصائب و دکھ پہنچا کر نہ ستا سکتے وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ۔

وَالْيَتٰمٰی جناب امام حسن عسکری علیہ السلام سے مروی ہے کہ جناب رسالتمآبؐ نے یتیم پروری کی بڑی تاکید فرمائی کیونکہ وہ اپنے باپ کے سایۂ عاطفت سے محروم ہوتے ہیں پس جو ان کی حفاظت کرے گا خدا اس کی

حفاظت کرے گا۔ اور جو ان کی عزت کرے گا خدا اس کی عزت کرے گا اور جو شخص از راہ کرم یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرے خداوند کریم اسے اس کے ہاتھ کے نیچے آنے والے بال بال کے بدلے ایک ایک حلۂ جنت عطا فرمائے گا جو دنیا و مافیہا سے بزرگ تر ہوگا اور ان میں ہر وہ چیز مہیا ہوگی جسکو اس کا جی چاہے گا اور آنکھ ٹھنڈی ہوگی اور وہ ہمیشہ رہیں گے خدا آلِ محمدؐ کے یتیموں پر ظلم کرنیوالوں پر لعنت کرے۔

عُلمائے صالحین کا مقام

البرہان: امام حسن عسکری علیہ السلام نے فرمایا ظاہری باپ کے سایہ سے محروم ہونے والے یتیم سے بھی زیادہ قابل رحم وہ یتیم ہے جو روحانی باپ یعنی اپنے امام سے دور ہو جائے اور اس تک پہنچ نہ سکے اور اسے یہ معلوم نہ ہو سکے کہ احکام دینیہ میں جن سے مجھے واسطہ ہے میرے امام کا کیا حکم ہے آگاہ ہو! کہ ہمارے شیعوں میں سے جو شخص ہمارے علوم کا عالم ہو اور ہماری شریعت سے جاہل کو واقف کرے جو ہماری زیارت سے محروم ہے پس وہ جاہل اس عالم کی گود میں (ہمارا) یتیم ہے پس جو عالم اس کو ہدایت کرے اس کی رہبری کرے اور اس کو تعلیم دے ہماری شریعت کی وہ رفیق اعلیٰ میں ہمارے ساتھ ہوگا (رفیق اعلیٰ سے مراد مقام جنت ہے)۔

آپ نے فرمایا کہ یہ حدیث میرے آباء طاہرین نے جناب رسولِ پاک سے بیان فرمائی ہے۔

حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا۔ ہمارے شیعوں میں سے جو شخص ہماری شریعت کا عالم ہو پس وہ ہمارے کمزور شیعوں کو ان کی جہالت کی تاریکی سے نکال کر ان کو علم کی روشنی تک پہنچانے جو ہماری طرف سے اس کو پہنچا ہے تو جب وہ وارد محشر ہوگا اس کے سر پر ایک نورانی تاج ہوگا جس سے تمام عرصۂ محشر منور ہو جائیگا اور اس کو حلۂ بہشتی پہنچایا جائے گا جس کی ایک ادنیٰ تار کی قیمت ساری دنیا نہیں ہو سکتی اور پھر اللہ کی جانب سے منادی ندا کرے گا اے بندگان خدا یہ آلِ محمدؐ کے شاگردوں میں سے ایک عالم ہے پس جس جس انسان کو دنیا میں اس نے جہالت کی تاریکی سے نکالا تھا وہ اس کے نور کے ساتھ تمسک پکڑ لیں تاکہ یہی عالم اس کو عرصۂ محشر کی تاریکی کی حیرت سے نکال کر باغاتِ جنت میں پہنچا دے پس دنیا میں جن جن لوگوں کو اس نے اپنے فیوض سے بہرہ ور کیا ہوگا یا جہالت کا قفل اس کے دل سے توڑا ہوگا یا اس کے کسی عقدہ کو حل کیا ہوگا وہ تمام اس عالم کے ساتھ تمسک پکڑ کر داخل جنت ہوں گے۔

وَالْمَسَاكِينَ: مسکین کی جمع ہے یعنی جس کو فقر و فاقہ زمین پر بٹھا دے کہ وہ حرکت نہ کر سکے گویا سکون سے مشتق

ہے حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام سے مروی ہے کہ جو شخص مساکین کی اپنے زائد مال سے خبر گیری کرے خداوند کریم جنت میں اس کو وسیع مقام عطا فرمائے گا یعنی اپنی جملہ نعمات کو اس پر وسیع کر دے گا اور اس کو اپنی مغفرت اور رضامندی سے لذت اندوز کرے گا پھر آپ نے فرمایا کہ حضرت محمد مصطفیٰ اور حضرت علی مرتضیٰ کے محب مسکین ہیں ان کی ہمدردی عام فقراء و مساکین کی ہمدردی سے افضل ہے کیونکہ دشمنان دین جو ان کے مذہب پر اعتراض کرتے ہیں اور ان کو بیوقوف بناتے ہیں ان کے مقابلہ سے ان کی قوتیں ضعیف اور اعضاء ساکن (کمزور) ہیں پس جو شخص ان کو علم فقہ کی قوت دے اور ان کو پڑھائے یہانتک کہ ان کی وہ مسکینی دور ہو جائے اور اپنے ظاہری دشمنوں جیسے ناصبی اور باطنی دشمنوں جیسے ابلیس اور اس کا لشکر ان پر قابو پائیں تاکہ وہ ان کو دین خدا اور محبت آل رسولؐ سے ہٹا نہ سکیں تو خداوند کریم نے اپنے رسولؐ کی زبان پر فیصلہ حق جاری فرمایا اور حضرت علیؑ نے فرمایا کہ جو شخص دین کے مسکین اور معرفت کے کمزور کو ناصبی مخالف پر طاقتور کرے کہ یہ مومن اس کو لاجواب کرنے میں کامیاب ہو جائے تو جب وہ قبر میں سوئے گا تو خود خداوند کریم قبر میں اپنی زبان قدرت سے اس کی تلقین پڑھے گا اور فرمائے گا کہ کہہ میرا رب اللہ ہے میرا نبی محمدؐ ہے میرا ولی علی ہے میرا قبلہ کعبہ ہے میرے ایمان کی بہار اور سفر آخرت کی زاد قرآن ہے اور سب مومن میرے بھائی ہیں پس خدا فرمائیگا کہ تو نے اب حجت ادا کر دی پس تیرے لئے جنت کے بلند درجات میں نے واجب کئے ہیں اور اسی وقت اس کی قبر بہترین گلزار جنت ہو جائے گی۔

وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا۔ امام حسن عسکری علیہ السلام نے فرمایا کہ حضرت صادق علیہ السلام فرماتے ہیں یہاں ناس سے مراد عام ہے مومن ہوں یا غیر مومن۔ پس مومنوں کے ساتھ کشادہ روئی سے پیش آؤ اور غیر مومن کے ساتھ نرمی کی گفتگو کرو تاکہ وہ تمہاری طرف کھچ آئیں۔

وافی میں کافی سے منقول ہے کہ حضرت صادق علیہ السلام نے ایک حدیث میں فرمایا کہ تم میں سے ایک شخص جب اپنے دین میں پرہیز گار ہو۔ بات میں سچا ہو امانت کا ادا کرنے والا ہو اور لوگوں سے خوش اخلاقی کا برتاؤ کرتا ہو تو لوگ کہیں کہ یہ جعفری ہے تو مجھے اس بات سے خوشی ہوگی اور اس کی طرف سے مجھے سرور پہنچے گا اور کہا جائے گا کہ جعفر صادق کی تعلیم یہ ہے اور اگر ایسا نہ ہو تو اس کی مصیبت اور شرمساری مجھے ہوگی کیونکہ لوگ کہیں گے کہ جعفر صادقؑ نے یہ تعلیم دی ہے۔ خدا کی قسم مجھے اپنے والد بزرگوار نے بیان فرمایا کہ حضرت علی علیہ السلام کا شیعہ وہ ہے کہ جس محلہ میں آباد ہو وہ اس محلہ کی زینت ہو امانت ادا کرنے والا ہو حقوق کی رعایت

کرنے والا ہو بات کا سچا ہو کہ لوگوں کی وصیتوں اور امانتوں کا مرجع ہو قبیلہ سے اس کے متعلق سوال کیا جائے تو کہیں کہ اس کی مثل کون ہو سکتا ہے وہ امین بھی ہے سچا بھی ہے

ابوالربیع شامی روایت کرتا ہے کہ میں حضرت صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا مجمع کثیر تھا خراسانیوں شامیوں اور گرد و نواح کے لوگوں سے صحن میں قدم رکھنے کی جگہ نہ تھی امام علیہ السلام تکیہ لگا کر بیٹھے تھے پس سیدھے ہو کر بیٹھ گئے اور ارشاد فرمایا اے آل محمدؐ کے شیعو! وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جو بوقت غصہ اپنے نفس پر قابو نہ پا سکتا ہو اپنے ساتھی سے اچھا برتاؤ نہ کرتا ہو ہم کلام لوگوں سے خلق کی بات نہ کرتا ہو۔ رفقاء سے اچھی رفاقت نہ کرتا ہو۔ ہمسایوں سے حسن سلوک نہ رکھتا ہو۔ کشادہ روئی والوں سے کشادہ روی سے اچھی طرح پیش نہ آتا ہو۔ اے آل محمد کے شیعو! حسب طاقت اللہ سے تقویٰ اختیار کرو وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ

جناب رسالت مآبؐ سے مروی ہے کہ قیامت کے دن بلند مقام اس شخص کا ہوگا جو خلق خدا کی خیر خواہی میں زمین پر چلنے والا ہو۔

نیز حضورؐ سے سوال کیا گیا کہ خدا کا محبوب ترین بندہ کون ہے؟ تو فرمایا کہ لوگوں میں سے جو لوگوں کو زیادہ نفع پہنچانے والا ہو۔

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ نماز رکن دین ہے اور ستون اسلام ہے جو نماز نہیں پڑھتا اس کا اسلام برائے نام ہے کیونکہ معصوم کا فرمان ہے جو عمداً نماز کو ترک کر دے وہ کافر ہے چنانچہ باب تفاصیل حقوق میں امام زین العابدین علیہ السلام نے حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے روایت فرمائی ہے کہ اللہ کا بڑا حق یہ ہے کہ اس کی عبادت کرو اور اسمیں اس کا کسی کو شریک نہ بناؤ اور جب ایسا کرو گے خدا تمہاری دنیا و آخرت کی مہموں کو انجام دے گا اور انسان! تیرے اوپر بڑا حق یہ ہے کہ اپنے آپ کو اللہ کی اطاعت میں استعمال کر اور نماز کا حق یہ ہے کہ تو سمجھے کہ یہ اللہ کی بارگاہ میں پیشی ہے اور تو اس کے دربار میں حاضر ہے جب یہ بات سمجھو گے تو اس کی بارگاہ میں اس طرح کھڑے ہو گے جس طرح ایک عبد ذلیل کھڑا ہوتا ہے جس کو انعام کا طمع، عذاب کا خطرہ، بخشش کی امید اور گناہوں کا ڈر ہو جو عجز و زاری سے کھڑا ہو اپنے آقا کے سامنے اس صورت میں نماز کی طرف توجہ بھی ہوگی اور اس کو اپنے حقوق اور حدود کے ساتھ ادا بھی کرو گے (نقلاً از وافی) اور نماز میں سے مومن اور مشرک کی ظاہری تمیز ہوتی ہے جیسے خود فرماتا ہے۔

اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ۔ نماز پڑھو اور مشرکین سے نہ بنو۔

وَآتُوا الزَّكٰوةَ۔ اس کی تفسیر میں امام حسن عسکری علیہ السلام سے منقول ہے کہ مال وجاہ وقوتِ بدن سے زکوٰۃ دو۔ مال کی زکوٰۃ تو یہ ہے اپنے غریب و نادار مومن بھائیوں کی مالی امداد کرو (وجوب زکوٰۃ اور اس کے شرائط و احکام کتب فقہ میں تفصیل سے مذکور ہیں) اور جاہ کی زکوٰۃ یہ ہے کہ اپنی حاجات تک پہنچنے سے جہاں مومن بھائی قاصر ہو تو تم اس کی حاجت براری میں امداد کرو اور اپنے رسوخ سے اسکی مشکل حل کرو اور قوت بدن کی زکوٰۃ یہ ہے کہ مثلاً ایک مومن کہیں صحرا میں فریاد کر رہا ہو اور اس کی فریاد کوئی نہ سنتا ہو اس کا سامان یا بوجھ گر گیا ہو وہ اٹھا نہ سکتا ہو ایسی صورت میں اس کی دستگیری اپنی قوت بدن سے کرو۔

وافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ مومن کی حاجت روائی ایک ہزار غلام آزاد کرنے سے اور اللہ کی راہ میں ایک ہزار گھوڑا پیش کرنے سے افضل ہے۔

نیز آپ نے فرمایا کہ مومن کی حاجت براری بیس حجوں سے افضل ہے۔

اور نیز آپ نے ایک روایت میں فرمایا کہ جو شخص مومن کی حاجت کو پورا کرنے کے لئے چلے اسے ہر قدم کے بدلہ میں دس نیکیاں ملیں گی اور دس گناہ معاف ہوں گے اور دس درجے اس کے بلند ہوں گے اور یہاں تک کہ آپ نے فرمایا کہ اس کا ثواب ایک ماہ مسجد الحرام میں اعتکاف کرنے سے زیادہ ہے

ایک روایت میں امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ جو شخص مومن کی حاجت کے لئے چلے تو اس کے سر پر چھتر ہزار فرشتوں کا سایہ ہوتا ہے۔

امام رضا علیہ السلام سے مروی ہے کہ جو شخص ایک مومن کی مصیبت دور کرے خدا اس کی قیامت کی مصیبت دور کرے گا۔

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام سے مروی ہے کہ جو بھوکے مومن کو کھانا کھلائے خدا اس کو جنت کے پھل عطا فرمائے گا اور جو پیاسے مومن کو پانی پلائے خدا اس کو رحیق مختوم سے سیراب کرے گا۔ احادیث اس ضمن میں حد تواتر سے زیادہ ہیں اور آیت مجیدہ میں ظاہری طور پر زکوٰۃ سے مراد زکوٰۃ واجب ہے لیکن صدقات واجبہ و مستحبہ مالیہ و بدنیہ سب کو باطنی طور پر شامل ہے جیسا کہ گذشتہ فرمانِ امام اس کا شاہد ہے۔

یہ عہد و میثاق خداوند کریم بنی اسرائیل کو جتلا رہا ہے۔ گو ان کے اسلاف نے یہ عہد کر کے عہد شکنی کی تھی لیکن یہ چونکہ ان سے متقرن تھے۔ اس لئے خطاب ان کو کیا گیا ہے۔ اور تاویل و باطن کے اعتبار سے

یہ آیت قیامت تک کی آنے والی نسلوں کے لئے پیغام ہدایت ہے اور تمام بنی آدمؑ سے ازلی میثاق لیا جا چکا ہے کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کرنی اور پھر اسی عہد کی انبیاء نے اپنے اپنے زمانہ میں امتوں کو یاد دہانی بھی کروادی تاکہ کوئی یہ نہ کہے کہ میں غافل تھا۔ دور اسلام میں جو یہود موجود تھے ان کی حجت ختم کرنے کے لئے خداوند کریم نے بذریعہ قرآن ان کو بھی یاددہانی کرادی اور مسلمانوں کو بھی اس کی نصیحت ہوگئی لیکن ان یہودیوں نے یہ عہد توڑ دیئے تھے۔ اب ان یہودیوں کو تنبیہ فرمارہا ہے کہ خبردار تم ان کے نقش قدم پر نہ رہو بلکہ راہ حق پر آجاؤ

نیز تورات میں ان کے اسلاف سے یہ عہد بھی لیا گیا تھا کہ باہمی خونریزی نہ کرنا ایکدوسرے کو جلاوطن نہ کرنا اور صلح و آشتی سے زندگی بسر کرنا لیکن وہ اس عہد سے بھی پھر گئے لہٰذا خداوند کریم نے ان کا یہ عہد کرنا اور پھر جانا بھی ذکر فرمایا ہے کہ موجودہ یہودی عبرت حاصل کریں۔

ثُمَّ اَنْتُمْ مجمع البیان میں

ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُوْنَ
پھر تم وہی قتل کرتے ہو ایک دوسرے کو اور نکالدیتے ہو
فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ
ایک فریق اپنے کو اپنے گھروں سے مدد حالانکہ تم ایک دوسرے کے معاون ہوتے ہو
بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۭ وَاِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى تُفٰدُوْهُمْ
ان کے خلاف ناجائز طور پر اور ظالمانہ انداز سے اور اگر آئیں تمہارے پاس قیدی ہو کر تو انکا فدیہ
وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ ۭ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ
ہو حالانکہ حرام ہے تم پر نکالنا ان کا کیا تم ایمان لاتے ہو بعض
الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَاۗءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ
کتاب سے اور کفر کرتے ہو ساتھ بعض کے پس نہیں جزا اس کی جو کرے یہ کام تم میں سے
مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ
مگر رسوائی زندگی دنیا میں اور روز قیامت وہ پھیر دیئے جائیں گے طرف
اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝
سخت ترین عذاب کے اور خدا غافل نہیں اس سے جو تم عمل کرتے ہو

ابن عباس سے مروی ہے کہ یہود کے دو قبیلے بنی قریظہ اور بنی نضیر آپس میں بھائی بھائی تھے جس طرح عرب کے دو قبیلے اوس اور خزرج تھے پس ان میں پھوٹ پڑ گئی تو قبیلہ نضیر قبیلہ خزرج کے ساتھ ہو گیا اور قبیلہ قریظہ قبیلہ اوس کے ساتھ ہو گیا جب دو قبیلے آپس میں لڑتے تھے تو ہر ایک کا ساتھی اور ہم قسم قبیلہ اپنے ساتھیوں کی امداد کرتا تھا جب لڑائی ختم ہو جاتی تھی

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ۪ فَلَا يُخَفَّفُ
وہ ایسے لوگ ہیں جنہوں نے خرید لیا زندگی دنیا کو بدلہ آخرت کے پس نہ کم
عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ۝
کیا جائے گا ان سے عذاب اور نہ وہ مدد کئے جائیں گے۔

تو یہودی مغلوب قبیلے کے یہودیوں کو فدیہ دیکر آزاد کرا لیتے تھے اور اس معاملہ میں تورات کی اتباع کو نہیں چھوڑتے تھے ادھر اوس اور خزرج کے دونوں قبیلے مشرک تھے۔ حالانکہ تورات میں ان سے یہ عہد لیا گیا تھا کہ آپس میں خونریزی بھی نہ کرنا جلاوطن بھی نہ کرنا اور اگر کوئی ان میں سے اسیر ہو جائے تو فدیہ ادا کر کے اسے آزاد کرا لینا پس یہودیوں نے ایک حصّہ پر عمل نہ کیا یعنی ایک دوسرے کے قتل اور جلاوطنی سے باز نہ آئے لیکن دوسرے حصّہ پر عمل کیا کہ جو یہودی قید ہوتے تھے ان کو فدیہ ادا کر کے چھڑا لیتے تھے۔ پس ان آیات میں ان کی مذمت ہے کہ تورات کے ایک حصّہ پر ایمان رکھتے ہو اور دوسرے حصّہ پر ایمان نہیں رکھتے حالانکہ دونوں حکم واجب الاتباع ہیں۔

خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا دنیا کی رسوائی سے مراد ان سے جزیہ لینا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ ان کی رسوائی یہ تھی کہ بنی نضیر کو مدینہ سے نکال دیا گیا اور بنی قریظہ کو قتل کر دیا گیا اور ان کے بچوں کو قید کر لیا گیا۔

یہودیوں پر تورات میں ایک دوسرے کا جلاوطن کرنا حرام تھا اور قرآن میں اس حکم کا مذکور ہونا اور یہودیوں کی مذمت کرنا بتلاتا ہے کہ مسلمانوں پر بھی یہی حکم عائد ہوتا ہے اسی بنا پر تفسیر علی بن ابراہیم سے منقول ہے کہ اسکی تاویل حضرت ابوذر غفاریؓ سے متعلق ہے جن کو مدینہ سے مسلمانوں کے حاکم نے جلاوطن کر کے ربذہ بھیج دیا تھا چنانچہ وہیں ان کا انتقال ہوا اور دفن بھی وہیں ہوئے

البرہان میں امام حسن عسکری علیہ السلام سے منقول ہے کہ جناب رسالتمآبؐ نے اس آیت کے نزول کے بعد جب یہودیوں کے حالات سے خبر دی تو پھر فرمایا کہ میں اس امت میں سے تم کو ان لوگوں کا پتہ دوں جن کے افعال ان یہودیوں کے مشابہ ہوں؟ صحابہ نے عرض کی ہاں یا رسولؐ اللہ! آپ نے فرمایا کہ میری امت سے ایسے لوگ ہوں گے جو میری امت کہلائیں گے اور میری ذرّیت کے فاضلوں کو اور میری نسل کے پاکیزہ افراد کو قتل کریں گے اور میری سنّت و شریعت کو تبدیل کر دیں گے میرے شہزادوں حسنؑ اور حسینؑ کو شہید کریں گے جس طرح ان یہودیوں کے اسلاف نے حضرت زکریاؑ اور حضرت یحییٰؑ کو قتل کیا تھا ان پر بھی خدا کی لعنت ہو گی

جس طرح ان پر خدا کی لعنت ہے ان کی بقیہ اولادوں پر قیامت سے پہلے خداوند کریم حسینؑ مظلوم کی اولاد سے ہادی مہدی کو بھیجے گا جو اپنے دوستوں کی تلواروں سے انہیں موت کے گھاٹ اتار کر ان کو واصل جہنم کرے گا آگاہ ہو۔ حسینؑ اور اس کے محبوں اور مددگاروں کے قاتلین پر اللہ کی لعنت ہے اور جو بلا تقیہ ان پر لعنت نہ کرے اس پر بھی خدا کی لعنت ہے اور اللہ کی رحمت ہوگی حسینؑ بن علیؑ کے رونے والوں پر اور ان پر جو ان کے قاتلوں پر لعنت بھیجیں اور ان پر غیظ و غصہ میں رہیں آگاہ ہو! جو قاتلین حسینؑ پر راضی ہوگا اس کا شمار قاتلین میں سے ہوگا۔ نیز حسینؑ کے قاتل اور قاتلین کے مددگار اور دوست اور ان کے مقتدی یہ سب اللہ کے دین سے بیزار ہیں۔ خداوند کریم ملائکہ مقربین کو حکم فرمائے گا کہ حسینؑ کی شہادت پر رونے والوں کے آنسو کو اٹھا کر خزانِ جنت کے حوالہ کر دیں پھر وہ ان کو آبِ حیات سے ملا دیں گے جس سے اس کی شیرینی اور پاکیزگی ہزار گنا زیادہ ہو جائے گی (یہ رونے والوں کو انعام میں نصیب ہوگا) اور حسینؑ کے قتل پر خوش ہونیوالوں کے آنسو کو ملائکہ اٹھا کر حاویہ میں اس کے حمیم صدید غساق و غسلین سے ملائیں جس سے اس کی گرمی کی شدت اور عذاب کی زیادتی ہزار گنا بڑھ جائے گی کہ وہ اعداء آلِ محمدؐ کی بازگشت ہوگی۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتٰبَ وَقَفَّيْنَا مِنْ بَعْدِهٖ

اور تحقیق دی ہم نے موسیٰ کو کتاب اور پے در پے بھیجے اس کے بعد

بِالرُّسُلِ وَآتَيْنَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنَاتِ وَ

رسول اور دیئے ہم نے عیسیٰ بن مریم کو معجزات

اَيَّدْنَاهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ ۗ اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُولٌ

اور ہم نے اس کی تائید کی ساتھ روح القدس کے کیا جب بھی لائے تمہارے پاس رسول

بِمَا لَا تَهْوٰى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ ۚ فَفَرِيقًا كَذَّبْتُمْ

وہ چیز کہ نہ چاہے جی تمہارا تو تم نے تکبر کیا پس ایک فریق کو جھٹلایا۔

وَفَرِيقًا تَقْتُلُونَ ۝ وَقَالُوا قُلُوبُنَا غُلْفٌ ۚ بَلْ

اور ایک فریق کو قتل کرتے تھے۔ اور انہوں نے کہا ہمارے دل غلاف میں ہیں بلکہ

لَعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيلًا مَّا يُؤْمِنُونَ ۝

لعنت کی ہے ان پر اللہ نے بوجہ ان کے انکار کے پس ایمان تھوڑا ہی لاتے ہیں۔

اَلْبَيِّنَات۔ حضرت عیسیٰؑ کو معجزات عطا کئے گئے تھے مثلاً مردہ کو زندہ کرنا۔ نابینا کو بینا کرنا۔ برص و اپاہج کو تندرست کرنا اور مٹی سے پرندہ بنا کر اس میں روح پھونکنا۔ وغیرہ یہ سب بیّنات ہیں یعنی عیسیٰؑ کی نبوت کی واضح دلیلیں ہیں بعض نے کہا ہے کہ بیّنات سے مراد انجیل اور اسمیں درج شدہ

وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا
اور جب آئی ان کے پاس کتاب اللہ کی جانب سے جو تصدیق کرتے والی ہے
مَعَهُمْ ۙ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ
اس کی جو ان کے پاس ہے حالانکہ تھے وہ پہلے فتح طلب کرتے تھے اوپر کافروں
كَفَرُوْا ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ۚ
کے پس جب آئی ان کے پاس وہ جسکو انہوں نے پہچانا تو اس کا انکار
فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۝
کر دیا پس اللہ کی لعنت ہے انکار کرنیوالوں پر

جمیع احکام حلال وحرام ہیں از مجمع البیان۔

روح القدس۔ بعض کہتے ہیں اس سے مراد جبریل ہے اور بعض انجیل مراد لیتے ہیں اور بعض کہتے ہیں اس سے مراد اسم اعظم ہے اور جبریل مراد لینے کی صورت میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ جبریل کی حضرت عیسیٰؑ سے کیا خصوصیت ہے حالانکہ وہ ہر نبی پر وحی لایا کرتا تھا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ بچپنے سے لیکر آخر تک ہر وقت حضرت عیسیٰ کے ہمراہ رہتا تھا اور جب یہود نے حضرت عیسیٰ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا تو آسمان پر جبریل خود ساتھ لے گیا اور حضرت مریم کو عیسیٰ کی بشارت دینے کے لئے انسانی شبیہ بن کر آیا تھا۔ از مجمع البیان

فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ الخ ایک گروہ کی تکذیب کی جیسے حضرت عیسیٰ اور حضرت رسالتمآبؐ اور ایک گروہ کو قتل کر ڈالا جیسے حضرت یحییٰ و حضرت زکریاؑ اور تفسیر برہان میں عیاشی سے منقول ہے کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ حضرت موسیٰؑ اور اس کے بعد رسولوں کا ذکر امت محمد مصطفیٰؐ کے لئے ایک مثال ہے اور آیت کی تاویل اور باطن یہ ہے کہ جب حضرت محمد مصطفیٰؐ تمہارے پاس وہ چیز لائے جسکو تمہارے دل نہ چاہیں یعنی ولایت علیؑ تو تم اکڑ گئے اور آل محمدؐ میں سے بعض کو جھٹلا دیا اور بعض کو قتل کر ڈالا اور اسی معنی میں کلینیؒ سے روایت منقول ہے۔

غُلْفٌ اغلف کی جمع ہے غلاف کے اندر جو چیز بند ہو اسے اغلف کہتے ہیں۔ اُن کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے دل غلافوں میں بند ہیں تمہاری باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں پس اللہ نے ان کی تردید فرمائی کہ ان کے دل غلاف میں نہیں بلکہ کفر و عناد کی وجہ سے ان پر خدا کی لعنت ہے لہٰذا ایمان تھوڑا ہی لاتے ہیں یعنی نہیں لاتے۔

وَكَانُوا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ الخ یعنی جناب رسالتمآبؐ کی بعثت سے پہلے یہودی لوگ عربوں پر یعنی اوس و خزرج پر جناب رسول خداؐ کی آمد کی خبر سے فتح طلب کرتے تھے یعنی جب یہ لوگ ان کو تنگ کرتے تھے تو یہودی ان کو کہا کرتے تھے کہ جب رسولؐ آخرالزمان تشریف لائیں گے تو ہم ان کے ہمرکاب ہو کر تمہارا پتہ کریں گے۔ خدا ہم کو ان کی بدولت تم پر فتح دے گا اور تم مغلوب ہو جاؤ گے لیکن جب حضورؐ تشریف لائے تو یہودی انکاری ہو گئے اور اوس و خزرج مسلمان ہو گئے۔ پس معاذ بن جبل اور بشر بن براء ان کو کہتے تھے کہ اللہ سے ڈرو پہلے جب ہم مشرک تھے تو تم جناب رسول خدا کی آمد کی خبر سنا کر ہم پر فتح طلب کرتے تھے اور خدا سے دعائیں مانگتے تھے اور جب وہ تشریف لائے ہیں تو تم انکار کرتے ہو تو سلام بن مشکم یہودی بنی نضیر سے تھا کہتا تھا کہ یہ وہ نہیں جسکا ہم ذکر کرتے تھے۔[1]

تفسیر مجمع البیان میں تفسیر عیاشی سے بروایت ابوبصیر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ یہودیوں نے اپنی کتابوں میں پڑھا تھا کہ جناب محمد مصطفیٰؐ کی ہجرت گاہ عیر اور احد کے درمیان ہو گی پس اسی مقام کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ ان کا گذر ایک پہاڑ سے ہوا جس کو حداد کہا جاتا ہے تو انہوں نے سوچا کہ احد اور حداد ایک ہی جیسے لفظ ہیں (پس سمجھا کہ وہ یہی مقام ہے) تو اسی پہاڑ کے گرد و نواح میں متفرق ہو کر اتر پڑے کچھ تیما میں کچھ فدک میں اور کچھ خیبر میں آباد ہو گئے۔ پس تیما والے اپنی دوسری برادری کے ملاقات کے لئے گھر سے تیار ہوئے تو بنی قینقاع کا ایک شخص ان کے پاس سے گذرا انہوں نے اس سے اونٹ کرایہ پر لئے اس اعرابی نے ان کو بتایا کہ میں تم کو عیر اور احد کے درمیان سے لیکر گزروں گا انہوں نے کہا کہ وہاں پہنچنا تو ہمیں خبر دینا پس جب مدینہ کی زمین پر پہنچے تو اعرابی نے کہا کہ یہ احد ہے اور وہ عیر ہے (یعنی اب تم ان دو مقاموں کے درمیان میں ہو) پس وہ اونٹوں سے اتر پڑے اور اعرابی کو کہا کہ ہمیں اپنا مطلوب مل گیا ہے اب ہم کو تیرے اونٹوں کی ضرورت نہیں تو بے شک جا سکتا ہے اور وہاں سے فدک اور خیبر کے یہودیوں کو خط لکھا کہ ہم نے وہ مقام تلاش کر لیا ہے

---

[1] ترجمہ قرآن مولوی اشرف علی تھانوی کے حاشیہ پر ص ۱۹ مرقوم ہے کہ محمد مصطفیٰؐ کے نبی ہونے سے پہلے یہود کی قبیلہ اوس و خزرج سے جب کبھی لڑائی ہوتی تھی اور ہزیمت نظر آتی تھی تو نبی امی خاتم النبیین کے وسیلہ سے دعا مانگتے تھے اور دشمن پر فتح و غلبہ چاہتے تھے اور یہ پاک وسیلہ لاتے ہی فوراً ان کو فتح ہو جاتی اور جب وہ وجود باوجود دنیا میں سایہ فگن ہوا یعنی خود نبی ہو کر دنیا میں تشریف لائے تو یہ یہودی لوگ کافر بحق اور ایمان نہ لائے اس کے بعد محشی نے معاذ بن جبل اور سلام بن مشکم یہودی کا مکالمہ ذکر کیا ہے۔

(منہ)

پس تم یہاں چلے آؤ۔ انہوں نے جواب میں لکھا کہ ہم اب آرام سے یہاں آباد ہیں اور یہاں ہم نے مال و متاع جمع کر لیا ہے اور ہم تمہارے قریب بیٹھے ہیں۔ جب وہ وقت آیا تو ہم فوراً پہنچ جائیں گے پس انہوں نے مدینہ بسایا اور اپنے مال جمع کئے جب ان کے پاس مال زیادہ ہوا تو عرب کے بادشاہ تبع کو خبر پہنچی اس نے ان پر چڑھائی کر دی اور یہ اپنے قلعوں میں داخل ہو گئے بہت دیر تک اس نے محاصرہ کئے رکھا اور آخرکار ان کو امان دے دی اور کہا کہ مجھے تمہاری آبادیاں پسند ہیں لہٰذا میں یہاں ٹھہرنا چاہتا ہوں یہودیوں نے کہا کہ یہ نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ مقام نبیؐ کی ہجرت گاہ ہے جب تک وہ نہ تشریف لائیں دوسرے کسی کو ہم یہاں رہنے کی اجازت نہیں دیتے پس اس نے کہا کہ میں تم میں اپنے خاندان سے کچھ آدمی ٹھہراتا ہوں تاکہ ان کی آمد پر یہ بھی ان کی نصرت کریں پس اس نے اوس اور خزرج دونوں قبیلے وہاں چھوڑے اور خود چلا گیا جب اوس و خزرج تعداد میں زیادہ ہو گئے تو انہوں نے یہودیوں کے اموال پر دست درازی شروع کر دی پس یہودی ان کو کہتے تھے کہ جب محمد مصطفیٰؐ تشریف لائیں گے تو ہم تمہیں یہاں سے نکال دیں گے لیکن نتیجہ برعکس ہوا کہ جب آپ تشریف لائے تو انصار مسلمان ہو گئے اور یہودی اپنی ضد پر اڑ گئے چنانچہ آیت میں اسی مطلب کی طرف اشارہ ہے۔

بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَآ اَنْزَلَ

بری ہے وہ چیز کہ بیچ دیا ہے بدلے اس کے انہوں نے اپنے نفسوں کو انکار کرنا اس چیز کا جو نازل کی

اللّٰهُ بَغْيًا اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ

اللہ نے اس حسد سے کہ نازل کرتا ہے اللہ اپنے فضل سے جس پر

يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ ؕ وَ

چاہتا ہے اپنے بندوں سے پس حاصل کیا انہوں نے غضب بالائے غضب اور

لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا

کافروں کے لئے عذاب ہے رسوا کن اور جب ان کو کہا جائے کہ ایمان لاؤ

بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَيَكْفُرُوْنَ

ساتھ اس کے جو اللہ نے نازل کیا ہے تو کہتے ہیں ہم ایمان لائے ساتھ اس کے جو نازل کیا گیا ہم پر اور کفر کرتے ہیں

بئسما کا معنی یہ سودا ان کا خسارے میں ہے اور برا سودا ہے کہ اپنے نفسوں کو انہوں نے عذاب جہنم میں دے دیا اور کفر و انکار کی وجہ سے نعمات جنت سے محروم ہونا اختیار کر لیا اور اس حسد کی وجہ سے نبوت حضرت اسمٰعیل کی اولاد میں کیوں آ گئی کیوں کہ اس سے پہلے سارے نبی حضرت

بِمَا وَرَآءَهٗ وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ قُلْ فَلِمَ

ترجمہ: کہ جو اس کے علاوہ ہے حالانکہ وہ حق ہے تصدیق کرنیوالا ہے اس کی جو ان کے پاس ہے

تَقْتُلُوْنَ اَنْۢبِيَآءَ اللّٰهِ مِنْ قَبْلُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۹۱﴾

ترجمہ: پھر کیوں قتل کرتے تھے اللہ کے نبیوں کو اس سے پہلے اگر تم مومن ہو۔

وَلَقَدْ جَآءَكُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ

اور تحقیق آیا تمہارے پاس موسیٰ ساتھ معجزات کے پھر بنا تم نے گوسالہ اس کے

الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ۝

ترجمہ: درحالیکہ تم ظلم کرنیوالے تھے۔

اسحٰقؑ کے فرزند حضرت یعقوبؑ کی اولاد سے تھے جن کو اسرائیل کہا جاتا تھا یعنی پہلے آپ بنی اسرائیل سے تھے پس اسی حسد سے بنی اسرائیل نے حضرت محمد مصطفےٰؐ کی نبوت کا انکار کر دیا حالانکہ تورات میں جو اوصاف رسولِ خدا کے ذکر کئے گئے تھے ان کے لحاظ سے ان کو دل میں یقین تھا کہ یہ وہی ہے اور خدا اپنا فضل یعنی نبوت جس کو وہ چاہے عطا کرے اس کے اختیار میں ہے خواہ بنی اسرائیل سے نبی بنائے یا بنی اسمٰعیل سے نبی بھیجے لیکن ان کو حسد پیدا ہوا کہ ایسا کیوں ہوا پس غضب در غضب کے مستحق ہو گئے۔

اور غَضَبٌ عَلٰى غَضَبٍ یا تو تاکید کے لئے ہے اور یا دوسرے غضب سے مراد انکارِ رسولِ خدا ہے اور پہلے غضب سے مراد یا تورات کی تحریف یا گوسالہ پرستی یا حضرت عیسیٰؑ کا انکار ہے اور آخری معنی اہلبیتؑ سے مروی ہے۔ پس پہلے غضب میں ان کو بندر سور کی شکل میں مسخ ہونا نصیب ہوا اور دوسرے غضب سے ان کو محمدؐ و آلِ محمدؐ کی تلواریں یا جزیہ قبول کرنا حاصل ہوا۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ یعنی جب ان کو کہا جاتا ہے کہ قرآن پر ایمان لاؤ تو جواب دیتے ہیں کہ ہم تو اس کو مانتے ہیں جو ہم پر اُتری یعنی تورات۔ پس خدا ان کی تردید فرماتا ہے کہ یہ غلط کہتے ہیں کیونکہ ان کا تورات پر ایمان ہوتا تو نبیوں کو کیوں قتل کرتے تورات میں تو انبیاء کی اطاعت کا حکم ہے پس چونکہ انہوں نے نبیوں کو قتل کیا تو گویا تورات پر بھی ان کا ایمان نہیں تھا اور نیز کتب سماویہ میں سے جو ایک کتاب کو نہ مانے گویا اس نے تمام کتابوں کا کفر کیا یہی چونکہ قرآن کو نہیں مانتے پس تورات پر بھی انکا ایمان نہیں ہے۔

تاویل آیات اور حضرت علیؑ کا قسیم الجنۃ والنار ہونا۔ تنزیل کے لحاظ سے یہ آیتیں گو بنی اسرائیل کو خطاب کر رہی ہیں لیکن ان کی تاویل قیامت تک کیلئے ہے کیونکہ قرآن قیامت تک کے

لیے حجت ہے، تو پس معلوم ہوا کہ جو شخص کتب آسمانی میں سے ایک کا انکار کیا کرے گویا اس نے سب کتابوں کا انکار کیا اسی طرح جو ایک نبی کا انکار کرے گویا وہ سب نبیوں کا منکر ہے اور جو ایک امام اور خلیفہ برحق کا منکر ہو گویا وہ تمام آئمہ خلفائے برحق اور سب انبیاء اور جملہ کتب الٰہیہ کا منکر ہے چنانچہ انہی آیات کی تفسیر میں جناب امام حسن عسکری علیہ السلام سے منقول ہے کہ جناب رسولؐ خدا نے فرمایا جس کا ملخص ترجمہ یہ ہے کہ خدا نے خبر دی ہے جو قرآن کو نہیں مانتا اس کا تورات پر بھی ایمان نہیں ہے کیونکہ خدا نے اُن سے ہر دو پر ایمان لانے کا عہد لیا تھا پس ایک کے ساتھ ایمان بغیر دوسرے کے ناقابل قبول ہے اسی طرح میری نبوت پر ایمان لانے کے ساتھ خدا نے علیؑ کی ولایت پر ایمان لانا بھی فرض کیا ہے پس جو شخص میری نبوت پر ایمان لانے کا دعویٰ کرے اور علیؑ کی ولایت کا کفر کرے تو گویا اس کا میری نبوت پر بھی ایمان نہیں ہے بروز محشر جب تمام مخلوق جمع ہو گی تو منادی اللہ کی جانب سے ندا کرے گا تاکہ مخلوق میں سے مومن و کافر جدا جدا ہو جائیں پس ندا آئے گی۔

اللہُ اکبر۔ اللہُ اکبر اور دوسری آواز آئے گی اے خلق خدا تم بھی اس کلمے کو دہراؤ تو پس دہریت کے قائل گنگے ہو جائیں گے۔ ان کی زبانیں بند ہو جائیں گی پس وہ علیحدہ ہو جائیں گے اور باقی تمام مخلوق یہ کلمہ اپنی زبانوں پر جاری کرے گی پھر ندا آئے گی۔

اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تو مشرکین اور بت پرستوں کے سوا تمام لوگ یہ کلمہ زبان پر جاری کریں گے اور مشرکین اور بت پرستوں کی زبانیں بند ہو جائیں اور وہ گنگے ہوں گے پس یہ بھی علیحدہ ہو جائیں گے پھر ندا آئے گی۔

اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ تو سوائے مسلمانوں کے باقی تمام لوگ اس کلمہ کے دہرانے سے گنگے اور زبان بستہ ہو جائیں گے اور جدا ہو جائیں گے پس عرصہ محشر سے آواز آئے گی کہ اب ان اقرار کرنے والوں کو جنت میں لے جاؤ اچانک اللہ کی جانب سے ایک اور آواز آئے گی۔

وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَسْئُوْلُوْنَ یعنی ان کو ٹھہراؤ کیونکہ ان سے ابھی پوچھنا ہے فرشتے عرض کریں گے اے اللہ یہ رسولؐ خدا کی نبوت کا اقرار تو کر چکے ہیں اب ان سے مزید سوال کونسا باقی ہے؟ تو آواز آئے گی وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَسْئُوْلُوْنَ عَنْ وِلَايَةِ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ وَاٰلِ مُحَمَّدٍ یعنی ان کو ٹھہرا کر و کیونکہ ان سے علیؑ اور آلِ محمدؐ کی ولا کا سوال باقی ہے اگر اقرار ولا نہ ہو گا تو میری ربوبیت اور جناب رسولؐ خدا کی نبوت کا اقرار ان کو کوئی فائدہ نہ دے گا کیونکہ میں نے ان پر یہ شہادت بھی فرض کی تھی پس جو اقرار کرے گا وہی ناجی ہو گا

اور جو نہ کرے گا وہ ناری ہوگا۔ پس بعض لوگ کہہ دیں گے کہ ہم علیؑ کی ولا کے قائل تھے اور آلِ محمدؐ کے محب تھے۔ حالانکہ وہ جھوٹ کہتے ہوں گے اور خیال کریں گے کہ ہم اس جھوٹ سے جان چھڑائیں گے پس کہا جائے گا کہ یہ فیصلہ علیؑ کی گواہی پر موقوف ہے۔ پس رسولؐ خدا نے فرمایا! یا علیؑ! تو آئے گا اور کہے گا کہ خود جنت میرے دوستوں کی گواہ ہے اور جہنم میرے دشمنوں پر شاہد ہے پس جس کا اقرارِ ولایت صحیح ہوگا۔ نسیم جنت اس کو اٹھا کر محلات بہشت میں داخل کر دے گی۔ جہاں اس کو کوئی تکلیف و رنج نہ پہنچے گا اور جو اس اقرار میں جھوٹے ہوں گے سموم جہنم ان کو وہاں سے اٹھا کر نارِ جہنم میں گرا دے گی۔ پھر جناب رسول خدا نے فرمایا یا علیؑ اسی لئے تو قسیم الجنۃ والنار ہے تو جہنم سے خطاب کر کے کہے گا۔

هٰذَا لِيْ وَهٰذَا لَكَ یہ میرا ہے اور وہ تیرا ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ جَعَلَنَا مِنَ الْمُتَمَسِّكِيْنَ بِوَلَايَةِ عَلِيٍّ وَاٰلِهِ الطَّاهِرِيْنَ۔

سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا یعنی انہوں نے کانوں سے سنا اور عمل کے اعتبار سے اس کی نافرمانی پر کمربستہ رہے یا یہ کہ منہ سے کہہ دیا کہ ہم نے سنا ہے اور دلوں میں ٹھان لی کہ اس کی نافرمانی کریں گے۔

قُلْ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ یہودیوں کا یہ دعویٰ تھا کہ جنت میں صرف ہم ہی جائیں گے اور جنت کا گھر ہمارے ہی لئے ہے تو خداوند کریم نے ان کے

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ خُذُوْا
اور جب ہم نے لیا تمہارا وعدہ اور بلند کیا ہم نے تمہارے اوپر کوہ طور پکڑو اس چیز کو
مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاسْمَعُوْا ۭ قَالُوْا سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا
جو دی ہم نے تم کو طاقت سے اور سنو انہوں نے کہا ہم نے سن لیا اور نافرمانی کی اور
وَاُشْرِبُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ ۭ قُلْ بِئْسَمَا
داخل ہو گئی ان کے دلوں میں گوسالہ کی محبت بوجہ کفر کے کہہ دو کہ بری ہے وہ چیز
يَاْمُرُكُمْ بِهٖٓ اِيْمَانُكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ قُلْ اِنْ
جس کا امر کرتا ہے تم کو تمہارا ایمان اگر ہو تم مومن کہہ دیجئے
كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ
اگر ہے تمہارے لئے ہی قیامت کا گھر اللہ کے نزدیک صرف بغیر لوگوں کے
دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝
پس خواہش کرو موت کی اگر تم سچے ہو
وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًۢا بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ
اور ہرگز نہ خواہش کریں گے اس کی بوجہ ان اعمال فاسدہ کے جو پہلے کر چکے ہیں اور اللہ جانتا ہے

بِالظّٰلِمِيْنَ ۝ وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰى	ظالموں کو اور البتہ پائے گا تو ان کو زیادہ حریص لوگوں سے زندگی
حَيٰوةٍ ۛ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ يَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ	پر اور بعض مشرکین بھی (حتیٰ کہ) چاہتا ہے ان کا ہر ایک کہ عمر دیا جائے
يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ ۚ وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ	ہزار سال حالانکہ نہیں چھڑانے والا عذاب سے عمر
الْعَذَابِ اَنْ يُّعَمَّرَ ۗ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ۝	کا دیا جانا اور خدا آگاہ ہے ان کے اعمال سے

قول کی تردید فرمائی کہ اگر ایسا ہے اور اس دعویٰ میں تم سچے ہو تو پھر بلا تامل موت کی خواہش اور دنیاوی جھمیلوں سے نجات حاصل کر کے اخروی انعامات و لذات میں بسر کرو۔

حضرت امیر المومنینؑ جنگ صفین میں ایک باریک قمیص میں مصروف جنگ تھے تو ان کے شہزادے امام حسن علیہ السلام نے عرض کی مولا! آپ ان باریک کپڑوں میں بغیر درع زرہ وغیرہ کے جہاد کر رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا بیٹا! اِنَّ اَبَاكَ لَا يُبَالِيْ وَقَعَ عَلَى الْمَوْتِ اَوْ وَقَعَ الْمَوْتُ عَلَيْهِ یعنی تیرے باپ کو پرواہ نہیں کہ موت پر جا داخل ہو یا موت اس پر آجائے۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ جناب رسالتمآبؐ فرماتے ہیں کہ کوئی شخص تکلیف سے گھبرا کر موت کی خواہش نہ کرے بلکہ دعا مانگنی چاہیئے کہ میرے اللہ! اگر زندگی میں میری بہتری ہے تو مجھے زندہ رکھ اور اگر موت میرے لئے بھلی ہے تو مجھے موت دے پھر اس حدیث کا کیا مطلب ہوگا؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ مصائب کے وقت انسان بے صبری اور بے شکری سے کام نہ لے بلکہ ہر حال میں اللہ کی خوشنودی و رضامندی کو پیش پیش رکھے اور اس کی قضا پر راضی رہے۔ بہرکیف یہودیوں کو خطاب ہے کہ اگر جنتی ہونے کے دعویٰ میں سچے ہو تو موت کی خواہش کرو لیکن اس کے بعد وہ خود فرماتا ہے کہ یہودیوں کو دل دل میں چونکہ اپنے جھوٹ ہونے کا یقین ہے اور وہ آخرت میں اپنا نصیب جہنم سمجھتے ہیں لہٰذا یہ اور مشرکین چاہتے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک کی عمر ہزار ہزار سال ہو تاکہ دنیا کی عیش جی بھر کر حاصل کریں لیکن زندگی دنیاوی کتنی ہی دراز کیوں نہ ہو۔ آخر موت ٹل نہیں سکتی اور موت آنے کے بعد ان کا داخلہ یقیناً جہنم میں ہوگا اور یہ لمبی زندگی ان کو عذاب جہنم سے ہرگز نہ چھڑائے گی۔ تفسیر برہان میں اہلبیتؑ سے مروی ہے کہ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ کا معنی یہ ہے کہ اے گروہ یہود اگر تم اپنے آپ کو جنتی اور ناجی سمجھتے ہو۔ اور

مقرب بارگاہ خداوندی صرف تم ہی ہو تو خدا کی بارگاہ میں جھوٹوں کے ہلاک ہونے کی دعا مانگو اور کہو کہ خدا جھوٹے پر موت نازل کرے لیکن وہ ہرگز جھوٹے کے لئے موت کی تمنا نہ کریں گے کیوں کہ وہ اپنے کرتوتوں سے واقف ہیں اور جانتے ہیں کہ جھوٹے اور ظالم ہم ہیں اور تفسیر مذکور میں امام حسن علیہ السلام سے مروی ہے کہ جب یہودیوں پر یہ اتمام حجت ہو چکی تو ایک گروہ یہود حضرت رسالتمآبؐ کی خدمت میں حاضر ہوا ان کے ایک رئیس کا حسین و جمیل نوجوان فرزند کوڑھ کی بیماری میں مبتلا ہو کر لاعلاج ہو چکا تھا۔ آکر عرض گذار ہوئے اگر آپ اپنے دعویٰ میں سچے ہیں تو اپنے بھائی علیؑ کو حکم دیجئے کہ وہ ہمارے اس مریض کے لئے تندرستی کی دعا مانگے۔ حضرت رسولؐ خدا حضرت علیؑ کو ساتھ لیکر وہاں پہنچے۔ نوجوان کی حالت بہت خراب تھی آپ نے علیؑ کو فرمایا کہ اس کے لئے دعا مانگو۔ حضرت علیؑ نے دعا کی۔ وہ نوجوان فوراً تندرست اور اپنی اصلی شکل میں پلٹ آیا۔ جناب رسولِ خداؐ نے اس کو اسلام کی دعوت دی اور وہ اسی وقت مسلمان ہو گیا۔ اس نوجوان کا باپ آکر کہنے لگا کہ میرے بیٹے کے اسلام سے مجھے اس کی وہی بیماری محبوب تر تھی اور کہنے لگا اے محمد! یہ تیری یا تیرے بھائی کی کوئی فضیلت نہیں بلکہ اللہ کی طرف سے اس کی مصیبت کٹ چکی تھی لہٰذا وہ تندرست ہو گیا ہے اگر تمہارا کوئی کمال ہے تو میرے لئے حضرت علیؑ بددعا کرے کہ میں اس بیماری میں مبتلا ہو جاؤں پس میں مان جاؤں گا کہ واقعی تمہاری دعا مقبول ہے اور تم سچے ہو جناب رسولؐ خدا نے اس کو ہر چند سمجھایا کہ تندرستی اللہ کی نعمت ہے۔ اس کی بے قدری نہ کر بلکہ اس کا شکر کر اس نے پھر اپنے اسی قول کو دہرایا تو حضرتؐ نے فرمایا کہ اگر تو میرے بھائی علیؑ کی بددعا سے بیماری میں مبتلا ہو گیا تو کہے گا کہ اتفاق سے میری مصیبت لکھی تھی لہٰذا یہ بددعا کا اثر نہیں ہے جیسا کہ تو نے اپنے فرزند کی تندرستی پر یہی کہا۔ یہودی نے کہا کہ ہرگز یہ نہ کہوں گا بلکہ آپ کی عداوت مان جاؤں گا۔ حضرت رسولِ خداؐ نے علیؑ کو فرمایا یا علیؑ! یہ کافر اپنی سرکشی اور تمرد سے باز نہیں آتا لہٰذا اس کو اپنی بددعا کا مزہ چکھا پس حضرت علیؑ نے بددعا کی اور یہودی اسی بیماری میں مبتلا ہو گیا جس میں اس کا نوجوان فرزند پہلے مبتلا تھا۔ اس کے بعد وہ حضور سے معافی مانگنے لگا آپ نے فرمایا کہ اگر تیرے حق میں دعا کی جائے اور خدا تجھے معاف کر دے۔ تو پہلے سے بھی زیادہ سرکش ہو جائے گا اور خدا تیرے دل کے حالات جانتا ہے اگر تو اپنے فاسد خیالات سے صحیح معنی میں تائب ہوا ہو تو خدا تجھے ضرور معاف کر دے گا وہ جواد کریم ہے۔

(ملخص ترجمہ)

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيلَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَىٰ

کہہ دیجئے جو ہو دشمن جبریل کا (تو) ہوا کرے کیونکہ اس نے تو اتارا ہے اس کو

قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللَّهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَ

تیرے دل پر اللہ کے حکم سے درحالیکہ تصدیق کرنیوالا ہے اس کی جو اس سے پہلے ہے

هُدًى وَبُشْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ ۝ مَنْ كَانَ عَدُوًّا

اور ہدایت اور خوشخبری ہے مومنین کے لئے جو دشمن ہو اللہ کا اور

لِّلَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَرُسُلِهِ وَجِبْرِيلَ وَمِيكَالَ فَإِنَّ اللَّهَ

اس کے فرشتوں کا اور اس کے رسولوں کا اور جبرائیل و میکائیل کا تو اللہ بھی

عَدُوٌّ لِّلْكَافِرِينَ ۝ وَلَقَدْ أَنزَلْنَا إِلَيْكَ آيَاتٍ

دشمن ہے کافروں کا اور بیشک اتارا ہم نے تیرے اوپر

بَيِّنَاتٍ ۖ وَمَا يَكْفُرُ بِهَا إِلَّا الْفَاسِقُونَ ۝ أَوَكُلَّمَا

روشن آیات کو اور نہیں ان کا انکار کرتے مگر نافرمان لوگ کیا جب بھی

عَاهَدُوا عَهْدًا نَّبَذَهُ فَرِيقٌ مِّنْهُمْ ۚ بَلْ أَكْثَرُهُمْ

وہ عہد کریں کوئی توڑ دیتی ہے اس کو ایک جماعت ان کی بلکہ ان کی

لَا يُؤْمِنُونَ ۝ وَلَمَّا جَاءَهُمْ رَسُولٌ مِّنْ عِندِ اللَّهِ

اکثریت ایمان نہیں رکھتی اور جب آئے ان کے پاس رسول اللہ کی طرف سے جو تصدیق

مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيقٌ مِّنَ الَّذِينَ أُوتُوا

کرنیوالا ہے اس کی جو ان کے پاس ہے تو پھینک دیا ان لوگوں کے ایک گروہ نے کہ دئے گئے

الْكِتَابَ كِتَابَ اللَّهِ وَرَاءَ ظُهُورِهِمْ كَأَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۝

کتاب۔ اللہ کی کتاب کو اپنی پیٹھ کے پیچھے گویا کہ نہیں پتہ ہی نہیں

قُلْ مَنْ كَانَ:۔

اس کے شان نزول کے متعلق تفسیر برہان میں تفسیر امام حسن عسکری علیہ السلام سے منقول ہے کہ جب جناب رسول خدا مدینہ میں وارد ہوئے تو (فدک کے) یہودی عبداللہ بن صوریا کو لائے۔ پس ابن صوریا نے پوچھا یا محمدؐ تیری نیند کیسی ہے؟ کیونکہ ہمیں آخری نبی کی نیند کیمتعلق خبر دی گئی ہے تو آپ نے فرمایا میری آنکھ سوتی ہے۔ اور دل بیدار رہتا ہے اس نے کہا ٹھیک ہے پھر سوال کیا کہ بچہ ماں سے ہوتا ہے یا باپ سے؟ آپ نے فرمایا ہڈیاں۔ رگیں اور پٹھے باپ سے اور گوشت خون اور بال ماں سے ہوتے ہیں اس نے کہا ٹھیک ہے

پھر پوچھا بچہ بعض اوقات پدری رشتہ داروں کے مشابہ ہوتا ہے اور بعض اوقات مادری رشتہ داروں سے ملتا ہے اس کی کیا وجہ ہے؟ آپ نے فرمایا مرد و عورت میں سے جس کی منی غالب آجائے بچہ اسی کی مشابہت

حاصل کرتا ہے۔ اس نے کہا ٹھیک ہے۔ پھر پوچھا کہ بعض لوگوں کے بچے نہیں ہوتے اور بعض کی اولاد ہوتی ہے اس کی کیا وجہ ہے! تو آپ نے فرمایا اگر منی خراب ہو تو بچہ نہیں ہوتا اور اگر منی صاف ہو تو بچہ ہوتا ہے۔ اس نے کہا یہ بھی درست ہے پھر پوچھا کہ اپنے رب کی تعریف کرو آپ نے قل ھواللہ احد سنائی ابن صوریا نے کہا ٹھیک ہے پھر پوچھا آپ کے پاس کون فرشتہ وحی لاتا ہے تو آپ نے فرمایا کہ جبریل تو ابن صوریا کہنے لگا وہ تو ہمارا دشمن ہے کیونکہ جنگ اور سختیوں کی خبریں لاتا ہے اور میکائیل سرور اور خوشی کی خبر لاتا ہے۔ وہ ہمارا دوست ہے اگر تیرے پاس بجائے جبریل کے میکائیل آتا تو ہم ایمان ضرور لاتے۔ حضرت سلیمان سن رہے تھے فرمانے لگے جو جبریل کا دشمن ہو۔ وہ تو میکائیل کا بھی دشمن ہے اور وہ دونوں ایک دوسرے کے دشمن کو دشمن سمجھتے ہیں ایک دوسرے کے دوست سمجھتے ہیں پس یہ آیت اتری اور جناب رسالتمآبؐ نے سلیمان کو فرمایا اے سلیمان خدا نے تیری بات کو سچا کیا ہے اور تیرے قول کے موافق آیت نازل فرمائی ہے۔

اَوَكُلَّمَا عَاهَدُوا ابن عباس سے مروی ہے کہ گذشتہ انبیاء نے بنی اسرائیل سے نبی آخر الزمان پر ایمان لانے کا عہد لیا تھا جس کو انہوں نے توڑ دیا اور بعض مفسرین نے کہا ہے۔ کہ یہ وہ عہد ہے جو جناب رسالتمآبؐ نے مدینہ میں نزول اجلال فرماتے ہی یہود بنی قریظہ و بنی نضیر سے کیا تھا جس کو انہوں نے توڑ دیا خداوند کریم اس مقام پر ان کی عہد شکنی کا ذکر کر کے ان کی مذمت فرما رہا ہے پھر فرمایا کہ اکثر ان میں سے ایمان نہیں لاتے البتہ تھوڑے تو ایمان لانے والے بھی تھے جیسے عبداللہ بن سلام اور کعب الاحبار وغیرہ۔

اور روایات اہلبیتؑ علیہم السلام سے معلوم ہوتا ہے کہ اس عہد کا ظاہر اور تنزیل گو یہود سے متعلق ہے لیکن اس کا باطن اور تاویل اطاعت اہلبیتؑ کا عہد ہے۔ جس کو جناب رسالتمآبؐ نے اپنی امت کے سامنے بار بار دہرایا۔ اور اگر بالفرض روایات میں نہ بھی ہوتا تاہم عقل سلیم اس امر کی گواہی دیتی ہے کہ گذشتہ انبیاء سے ان کی امتوں کی عہد شکنی اگر انسان کو دائرہ ایمان سے خارج کر سکتی ہے تو سید الانبیاء کے عہد غدیر کو امت کا توڑ دینا کیوں نہ عہد توڑنے والوں کو ایمان سے خارج کرے گا اور نیز قرآن و اہلبیتؑ سے تمسک کا فرمان نبویؐ جو تواتر سے منقول ہے۔ اس کو نظر انداز کرنے والے کس طرح دعوئ ایمان و اسلام کرنے کے حقدار ہیں پس جس طرح جبرئیل و میکائیل میں فرق کرنا یہودیوں کے لئے باعث مذمت ہے اسی طرح قرآن و اہلبیتؑ میں سے ایک کو سینے سے لگانا اور دوسرے کو پیٹھ کے پیچھے کرنا بھی منافئ اسلام ہے اور جس طرح جبرئیل کی دشمنی کے ساتھ میکائیل کے ساتھ دوستی فائدہ مند نہیں اسی طرح اہلبیت رسول کے ساتھ دشمنی ہوتے ہوئے قرآن کی دوستی کا دعویٰ فضول و ناقابل قبول ہے

قرآن واہلبیتؑ سے تمسک کی احادیث تفسیر کی جلد اوّل یعنی مقدمہ میں کافی ذکر کی جا چکی ہیں۔

تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ یَتْلُوْا کے دو معنی لئے گئے ہیں (۱) پڑھنا۔ (۲) جھوٹ اور افترا پہلی صورت میں معنی ہوگا انہوں نے اتباع کی اس کی جسکو پڑھتے تھے شیاطین ملک سلیمان ہیں اور دوسری صورت میں معنی ہوگا۔ انہوں نے اتباع کی اس چیز کی جس کا جھوٹا افترا اور بہتان باندھتے تھے۔ شیاطین ملک سلیمان کے متعلق حالانکہ انہوں نے کفر نہیں کیا بلکہ شیاطین نے کفر کیا جو لوگوں کو جادو کی تعلیم دیتے تھے۔

مجمع البیان۔ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ خدا وند کریم نے حضرت سلیمان سے جادو کے کفر کی نفی فرمائی اس آیت کریمہ سے صاف معلوم ہوا کہ جادو کرنا کفر ہے اور اس کی تعلیم کفر کی تعلیم ہے لہٰذا اس کا پڑھنا پڑھانا حرام ہے

یہودیوں نے چونکہ جادو کو حضرت سلیمانؑ کی طرف منسوب کیا تھا اور اس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ حضرت سلیمانؑ نے اپنے عہدِ سلطنت میں جادو کی تمام کتابیں ضبط کر لی تھیں اور ان کو خزانہ میں یا اپنے تخت کے نیچے چھپا دیا تھا

وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ وَمَا
اور اتباع کی انہوں نے اس کی جس کو پڑھتے شیاطین سلیمان کی شاہی میں حالانکہ نہ کفر
كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ
کیا سلیمان نے اور لیکن شیاطین نے کفر کیا کہ سکھاتے تھے لوگوں کو جادو
السِّحْرَ ۚ وَمَا اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَ
اور وہ جو نازل کیا گیا تھا اوپر دو فرشتوں کے بابل میں (جنکا نام) ہاروت و ماروت تھا
مَارُوْتَ ۭ وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا
اور نہیں سکھاتے تھے کسی کو یہاں تک کہ کہتے تھے سوائے اس کے
نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ۭ فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ
نہیں ہم تو امتحان ہیں پس کفر نہ کرنا پس سیکھتے تھے ان دونوں سے وہ چیز
بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ ۭ وَمَا هُمْ بِضَاۗرِّيْنَ بِهٖ مِنْ
جسکے ذریعہ سے جدائی ڈالتے تھے درمیان مرد و عورت کے حالانکہ وہ نہیں نقصان دے سکتے
اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا
کسی ایک کو بھی سوائے اذن خدا کے اور سیکھتے تھے وہ چیز جو ان کو نقصان دیتی تھی
يَنْفَعُهُمْ ۭ وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِي
اور نفع نہ پہنچاتی تھی اور تحقیق جان لیا انہوں نے کہ جو شخص یہ چیز اختیار کرے اس کا

الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ۚ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ
قیامت میں کوئی حصہ اور بُری چیز ہے جس کے بدلہ میں انہوں نے بیچ دیا ہے
لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝ وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَمَثُوْبَةٌ
اپنے آپ کو کاش وہ جانتے ہوتے اور اگر وہ ایمان لاتے اور خوف خدا کرتے تو اس
مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ ۭ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝
کی جزا اللہ کے نزدیک بہتر تھی کاش وہ جانتے ہوتے۔

تاکہ لوگ یہ علم نہ سیکھیں سکھائیں پس جب حضرت سلیمانؑ کی وفات ہوئی تو جادوگروں نے وہ کتابیں کسی طریقہ سے وہاں سے برآمد کرلیں اور لوگوں میں یہ مشہور کر دیا کہ حضرت سلیمانؑ کا ملک جادو کے زور پر تھا اور انہوں نے جنوں انسانوں اور پرندوں کو اسی کے ذریعہ سے مسخر کیا ہوا تھا لوگوں میں اس چیز کا بہت زیادہ پروپیگنڈا کیا اور یہودیوں میں یہ بات پھیل گئی اور انہوں نے اس پروپیگنڈا کو اور زیادہ ہوا دی

بروایت عیاشی حضرت امام محمد باقرؑ سے منقول ہے کہ حضرت سلیمانؑ کی وفات کے بعد ابلیس نے جادو ایجاد کیا اور اس کو ایک دفتر میں لکھ کر بند کیا اور کتاب کے سرورق پر اس کی نسبت حضرت آصف بن برخیا کی طرف دے دی اور اس کو تخت سلیمانؑ کے نیچے دفن کر دیا اور پھر لوگوں کو اس پر مطلع بھی کیا تو کافروں نے فوراً کہہ دیا کہ حضرت سلیمانؑ کی حکومت اسی کے زور سے تھی اور ایمان دار کہتے تھے کہ یہ نہیں بلکہ وہ اللہ کا عبد اور اس کا نبی تھا پس اس مقام پر خداوند کریم نے لوگوں سے ان فاسد خیالات کی تردید فرمائی اور قرآن میں اعلان فرمایا کہ حضرت سلیمانؑ اس کفر سے بالکل بری ہیں بلکہ کفر شیطانوں نے کیا۔ جو لوگوں کو جادو کی تعلیم دیتے تھے۔

وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ۔ اس کا ایک معنی تو یہ کیا گیا ہے کہ ما موصولہ اور اس کا عطف سحر پر ہے یعنی وہ شیاطین لوگوں کو جادو کی تعلیم دیتے تھے اور اس چیز کی تعلیم دیتے تھے جو دو فرشتوں پر بابل میں نازل کی گئی تھی اور وہ یہ تھی کہ یہ دونوں فرشتے لوگوں کو جادو کی حقیقت بتاتے تھے اور اس کی برائی سے مطلع کرتے تھے یعنی شیاطین جادو کو نا سکھاتے اور فرشتے جادو کی حقیقت بتا کر اس سے بچنا سکھاتے تھے۔

شیاطین سے مراد جن بھی ہو سکتے ہیں اور انسان بھی ہو سکتے ہیں یعنی جو بھی یہ کام کرتے تھے ان کو شیاطین سے تعبیر کیا گیا ہے اور وہ دونوں فرشتے یعنی ہاروت و ماروت جب بھی کسی کو جادو کی حقیقت سے مطلع کرتے تھے تو ساتھ ساتھ ان کو یہ بات سمجھا دیتے تھے کہ ہمارا یہ سکھانا تمہارے لئے امتحان ہے پس اس کو

استعمال کر کے کافر نہ بنتا

اور دوسرا معنی اس کا اس طرح ہے کہ ما کو نافیہ قرار دیا جائے اور اس کا عطف مَا كَفَرَ سُلَيْمَانُ پر ہے یعنی نہ کفر کیا سلیمان نے بلکہ ان شیطانوں نے کفر کیا جو لوگوں کو جادو سکھاتے تھے اور نہ یہ جادو نازل کیا گیا دو فرشتوں پر یعنی جبریل و میکائیل پر کیونکہ یہودی جادو کی نسبت حضرت سلیمان کی طرف جب دیتے تھے تو کہتے تھے کہ سلیمان کو جبریل و میکائیل کے ذریعہ یہ جادو سکھایا گیا تھا تو خداوند کریم نے سلیمان سے بھی اس کفر کی نفی کر دی اور جبریل و میکائیل سے بھی جادو کی تعلیم کی تردید فرما دی۔ پس اس وقت بَبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ کا تعلق وَلٰكِنَّ الشَّيَاطِيْنَ كَفَرُوْا سے ہوگا یعنی شیطانوں نے کفر کیا بابل میں جو کہ ہاروت و ماروت تھے حضرت سلیمان اور جبرئیل و میکائیل اس سے بری ہیں اور نحوی ترکیب کے لحاظ سے اس صورت میں ہاروت و ماروت بدل ہوں گے شیاطین سے اور تثنیہ پر جمع کا اطلاق قرآن مجید میں عام ہے مثلاً كُنَّا لِحُكْمِهِمْ شَاهِدِيْنَ ہم ان دونوں کے حکم پر گواہ تھے یعنی حضرت داؤد اور حضرت سلیمانؑ ہم کی ضمیر جمع ہے اور مرجع اس کا دو ہیں یا طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا (ترجمہ) اگر دو گروہ مومنوں کے لڑیں فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا پس ان دونوں میں صلح کرا دو۔ پہلے طَائِفَتَانِ بھی اور آخر بَيْنَهُمَا میں تثنیہ کے صیغے ہیں اور درمیان میں اقْتَتَلُوْا جمع ہے بہرکیف اس صورت میں ہاروت اور ماروت دو انسانوں کے نام ہیں جنہوں نے جادو کی تعلیم پھیلائی اور اس وجہ سے ان کو کافر کہا گیا اور اس کے بعد یہ کہنا کہ ہم فتنہ ہیں کفر نہ کرنا حالانکہ سکھاتے تو کفر کرنے کے لئے ہی تھی یہ محض مسخری اور مخول کے طور پر کہتے تھے نہ کہ نصیحت کے طور پر۔

بابل ایک شہر کا نام ہے جہاں جادو کا چرچا اور زور شور تھا اس کے محل وقوع میں اختلاف ہے بعض ہر والے بابل کہتے ہیں اور بعض کچھ اور کہتے ہیں۔

پہلے معنی کے اعتبار سے یعنی اگر ہاروت و ماروت کو دو فرشتے قرار دیا جائے تو ان کے زمین پر اتارنے اور بشکل بشریت لوگوں کو تعلیم دلانے کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ چونکہ اس زمانہ میں جادو کا چرچا عام تھا تو خداوند کریم نے ان دو فرشتوں کو بھیجا تاکہ لوگوں کو دین کی طرف متوجہ کریں اور جادو اور معجزہ میں فرق بتائیں پس یہ لوگوں کو جادو کی کیفیت سکھاتے اس سے بچنے کی ترغیب دلاتے تھے تاکہ اس کے نقصان سے اطلاع پا کر اس سے دوری کی کوشش کریں اور بعضوں نے کہا ہے کہ فرشتے چونکہ بنی آدم کی نافرمانیوں پر نکتہ چینی کیا کرتے تھے اور ہاروت و ماروت اس معاملہ میں زیادہ تیز تھے پس خداوند کریم نے ان کو انسانی جذبات عطا کر کے

زمین پر بھیجا اور اس کے بعد ایک لمبی حکایت بیان کرتے ہیں کہ آخر ان دونوں نے خدا کی نافرمانی کی اور عذاب میں گرفتار کئے گئے اور قیامت تک وہ مبتلائے عذاب رہیں گے لیکن یہ روایت اصول امامیہ کے اعتبار سے ضعیف ہے کیونکہ فرشتے معصوم ہیں اور ان سے گناہ کا ارتکاب قرآنی تصریحات کے خلاف ہے ہم نے اس طویل روایت کو ذکر کرنا مناسب ہی نہیں سمجھا کیونکہ طول بلا طائل کے سوا اور کچھ نہیں

پس معنی یہی ہوا کہ شیاطین لوگوں کو جادو کرنا سکھاتے تھے اور دونوں فرشتے اس کی کیفیت سے مطلع کر کے ان کو اس سے بچنے کی نصیحت کرتے تھے اور یہ اس طرح ہے کہ مثلاً ایک شخص کو کہا جائے کہ چوری نہ کر۔ زنا نہ کرنا۔ اور وہ پوچھے کہ چوری کیا ہوتی ہے؟ تو اس کو چوری کی کیفیت سمجھا دی جائے۔ وہ پوچھے زنا کیا ہوتا ہے؟ تو اس کو زنا کی کیفیت بتا دی جائے۔ اور اس طرح کسی گناہ کا مطلب اور اس کی حقیقت سمجھانا اور پھر اس سے منع کرنا کوئی عیب نہیں ہے۔ کیونکہ جب تک ایک چیز کا معنی معلوم نہ ہو اس سے منع کرنے کا فائدہ ہی نہیں ہے۔ لہٰذا اس اعتبار سے جادو کا معنی اور حقیقت اگر کوئی سیکھے یا سکھائے تو اس میں کوئی گناہ نہیں جب کہ مطلب اس سیکھنے اور سیکھانے سے جادو کی تردید ہو ورنہ اگر عمل کرنے کے لئے سیکھے یا سکھائے تو یہ گناہ کبیرہ ہے اور اس کو جائز جاننا کفر ہے۔

یَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا۔ اس کے بھی دو معنی ہو سکتے ہیں اگر ہاروت و ماروت دونوں فرشتے قرار دیئے جائیں جو جادو سے بچاؤ سکھاتے تھے تو معنی یہ ہوگا کہ پس یہ لوگ جن کے دلوں میں کفر تھا سیکھتے تھے یا حاصل کرتے تھے اور عمل کرتے تھے بدلے اس چیز کے جو فرشتوں سے ان کو بطور نصیحت کے کہی تھی ایسی باتیں جو ان کے لئے نقصان دہ تھیں اور جس کی وجہ سے وہ عورت و مرد میں تفرقہ ڈال دیتے تھے یعنی ان لوگوں نے فرشتوں کی بات پر عمل نہ کیا اور جادو سے بچنا نہ سیکھا بلکہ جادو میں مبتلا ہونا سیکھا جس طرح ایک شخص دوسرے شخص کو زنا اور چوری کا معنی سمجھا کر اس کو بچنے کی نصیحت کرے لیکن وہ بجائے بچنے کے یہ معنی سمجھ کر چور اور زانی ہو جائے تو کہا جاتا ہے کہ فلاں نے فلاں سے چوری اور زنا سیکھا۔ اور اگر ہاروت و ماروت سے دو شیطان مراد لئے جائیں تو معنی یہی ہوگا کہ حضرت سلیمان نے کفر نہ کیا اور نہ فرشتوں پر یہ جادو کی تعلیم اتاری گئی بلکہ ان شیطانوں نے کفر کیا جو بابل میں ہاروت و ماروت کے نام سے موسوم تھے اور وہی دونوں لوگوں کو جادو سکھاتے تھے اور مسخری کے طور پر یہ بھی کہتے تھے کہ ہم فتنہ ہیں کفر نہ کرنا۔ پس یہ لوگ ان سے جادو سیکھتے تھے اور ایسی باتیں سیکھتے تھے جس سے مرد و عورت میں تفرقہ ڈال دیتے تھے اور ضرر و نقصان

کی باتیں سیکھتے تھے حالانکہ وہ کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتے بغیر اذن اللہ کے اور انہیں معلوم تھا کہ جو شخص جادو کے عمل کو اختیار کرے اور شریعت کے احکام کو پس پشت ڈال دے اس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں یعنی اس کا انجام جہنم ہوگا جس سے چھٹکارا نہیں ہوگا آخر میں فرمایا۔ کاش وہ جانتے اس کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ اپنے علم پر وہ عمل نہ کرتے تھے اس لئے ان کو جاہل کہا گیا یعنی اگر وہ اپنے اس عمل کا انجام بد جانتے ہوتے تو کیوں ایسا کرنے کی جرأت کرتے اس آیت کے معنی میں اور اقوال بھی ہیں لیکن میں نے اپنی طرف سے آسان کرنے کی کوشش کی اور تفاسیر سے مختصر مطلب ذکر کیا ہے تاکہ آیت کے معنی کو سمجھنے میں دقت نہ ہو

علمائے شیعہ نے تسخیر جنات، تسخیر ملائکہ، تسخیر ہمزاد، عمل مسمریزم، عمل کہانت، تسخیر ارواح، اور شعبدہ بازی اور ایسے منتر جن کا معنی و مفہوم سمجھ میں نہ آئے ان سب کو جادو کے اقسام سے تعبیر کیا ہے اور ان کا ارتکاب گناہ کبیرہ قرار دیا ہے اور جو ان کو جائز قرار دے کر ایسا کرے اس پر کفر کا فتویٰ عائد کیا ہے اور اس کا واجب القتل ہونا فرمایا ہے چنانچہ ہم نے جلد اوّل میں اس کے متعلق اقوال علماء کا ذکر کیا ہے واللہ اعلم۔

وافی میں جناب رسالتمآبؐ سے مروی ہے اِنَّ السِّحْرَ وَالشِّرْكَ مَقْرُوْنَانِ یعنی تحقیق جادو اور شرک دونوں ایک جیسے ہیں گویا جادو مثل شرک کے ہے تو جس طرح مشرک واجب القتل ہے اسی طرح یہ بھی واجب القتل ہے چنانچہ اسی حدیث میں اس سے پہلے آپؐ سے مروی ہے کہ فرمایا! سَاحِرُ الْمُسْلِمِيْنَ يُقْتَلُ یعنی مسلمانوں میں سے جو جادوگر ہو اس کی سزا قتل ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا

امام حسن عسکری علیہ السلام سے منقول ہے کہ جناب امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا (جس کا خلاصہ یہ ہے) کہ چونکہ مومنوں کو خدا نے حکم دیا کہ اپنی بات نبی کی بات سے اونچی نہ کیا کرو اور نبی کو عام خطاب سے

ع ۱۳ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا

اے ایمان والو تم نبی کو (جواب کرتے ہوئے) راعنا نہ کہا کرو بلکہ انظرنا کہا کرو۔

انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا ؕ وَلِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۱۰۴﴾

اور نبی کی بات سنو اور کافروں کے لئے عذاب درد ناک ہے۔

مَا یَوَدُّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَلَا

نہیں چاہتے وہ لوگ جو کافر ہیں اہل کتاب سے اور نہ

الْمُشْرِكِیْنَ اَنْ یُّنَزَّلَ عَلَیْكُمْ مِّنْ خَیْرٍ مِّنْ

مشرک کہ اترے تمہارے اوپر کوئی اچھائی تمہارے رب

رَبِّكُمْ ۗ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۗ وَاللّٰهُ

کی طرف سے اور اللہ مخصوص کر دیتا ہے اپنی رحمت کے ساتھ جسے وہ چاہے

ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۱۰۶﴾ مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ

اور اللہ بڑے فضل والا ہے ہم منسوخ کر دیں کسی آیت کو یا اس کو

نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا ۗ اَلَمْ تَعْلَمْ

ترک کرا دیں تو اس سے بہتر یا اسی جیسی اور لاتے ہیں کیا تم نہیں جانتے تحقیق اللہ

اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۰۷﴾ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ

ہر چیز پر قادر ہے۔ کیا تم نہیں جانتے کہ تحقیق

لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۗ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ

اللہ کے لئے ہی ہے ملک آسمانوں اور زمینوں کا اور تمہارا کوئی نہیں ہے اللہ کے

اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۱۰۸﴾ اَمْ تُرِيْدُوْنَ اَنْ

بغیر ولی نہ مدد گار کیا تم چاہتے ہو کہ سوال کرو

تَسْـَٔلُوْا رَسُوْلَكُمْ كَمَا سُئِلَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ۗ

پیغمبر رسول سے جیسا طرح سوال کیا گیا تھا موسیٰ سے اس سے پہلے اور

وَمَنْ يَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ ضَلَّ

جو اختیار کرے کفر کو بدلے ایمان کے پس تحقیق وہ گمراہ

سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿۱۰۹﴾

ہے سیدھے رستے سے

نہ بلایا کرو جس طرح ایک دوسرے کے لئے عام خطابات استعمال کرتے ہو۔ جب آپ مدینہ میں وارد ہوئے تو مہاجر و انصار کثرت سے آپ کی خدمت میں مسائل دینیہ دریافت کرتے تھے اور اپنی طرف سے نہایت مؤدبانہ الفاظ سے حضورؐ کو خطاب کیا کرتے تھے اور آنحضورؐ بھی اپنی رأفت و رحمت سے ان کی بڑی رعائت فرماتے تھے کہ کہیں یہ لوگ گناہ میں مبتلا نہ ہو جائیں حتیٰ کہ ایک دفعہ ایک اعرابی نے آپ کو بلند آواز سے بلایا تو آپ نے اس کو اس کے لہجہ سے بلند آواز میں

جواب دیا تاکہ اس کی آواز رسول کی آواز سے بلند نہ رہے اور وہ گنہگار نہ ہو۔ پس اعرابی نے پوچھا توبہ کی حد کیا ہے آپؐ نے فرمایا اے اعرابی توبہ کا دروازہ کھلا ہے جب تک کہ سورج مغرب کی طرف سے طلوع نہ کرے۔ امامؒ فرماتے ہیں کہ اسی بنا پر مسلمان حضورؐ کو خطاب کرتے ہوئے راعنا کی لفظ استعمال کیا کرتے تھے جس کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ ہماری طرف توجہ فرمائیے۔ ہماری عرض سنئے۔ پس یہودیوں نے بھی حضورؐ!

کو اسی کلمہ سے خطاب کرنا شروع کر دیا۔ کیونکہ ان کی زبان میں اس کا معنی یہ تھا۔ سن تجھے سُننا نصیب نہ ہو اور انہوں نے یہ تجویز کی کہ پہلے خفیہ طور پر نبی کو سب وشتم کرتے تھے اب اس لفظ کے ذریعے ہمیں ظاہر بظاہر حضور! کی توہین کا موقعہ ملا ہے تو سعد بن معاذ کو ان کی شیطنت کا علم ہو گیا اور فرمایا اگر میں نے آج کے بعد تمہاری زبان سے یہ کلمہ سنا تو قتل کر دونگا۔ اسی بنا پر یہ آیت اتری کہ مسلمانو! تم رسول ؐ کو خطاب کرتے ہوئے رَاعِنَا کی لفظ چھوڑ دو بلکہ اُنظرنا کہا کرو تاکہ یہودیوں کو یہ بہانہ بھی نہ مل سکے۔

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ:۔ نسخ کی تین صورتیں ہوتی ہیں (۱) قرأت اور حکم دونوں منسوخ ہو جائیں (۲) قرأت منسوخ نہ ہو اور حکم منسوخ ہو جائے (۳) قرأت منسوخ ہو جائے اور حکم باقی ہو جس طرح آیت رجم کہ اس کی قرأت منسوخ ہو گئی اور رجم کا حکم باقی ہے اور کہتے ہیں کہ بہت سی آیات ایسی ہیں جن کی تلاوت و قرأت ہی منسوخ ہے اور حکم باقی ہے مثلاً ابو موسیٰ سے مروی ہے کہ یہ آیت پڑھی جاتی تھی لَوْ اَنَّ لِابْنِ اٰدَمَ وَادِيَيْنِ مِنْ مَالٍ لَابْتَغٰى اِلَيْهِمَا ثَالِثًا وَلَا يَمْلَأُ جَوْفَ ابْنِ اٰدَمَ اِلَّا التُّرَابُ وَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ تَابَ یعنی اگر اولادِ آدم کو مال کی دو وادیاں مل جائیں وہ تو تیسری کی خواہش بھی کرے گا اور اولادِ آدمؑ کا پیٹ صرف مٹی ہی بھرے گی (قبر) اور توبہ کرنیوالے کی توبہ اللہ قبول فرماتا ہے۔

اَوْ نُنْسِهَا کا اس کا معنی بعض لوگ نسیان کرتے ہیں اور خطاب رسول پاک ؐ کی طرف قرار دیتے ہیں۔ اور رسول ؐ پاک کے لئے نسیان کو جائز سمجھتے ہیں لیکن ہمارے علمائے محققین نبی علیہ السلام پر نسیان کو جائز قرار نہیں دیتے لہٰذا اس کا معنی "ترک" کرتے ہیں تو آیت کا معنی یہ ہوگا کہ جس آیت کو ہم منسوخ کر دیں یا تجھے اس کے ترک کا حکم دے دیں پس مصلحتِ وقت کے مطابق اس جیسی یا اس سے بہتر دوسری آیت بھیج دیتے ہیں۔

ممکن ہے کہ بعض احکام کے منسوخ ہونے پر کفار مکہ یا یہود نے اعتراض کیا ہو جیسا کہ بعض مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ تحویل قبلہ کے وقت یہودیوں نے زبان درازی کی تھی۔ پس اس آیت میں خداوند کریم نے ان کی تردید فرمائی

اَلَمْ تَعْلَمْ اس کے شانِ نزول کے متعلق اختلاف ہے ابن عباس سے منقول ہے کہ رافع بن حرملہ اور وہب بن زید نے حضرت رسول ؐ خدا سے سوال کیا تھا کہ ہم تب ایمان لائیں گے کہ ہمارے سامنے آسمان سے ایک کتاب اترے اور اس کو ہم پڑھیں اور نیز ہمارے سامنے آپ پانی کی نہریں جاری کر دکھائیں تب ہم

مانیں گے اور تیری اطاعت بھی کریں گے۔ بعض کہتے ہیں کہ عربوں نے ملائکہ کے نزول اور خدا کی رؤیت کا سوال کیا تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ قریش نے کوہِ صفا کے سونا ہو جانے کا سوال کیا تھا وغیرہ تو خداوند کریم نے ان کے سوالات کی تردید فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ تم بھی رسولِ پاکؐ سے وہ سوالات کرنے لگے ہو جو حضرت موسیٰؑ سے اس کی قوم نے کئے تھے۔ جب رسول کی تصدیق کے لئے دلائل و براہین موجود ہیں جو شخص ان کو نہیں مانتا وہ ان چیزوں پر کیا ایمان لائے گا بلکہ جادو وغیرہ سے تعبیر کر دے گا۔ منصف مزاج کے لئے واضح دلائل موجود ہیں وہ ان میں غور کرے اور حق و باطل میں امتیاز کرے اور جو شخص خواہ مخواہ عناد سے کام لے کر ایمان لانے کی بجائے انکار ہی پر ڈٹ جائے تو وہ راہِ راست سے بھٹکا ہوا ہے اس کا علاج ہی کوئی نہیں۔

مجمع البیان۔ وَدَّ كَثِيرٌ، شان نزول اس کا یہ ہے کہ حُیی ابن اخطب اور اس کا بھائی ابو یاسر جناب رسالتمآبؐ کے مدینہ میں تشریف لانے کے بعد حاضر خدمت ہوئے جب یہ واپس گئے تو ان سے دریافت کیا گیا کہ آیا وہ نبی ہیں؟ تو حُیی ابن اخطب نے جواب دیا کہ ہاں بیشک پھر اس سے پوچھا گیا کہ ان کے متعلق تیرا نظریہ کیا ہے تو جواب دیا کہ مرتے دم تک دشمنی ہی رکھوں گا اور یہی وہ

وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّونَكُمْ مِّنْ

چاہا بہت سوں نے اہل کتاب میں سے کہ تمہیں پھر کافر کر ڈالیں بعد تمہارے

بَعْدِ إِيمَانِكُمْ كُفَّارًا ۖ حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ أَنْفُسِهِمْ

ایمان کے بوجہ حسد کے جو ان کے دلوں میں ہے بعد واضح ہو

مِّنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۚ فَاعْفُوا

جتانے حق کے پس معاف کرو اور درگذر کرو

وَاصْفَحُوا حَتّٰى يَأْتِيَ اللّٰهُ بِأَمْرِهِ ۗ إِنَّ اللّٰهَ عَلٰى

یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم بھیجے تحقیق اللہ ہر چیز پر قادر ہے

كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝١٠٩ وَأَقِيمُوا الصَّلٰوةَ وَآتُوا الزَّكٰوةَ

اور قائم کرو نماز کو اور ادا کرو زکواۃ کو

وَمَا تُقَدِّمُوا لِأَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِنْدَ اللّٰهِ

اور جو کچھ بھیجو اپنے نفسوں کے لئے اعمال خیر میں سے پاؤ گے اللہ کے پاس

إِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۝١١٠ وَقَالُوا لَنْ

اس کی (جزا) تحقیق اللہ تمہارے اعمال سے آگاہ ہے اور کہا (اہل کتاب نے) کہ

لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ؕ	وہ شخص ہے جس نے عہد
ہرگز نہ داخل جنت ہوگا مگر جو یہودی ہوں یا نصرانی	شکنی کی اور جنگ خندق
تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ	کا سبب بنا۔ ابن عباس
یہ ان کی (بلا دلیل) آرزوئیں ہیں ان کو کہہ دیجئے کہ تم اپنی دلیل لاؤ اگر	سے اسی طرح منقول ہے
كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ بَلٰى مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ	اور بعضے یہ باتیں کعب
سچے ہو ہاں! جو جھکا دے اپنا منہ اللہ	بن اشرف سے منسوب
لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗۤ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۪ وَلَا	کرتے ہیں۔
کے لئے اور نیک عمل ہو پس اس کے لئے اسکا اجر ہے اپنے رب کے	فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا
خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝	یہودی جس قدر شرارتیں
پاس اور نہ ان پر خوف ہوگا اور نہ غم (بروز قیامت)	کرتے رہے مسلمانوں

کو درگذر کرنے کا حکم رہا پس جب حکم خداوندی ہوا تو بنی قریضہ کے مردوں کو قتل اور بچوں کو قید کیا گیا اور بنی نضیر کو جلاوطن کر دیا گیا۔

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ۔ تفسیر برہان میں جناب رسالتمآبؐ سے ایک حدیث میں مروی ہے کہ نماز کی کنجی طہارت ہے اور وہ بڑی طہارت جس کے بغیر نماز اور دیگر تمام عبادتیں ناقابل قبول ہیں، وہ ولایت محمدؐ و آلِ محمدؐ اور ان کے دوستوں سے دوستی اور ان کے دشمنوں سے دشمنی رکھنا ہے روایت کا مرادی ترجمہ عرض کیا گیا ہے۔

وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ یعنی یہودی لوگ اپنے مقام پر یہ کہتے تھے کہ صرف ہم ہی جنت میں داخل ہوں گے اور نصرانی کہا کرتے تھے کہ جنت میں ہمارے سوا کوئی بھی داخل نہ ہوگا۔ خداوند کریم نے ان دو گروہوں کے فاسد خیالات کو یک جا ذکر فرمایا ہے اور پھر ان کی تردید فرما دی ہے اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ سب اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ تمام یہودیوں اور نصرانیوں کے جنتی ہونے کا دعویٰ کرتے تھے بلکہ مقصد یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک اپنے آپ کو جنت کا ٹھیکیدار سمجھتا ہے اور دوسرے گروہ کو باطل پرست قرار دیتا ہے۔ چنانچہ اس کے بعد والی آیت اس

مضمون کو صریح طور پر واضح کر رہی ہے اور اس کے بعد خداوند کریم نے صاف طور پر ان کے دعویٰ باطلہ کو جھوٹا بتا دیا ہے۔ کہ یہ صرف ان کی خواہشات ہیں ان کے پاس اس کی دلیل کوئی نہیں ہے

بَلٰی مَنْ اَسْلَمَ ان دونوں گروہوں کی تردید کے بعد معیارِ دخولِ جنّت بیان فرما دیا کہ جو اللہ کے سامنے سر جھکا دے اور اعمال صالحہ کرے پس اس پر نہ خوف محشر ہوگا اور نہ موت کے وقت غم ہوگا کیونکہ مومن کو موت کے وقت ہی جنّت کی خوشخبری دی جاتی ہے جیسا کہ تفسیر اہلبیتؑ میں مرقوم ہے

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ

امام حسن عسکری علیہ السلام سے اس کی تفسیر اس طرح منقول ہے کہ یہودی نصرانیوں کے متعلق کہتے تھے کہ ان کا دین باطل و کفر ہے اور نصرانی یہودیوں کے دین کو باطل و کفر کہتے تھے۔ کتاب خدا کو پڑھتے تھے لیکن اس میں غور نہیں کرتے تھے تاکہ گمراہی سے بچ جائیں اور جو لوگ بے علم تھے (اہل کتاب کے علاوہ) وہ بھی یہود و نصاریٰ کی طرح ایک دوسرے کو باطل و کفر کہتے تھے۔

(ترجمہ ملخص)

آیت مجیدہ کے

ع ۱۴

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ وَّ

اور یہودیوں نے کہا نہیں ہیں نصاریٰ اوپر دین حق کے اور کہا نصاریٰ نے

وَقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَيْءٍ (۱۱۳)

کہ نہیں ہیں یہودی اوپر دین

وَّهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا

حق کے حالانکہ تلاوت کتاب بھی کرتے ہیں اسی طرح کہا ان لوگوں نے جو بالکل

يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۚ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ

بے علم ہیں اپنی جیسا قول پس اللہ ان کے درمیان حکم کرے گا

الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ○ (۱۱۳) وَمَنْ

بروز قیامت اس کے متعلق جس میں اختلاف کرتے تھے۔ اور

اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا

کون زیادہ ظالم ہے اس شخص سے جو روکے اللہ کی مساجد سے کہ نام لیا جائے ان میں ذکر

اسْمُهٗ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا ۚ اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ

کرنے سے اور کوشش کرے ان کی بربادی میں ایسے لوگ ناجائز ہے کہ

اَنْ يَّدْخُلُوْهَا اِلَّا خَآئِفِيْنَ ۚ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ

وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝ ۱۱۴ وَلِلَّهِ

اور آخرت میں بھی ان کے لئے بڑا عذاب ہے اور اللہ

الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللَّهِ

کے لئے مشرق و مغرب ہے پس جس طرف منہ کرو ادھر ہی اللہ

إِنَّ اللَّهَ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ۝ ۱۱۵

کی ذات ہے تحقیق اللہ وسیع حکومت والا ہے اور ہر چیز کے جاننے والا ہے

شان نزول کے متعلق امام حسن علیہ السلام سے مروی ہے کہ یہود و نصاریٰ کے گروہ حضرت رسولؐ خدا کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ہم میں فیصلہ فرمائیں پس یہودیوں نے اپنے تئیں مومن بتایا اور نصاریٰ کے دین کو باطل کیا اور نصاریٰ نے اپنے آپ کو مومن بتایا اور یہودیوں کے دین کو غلط کہا تو حضورؐ نے فرمایا کہ تم ہر دو غلطی پر ہو اور اگر تم کتاب اللہ پر عمل نہ کرو گے تو تم پر یہ دونوں امر باعث وبال ہو گی (حدیث طویل ہے)

وَمَنْ اَظْلَمُ علامہ طبرسی نے ذکر فرمایا ہے کہ روایت میں آیا ہے۔ جب جناب رسولؐ خدا نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی تو مکہ میں اصحاب نبیؐ کی بنا کردہ مساجد جن میں نماز پڑھا کرتے تھے مشرکین نے منہدم کر دیں۔ اور حضرت امام حسن علیہ السلام سے ایک روایت میں ہے کہ حضور جب مدینہ میں تشریف لائے تو مسجد الحرام و بیت اللہ سے جدائی آپ کو بہت گراں معلوم ہوئی، اور غمزدہ ہوئے پس خداوند کریم کی جانب سے وحی ہوئی کہ آپ غم نہ کریں ہم تجھے فاتحانہ انداز سے اسی شہر کی طرف پلٹا دیں گے تو حضورؐ نے یہ بشارت صحابہ کو سنائی اور رفتہ رفتہ یہ خبر اہل مکہ تک پہنچی تو وہ مسخری کرتے تھے پس جناب رسالتمآبؐ کو وحی ہوئی کہ تجھے مکہ پر خدا فتح دے گا اور پھر وہاں میرا حکم نافذ ہو گا اور پھر مکہ کا داخلہ مشرکین پر ممنوع کیا جائے گا اور وہ مکہ میں خوفزدہ ہو کر داخل ہوں گے کیونکہ انہیں بصورت کفر اسلام کی تلوار کا ڈر ہو گا اور دنیا میں ان کے لئے رسوائی ہو گی کہ وہ حرم خدا سے نکال دیئے جائیں گے اور آخرت کا عذاب عظیم بھی ان کے لئے ہو گا چنانچہ جب مکہ فتح ہوا تو مروی ہے کہ حضورؐ نے حکم دیدیا کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے اور کوئی برہنہ طواف کرنے نہ آئے کیونکہ بیت اللہ کا طواف برہنہ ہو کر کیا کرتے تھے۔

وَلِلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ۔ اس آیت مجیدہ کے شان میں اختلاف ہے۔ (مجمع البیان)

(۱) ابن عباس سے مروی ہے کہ جب تحویل قبلہ کا حکم ہوا اور بیت المقدس کی بجائے کعبہ مسلمانوں کا قبلہ قرار پایا تو یہودیوں نے اعتراضات شروع کئے۔ تب یہ آیت نازل ہوئی کہ مشرق و مغرب سب اللہ کے لئے ہیں انسان جس طرف منہ کرے اس کی ذات ہر طرف وجود ہے۔

(۲) آئمہ اہلبیتؑ سے مروی ہے کہ یہ آیت نوافل کے متعلق ہے کیونکہ نوافل سفر کی حالت میں جبطرف انسان جارہا ہو اسی طرف منہ کرکے ادا کرسکتا ہے جبکہ سواری پر ہو اور جناب رسالتمآبؐ نے خیبر کو جاتے ہوئے اور مکہ سے واپس مدینہ آتے ہوئے سواری پر نوافل ادا کئے حالانکہ ہر دو سفروں میں جناب رسالتمآبؐ کی پشت قبلہ کی طرف تھی۔

(۳) جابر سے مروی ہے کہ جناب رسولِ خداؐ کسی طرف لشکر بھیجا میں بھی اس میں موجود تھا۔ ایک جگہ ہم پر ایسی تاریکی چھائی کہ قبلہ کی سمت معلوم نہ ہوسکتی تھی پس ایک گروہ نے ایک طرف اپنے اندازہ سے قبلہ کا یقین کرکے نماز پڑھ لی اور اس جانب کا نشان لگا دیا اور دوسرے گروہ نے دوسری طرف قبلہ کا اندازہ کرکے نماز ادا کی اور اس جانب کا نشان بھی محفوظ کرلیا۔ جب صبح ہوئی اور سورج نکلا تو وہ سب نشان خلاف قبلہ تھے پس جب سفر سے واپس پلٹے تو جناب رسولؐ خدا سے یہ مسئلہ دریافت کیا پس یہ آیت اتری۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ بَلْ لَّهٗ مَا

اور انہوں نے کہا کہ رکھتا ہے خدا اولاد اس کی ذات اس سے منزہ اور پاک ہے بلکہ اس کی

فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ۝ بَدِیْعُ

ملکیت میں ہے جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے سب اس کے مطیع ہیں ایجاد کرنے

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِذَا قَضٰۤى اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ

والا ہے آسمانوں اور زمینوں کا اور جب ایجاد کرے کوئی شے تو بجز اس کے نہیں کہ فرماتا ہے

لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ ۝ وَقَالَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ لَوْلَا

ہو جا پس وہ شے ہو جاتی ہے اور کہا بے علم لوگوں نے کیوں نہیں ہمارے ساتھ بولتا خدا یا کیوں

یُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِیْنَاۤ اٰیَةٌ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِیْنَ مِنْ

نہیں آتی ہمارے پاس کوئی نشانی اسی طرح کہی ان لوگوں نے جو ان سے پہلے

وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا۔ اس کے شان نزول کے متعلق علامہ طبرسی نے ذکر فرمایا ہے کہ چونکہ نصرانی حضرت عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا کہتے تھے لہٰذا خدا نے ان کے قول کی تردید فرمائی اور بعض نے کہا ہے کہ مشرکین فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے لہٰذا

قِيْلِهِمْ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۘ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ ۭ قَدْ	
گذر گئے ان جیسی بات ایک دوسرے کے مشابہ ہیں ان کے دل تحقیق ہم نے واضح کر دی	
بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ	
ہیں نشانیاں اس قوم کے لیے جو صاحب یقین ہیں ۔	بتحقیق ہم نے بھیجا ہے آپ کو
بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۙ وَّلَا تُسْـَٔـلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ ۝	
برحق بشیر و نذیر بنا کر اور آپ سے باز پرس نہ ہو گی دوزخ جانے والوں کی	

یہ آیت ہر دو فریقین کے مقولہ کی تردید کرنے کیلئے اتری۔

پس فرمایا سبحانہٗ یعنی اللہ اس نسبت سے بلند و بالا اور پاک و منزہ ہے ۔ پھر اس کی چند وجوہ بھی ذکر فرما دیں۔

(۱) آسمانوں اور زمینوں کی تمام چیزیں خواہ ملائکہ ہوں یا حضرت عیسیٰؑ ہوں یا جملہ انبیاء ہوں یہ سب اس کی مخلوقیت میں ہیں اور بیٹا باپ کا مملوک نہیں ہوا کرتا لہٰذا ان کو اس کا بیٹا یا بیٹی کہنا ناجائز ہے اور غلط ہے۔

(۲) وہ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یعنی آسمانوں اور زمینوں اور ان میں آباد ہونے والی جملہ مخلوق کا وہ موجد ہے یعنی بغیر اسباب و آلاتِ ظاہر یہ پیدا کرنے والا ہے اور بیٹا باپ سے بغیر سبب ظاہری کے تولد نہیں پاتا بلکہ وہ سبب کا محتاج ہوتا ہے۔

(۳) بیٹا باپ کی جنس سے ہوا کرتا ہے لہٰذا وہ باپ کا فعل اور اس کی ایجاد نہیں کہا جا سکتا اور یہ سب مخلوق چونکہ اللہ کی ایجاد ہے لہٰذا اس کی جنس سے یا اس کی اولاد کہنا غلط ہے۔

(۴) تمام مخلوق اَمرِ کُنْ سے پیدا ہوئی ہے اور اولاد کی پیدائش اس طرح نہیں ہوتی۔

کُنْ فَيَكُوْنُ ۭ اس کا یہ مطلب نہیں کہ خداوند کریم لفظ کُن کی ایجاد فرماتا ہے اور بعد میں مخلوق پیدا ہوتی ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا پیدا کرنے میں چونکہ آلات و اسباب کا محتاج نہیں لہٰذا وہ کسی چیز کو خلق فرمانے کا ارادہ کرتا ہے اور اس کے بعد فوراً وہ چیز پیدا ہو جایا کرتی ہے۔ جسطرح کہ کہا جائے کُنْ یعنی ہو جا پس وہ چیز ہو جائے یعنی پیدا کرنے میں اس کو دیر نہیں لگتی

التباہ:۔ اس مقام پر بعض جہلا یہ کہا کرتے ہیں کہ تمام مخلوق سوائے محمدؐ و آلِ محمدؐ کے ان ہی کی پیدا کردہ ہے ایہ یہ اللہ کے پیدا کردہ ہیں کیونکہ خدا فرماتا ہے کہ جب میں پیدا کرتا ہوں تو کُن کہتا ہوں

اور شئی ہو جاتی ہے۔ اور خدا چونکہ جسم و جسمانیت سے پاک ہے لہٰذا اس کی زبان نہیں پس اس کے لئے کُن کہنا ناجائز ہے۔ تو گویا ثابت ہوا کہ پہلے ایسی ذواتِ مقدسہ موجود تھیں جنہوں نے کُن کہا اور مخلوق پیدا ہوئی

نیز حضرت امیر علیہ السلام کے بعض خطبات سے بھی ان کو دھوکا ہوتا ہے۔ جیسا کہ آپؑ کا ارشاد ہے نَحْنُ صَنَائِعُ اللّٰہِ وَالنَّاسُ بَعْدُ صَنَائِعُ لَنَا۔ اس کا ترجمہ یوں کرتے ہیں کہ ہم اللہ کی مخلوق ہیں اور باقی لوگ ہماری مخلوق ہیں

جواب۔ یہ عقیدہ کفر و شرک ہے خدا جس طرح حضرات محمدؐ و آلِ محمدؐ کا خالق ہے اسی طرح وہ تمام کے ذرّہ ذرّہ کا خالق ہے۔ اوّل تو کُن کہنے میں وہ جسم کا محتاج نہیں جسطرح وہ تمام موجودات جواہر و اعراض کو پیدا کرنے پر قادر ہے۔ اسی طرح اس آواز کو بغیر کسی محل کے ایجاد کرنے پر قدرت رکھتا ہے جس طرح کوہ طور پر حضرت موسیٰؑ سے کلام ہوتی تھی کیونکہ وہ کلام کے پیدا کرنے میں زبان کا محتاج نہیں اور حضرت موسیٰ سے کلام کرتے میں وہ درخت کا بھی محتاج نہیں تھا۔ زبان کو کلام کرنے کی طاقت بھی اس کی عطا کردہ ہے اور درخت سے آواز کا پیدا ہونا بھی اس کی قدرت شاملہ سے ہی تھا۔ اسی طرح معراج پر جناب رسالتمآبؐ سے بلا واسطہ کلام ہوئی نہ وہاں زبان تھی نہ کوئی درخت تھا البتہ کلام کا لہجہ حضرت امیر کا سا تھا اور وہ بھی صرف حضور رسالتمآبؐ کی محبت و مانوسیت کی وجہ سے تھا ورنہ لہجہ کا خالق بھی وہی ہے جو آواز کا خالق تھا۔

نیز پہلے بیان کیا گیا ہے کہ کُنْ فَیَکُوْنُ کا مطلب یہ نہیں کہ اس نے لفظ کُن کہا تب چیز موجود ہوئی بلکہ یہ ہمارے سمجھانے کے لئے ہے کہ اس کو پیدا کرنے میں دیر نہیں ہوتی بس ایسا ہوتا ہے کہ جسطرح کُن کہا جائے اور شئی ہو جائے۔

اور جناب امیر علیہ السلام کے فرمان کا مطلب یہ ہے کہ ہم اللہ کی مخلوق ہیں ہمارے اوپر سوائے اس کی ذات کے اور کسی کا احسان نہیں لیکن لوگ ہماری وجہ سے پیدا ہوئے ہیں۔ اگر ہم نہ ہوتے تو باقی مخلوق پیدا نہ کی جاتی پس تمام لوگوں کا خالق بھی وہی ہے لیکن ہماری بدولت جس طرح فرمان ہے لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ

بنی اسرائیل کی بدعنوانیوں کی فہرست

یہاں تک پورے دس رکوع بنی اسرائیل کے متعلق گزرے ہیں جن میں بنی اسرائیل کی بدعنوانیاں اور ان پر خداوند کریم کے احسانات اور حسنِ تجاوز اور بعض ان کی سرکشیوں کی سزاؤں کا ذکر ہوا ہے تاکہ دورِ حاضر کے بنی اسرائیل نصیحت حاصل کریں اور تا قیامت مسلمانوں کے لئے بھی درس عبرت ہو۔ خلاصہ کے طور پر بنی اسرائیل کی مذکورہ بدعنوانیوں کی ہم فہرست بیان کرتے ہیں تاکہ اچھی طرح وضاحت ہو سکے۔

(۱) باوجود حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سمجھانے کے اور ان کے ادلہ توحید پیش کرنے کے انہوں نے اصرار کیا کہ ہم خدا کو دیکھیں گے تب مانیں گے۔

(۲) منّ وسلویٰ کی پاک وپاکیزہ غذا خدا نے عطا فرمائی جو بلا محنت ومشقت حاصل تھی اس سے بے شکری کرتے ہوئے منہ پھیر لیا اور محنت ومشقت کر کے زمین کی پیداواروں میں سے غذا حاصل کرنے کی خواہش کی۔

(۳) بیت المقدس میں داخلہ کے لئے سجدہ یا عاجزی کرتے ہوئے دروازہ سے گزرنے کا حکم تھا لیکن انہوں نے اس کا الٹ کیا۔

(۴) لفظ حِطّۃٌ زبان پر جاری کرنے کا حکم ہوا جس کا معنی توبہ کرنا تھا انہوں نے اس کو تبدیل کر کے حنطۃٌ بنا بر ایک روایت کے کہنا شروع کر دیا۔

(۵) حضرت موسیٰ کوہِ طور پر تشریف لے گئے تو باوجود حضرت ہارونؑ کے سمجھانے کے سامری کی اطاعت کرتے ہوئے گوسالہ پرستی اختیار کر لی۔

(۶) آیاتِ خداوندی کا مطالعہ کرنے کے بعد انکار وراں کرتے رہے

(۷) ناحق انبیاء کے قتل مثلاً حضرت یحییٰؑ وحضرت زکریاؑ کا ارتکاب کیا۔

(۸) تورات سے تمسک پکڑنے کا عہد کر کے حضرت موسیٰؑ کے لانے کے بعد انکار کر دیا۔

(۹) کوہِ طور کے سر پر آجانے کے بعد اقرار اطاعت کیا اور پھر مرتد ہو گئے۔

(۱۰) سنیچر کے روز مچھلی کا شکار ممنوع تھا لیکن باز نہ آئے۔

(۱۱) ناحق قتل کر کے پھر خود دعویدار بن کر حضرت موسیٰؑ سے فیصلہ کے طالب ہوئے اور پھر گائے کی تعیین میں کس قدر جی چرانے کی کوشش کی۔

(۱۲) تورات کی آیات کے مضامین بدل ڈالے اور تحریف کر کے عوام کو دھوکا دیتے رہے۔

(۱۳) جناب رسالتمآبؐ کی اوصاف جو تورات میں صاف طور پہ موجود تھیں۔ طاقتور کمزوروں پہ زور ڈالتے تھے کہ مسلمانوں سے ان کو پوشیدہ رکھا جائے۔ تاکہ وہ ہمارے اوپر میدان محشر میں حجت نہ پکڑ لیں۔

(۱۴) مسلمانوں کے سامنے نبی کی نبوت کا اعتراف کر کے علیحدگی میں اس کی مخالفت پہ آمادہ رہتے تھے۔

(۱۵) تورات کی آیات میں ردوبدل کر کے عوام سے جیب پری کرتے تھے۔

(۱۶) وہ کہتے تھے چند دن ہی ہم دوزخ میں جائیں گے اور وہ گوسالہ پرستی کے ایام ہیں۔

(۱۷) ان سے عبادتؔ اطاعت والدینؔ ہمسایہ پروریؔ غریب پروریؔ نماز زکوٰۃ وغیرہ کا عہد لیا گیا تھا۔ لیکن انہوں نے عمل نہ کیا۔

(۱۸) ان سے خونریزی نہ کرنے کا عہد لیا گیا تھا لیکن باز نہ آئے۔

(۱۹) ان سے عہد لیا گیا تھا کہ ایک دوسرے کو جلاوطن نہ کرنا۔ لیکن انہوں نے اس پر بھی عمل نہ کیا۔

(۲۰) رسول جو چیز ان کی خواہش کے خلاف بیان کرتے تھے وہ اس کا صاف انکار کر دیتے تھے۔

(۲۱) کہتے تھے ہمارے دل حجاب میں ہیں۔

(۲۲) نبی علیہ السلام کی آمد سے پہلے اوس و خزرج پر جناب رسالتمآبؐ کی آمد کا رعب جماتے تھے یا ان کے وسیلہ سے دعا مانگ کر فتح حاصل کرتے تھے۔ لیکن جب وہ تشریف لائے تو دشمن ہو گئے۔

(۲۳) ان کو جناب رسالتمآبؐ کی نبوت کا صرف یہی حسد تھا کہ اسمعیل کی اولاد میں نبی کیوں ہوا۔

(۲۴) پہلے حضرت عیسیٰؑ کا انکار تھا اور اب حضرت محمد مصطفیٰؐ کی نبوت سے سرتابی کی جس کی بدولت غضب در غضب میں مبتلا ہوئے۔

(۲۵) ان کو کتاب اللہ پر ایمان لانے کی دعوت دی گئی تو کہا جو ہم پر اتری ہے اس کو مانیں گے۔ اس کے علاوہ کسی کتاب کو ہم ماننے پر تیار نہیں۔

(۲۶) منہ سے کہتے تھے کہ ہم نے نصیحت سن لی لیکن دل میں اس کا انکار محکم رکھتے تھے۔

(۲۷) وہ کہتے تھے جنت کا گھر صرف ہمارے لئے ہی ہے۔

(۲۸) وہ چونکہ دل میں سمجھتے تھے کہ آخرت میں ہمارے لئے جہنم ہے لہٰذا لمبی عمروں کی خواہش کرتے تھے
(۲۹) وہ کہتے تھے کہ فرشتوں میں سے جبرئیل ہمارا دشمن ہے اگر قرآن میکائیل کا لایا ہوا ہوتا تو ہم ضرور ایمان لاتے۔
(۳۰) بنی قریظہ و بنی نضیر نے جناب رسالتمآبؐ سے ابتداء ہجرت میں عہد کیا تھا جس کو بعد میں توڑ دیا اور نتیجہ میں رسوائی پائی۔
(۳۱) جادوگر کے لوگوں کو ضرر پہنچاتے تھے۔
(۳۲) حضرت سلیمان کی طرف جادو کی نسبت دیتے تھے جس کی خدا نے تردید فرمائی۔
(۳۳) مسلمانوں کے خطاب رَاعِنَا کو سن کر رسولؐ پاک کو اسی لفظ سے ندا دیتے تھے اور مراد گالی و دشنام لیتے تھے۔
(۳۴) آیات واحکام کے نسخ پر اعتراض کر کے مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتے تھے جس کا خداوند کریم نے جواب دیا۔
(۳۵) جناب رسالتمآبؐ سے وہی سوال کرتے تھے جو حضرت موسیٰ سے ان کے اکابر نے کئے تھے
(۳۶) مسلمانوں کو دین اسلام سے برگشتہ کرنے کے لئے ان کے دلوں میں شبہات ڈالتے تھے۔
(۳۷) اہل کتاب کا ہر فرقہ اپنے آپ کو جنت کا ٹھیکیدار سمجھتا تھا اور دوسرے کے دین کو باطل کہتا تھا
(۳۸) تحویل قبلہ کے حکم سے مسلمانوں پر اعتراضات کئے جنکا خداوند کریم نے ازالہ فرمایا۔
(۳۹) خدا کے لئے اولاد کے قائل تھے۔ جسکی اللہ نے تردید فرمائی۔
(۴۰) کہتے تھے ہم نہ مانیں گے جب تک خدا ہمارے ساتھ خود کلام نہ کرے۔

یہ وہ چیزیں ہیں جن کا کسی قدر صراحت سے گذشتہ آیات میں ذکر ہو چکا ہے۔
بعض یہودیوں سے مختص ہیں اور بعض میں نصرانی بھی شریک ہیں بعض حضرت موسیٰؑ کے زمانے کے بنی اسرائیل سے متعلق اور بعض ان کے بعد سے لیکر جناب رسالتمآبؐ کے دور تک کے بنی اسرائیل سے متعلق ہیں۔ لیکن موجودہ دور والے چونکہ اپنے اکابر کے افعال پر بھی راضی تھے اس لئے تمام بدعنوانیوں کی سرزنش ان کو کی گئی۔ اور باوجود بنی اسرائیل کی اسقدر بدعنوانیوں کے خداوند کریم کے احسانات اور ان سے درگذر بھی حد سے زیادہ ہے جن کا گذشتہ آیات میں تذکرہ ہو چکا ہے اور ان کے علاوہ بنی

اسرائیل کی قباحتیں بھی ہیں جو گذشتہ آیات میں ضمناً مندرج ہیں اور آئندہ اپنے اپنے مقام پر وضاحت سے ذکر ہوں گی۔ اور خداوند کریم کی طرف سے بنی اسرائیل پر احسانات و انعامات بھی اسقدر ہیں کہ شاید کسی دوسری قوم کو یہ صورت نصیب نہ ہوئی ہو۔ مثلاً قبطیوں کی غلامی سے آزادی۔ ان کے دشمن فرعون اور اس کے ساتھیوں کا غرق ہونا دریائے نیل کے عبور کے لئے پانی میں رستوں کا پیدا ہونا۔ من و سلویٰ کا نزول۔ بادل کا سایہ اور پانی پینے کے لئے پتھر سے پانی کے چشموں کا جاری ہونا وغیرہ وغیرہ اور پھر ان کی بار بار سرکشیوں اور بداعتدالیوں سے متعدد مرتبہ ان پر عذاب بھی نازل ہوا۔ مثلاً گوسالہ پرستی کی سزا میں ستر ہزار کا قتل صاعقہ سے ستر آدمی کی موت۔ طاعون سے ہزاروں کی موت۔ مچھلی کے شکار سے ستر ہزار آدمیوں کا بندر کی شکل میں مسخ وغیرہ۔

وَلَنْ تَرْضٰى بنی اسرائیل پر خداوند کریم نے اپنے احسانات و انعامات جتلا کر ان کی چالیس یا اس سے بھی زائد صراحتاً و ضمناً بداعتدالیوں اور سرکشیوں کا ذکر فرمایا اور بعض مخالفات پر ان کے معذب ہونے کا ذکر بھی کیا یہ سب تفصیل ایک طرف تو موجودہ بنی اسرائیل کے لئے سرزنش و نصیحت کا باعث تھی اور دوسری طرف تمام مسلمانوں کے لئے مقام عبرت تھا کہ وہ اپنے نبی کے متعلق ایسے اقدامات سے باز آئیں اور نیز جناب رسالتمآبؐ کے

وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ

اور ہرگز نہ راضی ہوں گے آپ سے یہودی و نصاریٰ جب تک کہ آپ پیروی کریں

مِلَّتَهُمْ ۭ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ۭ وَلَىِٕنِ اتَّبَعْتَ

ان کے دین کی فرمایئے تحقیق اللہ کی ہدایت ہی صحیح ہدایت ہے اور اگر آپ پیروی

اَهْوَاۗءَهُمْ بَعْدَ الَّذِيْ جَاۗءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ

کریں ان کی خواہشات کی بعد اس کے کہ آپ کو علم آ چکا ہے تو نہ ہوگا آپ کے لئے

مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝ ۱۲۰ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ

اللہ سے بچانیوالا کوئی دوست و مددگار وہ لوگ جن کو ہم نے دی ہے

الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ۭ اُولٰۗىِٕكَ يُؤْمِنُوْنَ

کتاب وہ اس کی تلاوت کرتے ہیں جس طرح تلاوت کا حق ہے وہ اس پر ایمان

بِهٖ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ ۱۲۱

رکھتے ہیں اور جو اس کا انکار کریں پس وہی خسارہ پانے والے ہیں۔

لئے تسلی و حوصلہ افزائی کا موجب بھی ہے کہ جس قوم کی ابتدا سے یہ حالت ہے کہ باوجود اس قدر احسانات و اکرامات کے انہوں نے اپنے قومی نبیوں کے ساتھ وفا نہ کی، انکو قتل کیا، ان کی تکذیب کی، ان کے عہد و پیمان کو توڑا، نعمات خدا کی بے قدری کی، حتیٰ کہ عذاب خدا چکھنے کے بعد بھی اپنے کرتوتوں سے باز نہ آئے تو پھر آپ ایسی قوم سے ایمان کی ہرگز توقع نہ رکھیں نہ اس کا عہد و پیمان قابل وثوق ہے اور نہ ان کا اقرار و ایمان قابل تسلی ہے کیونکہ عہد و پیمان کر کے اس کے توڑنے سے وہ گریز نہیں کرتے اور اقرار و ایمان کے بعد اس کے پلٹ جانے کو وہ عار نہیں سمجھتے جس طرح کہ ابتدا سے ان کا رویہ یہی رہا ہے۔ پس جب وہ گذشتہ انبیاء سے کسی بات پر راضی نہیں رہے تو آپ پر کیوں کر راضی ہوں گے۔ ہاں البتہ ایک بات پر وہ راضی ہوں گے اور وہ یہ کہ آپ (معاذ اللہ) خوشنودیٔ خدا کو ترک کر کے ان کی ملت کی پیروی کرنے لگ جائیں۔ اگر ملت یہود کی پیروی کریں گے تو یہودی راضی رہیں گے اور اگر ملت نصاریٰ کی پیروی کریں گے تو نصرانی راضی ہوں گے بہرکیف یہ صورت تو پھر بھی نہ ہوگی کہ ہر دو فریقین اکٹھے راضی ہو جائیں گے کیونکہ وہ اپنے مقام پر ایک دوسرے کو کافر و باطل پرست کہتے ہیں۔

اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ:۔ بعضوں نے کہا ہے کہ یہ آیت حضرت جعفر طیار اور ان کے چالیس ساتھیوں کے حق میں اتری ہے جو حبشہ سے آئے تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہودیوں میں سے جو لوگ ایمان لا کر ثابت قدم رہے مثلاً عبداللہ بن سلام اور ابن صوریا وغیرہ یہ آیت ان کے حق میں اتری۔ بعضوں نے کہا ہے کہ جناب رسالتمآبؐ کے صحابہ کرام جو ثابت الایمان ہیں ان کے حق میں اتری اور تفسیر اہلبیتؑ علیہم السلام میں ہے کہ اس آیت کے مصداق آئمہ علیہم السلام ہیں۔ تفسیر اہلبیتؑ میں ہے کہ حق تلاوت کا معنی یہ ہے کہ تلاوت کے وقت اگر ذکر جنت آجائے تو ٹھہر کر جنت کی دعا مانگے اور ذکر نار ہو تو اس سے پناہ مانگے۔ جیسا کہ طبرسی نے حضرت صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے اور تفسیر برہان میں آپ سے منقول ہے کہ حق تلاوت کا مقصد یہ ہے کہ آیات کو ترتیل سے پڑھیں، ان کو سمجھیں، ان کے احکام پر عمل کریں، وعدہ کی امید رکھیں، وعید سے خوف کریں، اس کے قصص سے عبرت حاصل کریں، اس کے اوامر پر کاربند ہو جائیں اور اس کے نواہی سے بچیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ آیات کو یاد کر لیں اور حروف کو رٹ لیں اور اس کی سورتوں کو پڑھیں اور انہی کے بعض حصوں کو دہراتے رہیں۔ لوگوں نے اس کے حروف یاد کر لئے اور اس کی حدیں بھلا دیں۔

حالانکہ درحقیقت۔ کماحقہٗ تلاوت یہ ہے۔ کہ اس کی آیات میں تدبر کیا جائے اور اس کے احکام پر عمل کیا جائے۔
چنانچہ خدا فرماتا ہے۔

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ

مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا

اٰيٰتِهٖ

maablib.org

بنی اسرائیل کے واقعات اُمتِ اسلامیہ کیلئے درسِ عبرت ہیں

اس میں شک نہیں کہ قرآن کا ظاہر بھی ہے اور باطن بھی ہے چنانچہ کتاب کی جلد اوّل یعنی مقدمہ تفسیر صـ ۱۱۳ میں ہم نے اس مطلب کو ایک مستقل عنوان کے تحت میں قدرے تفصیل سے بیان کیا ہے۔ اس کے ابتداءِ عنوان میں "الاتقان" سے ایک روایت نقل کی ہے جو ابن مسعود سے مروی ہے:

اِنَّ القرآن نزل علیٰ سبعۃ احرف ما منھا حرف اِلّا وله ظھر و بطن وَاِنَّ علی بن ابیطالب عندهٗ منه علم الظاھر والباطن۔

قرآن سات قرأتوں یا سات قسموں میں اُترا ہے اور ان میں سے ہر ایک کے لئے ظاہر بھی ہے اور باطن بھی اور تحقیق حضرت علی بن ابی طالبؑ علیہ السلام کے پاس اُس کے ظاہر و باطن دونوں کا علم ہے۔

اس کی وضاحت بروایت عیاشی جناب امام محمد باقر علیہ السلام نے یوں فرمائی ہے کہ آپ نے عمران کو فرمایا۔ ظاہر قرآن سے وہ لوگ مراد ہیں جن کے حق میں نازل ہوا اور باطن سے مراد وہ لوگ ہیں جو ان جیسے اعمال کریں پس جو کچھ ظاہراً ان کے متعلق اترا ہے وہ باطناً ان میں جاری ہے

اور اس کی دلیل بروایت ابوبصیر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے اس طرح مروی ہے آپ نے فرمایا۔

وَلَوکانت اِذا نزلت اٰیة علی رجل ثم مات ذلک الرجل مانت الاٰیة لمات الکتٰب ولکنة حی یجری فیما بقی کما جری فیمن مضی۔

اگر ایسا ہوتا کہ جب ایک آیت ایک شخص کے متعلق اتری اور وہ شخص بعد میں مرگیا تو اس کے ساتھ اگر وہ آیت بھی مُردہ ہو جاتی تو اس طرح تو پھر سب کتاب مردہ ہو گئی ہوتی حالانکہ وہ زندہ ہے اور آنیوالوں کو ایسے شامل ہے جیسے گذشتہ لوگوں پر شامل تھی۔

پس اس قدر عرض کرنے کے بعد مقامِ غور ہے کہ اگر بنی اسرائیل کے واقعات صرف انہی تک

ہوتے تو ان کا تا قیامت ہدایت اور حجت ہونا ساقط ہو جاتا حالانکہ جس طرح قرآن تا قیامت باعث ہدایت ہے اسی طرح اس کی ہر ہر آیت تا قیامت باعث ہدایت ہے۔ قرآن اگر قیامت تک زندہ ہے تو اس کی ہر ہر آیت تا قیامت زندہ و باقی ہے۔ صرف فرق یہ ہے کہ جن لوگوں کے حق میں یہ آیات اتری ہیں وہ ان کا محلِ تنزیل اور ظاہر تھا اور تا قیامت ان کے نشانِ راہ پر چلنے والے ان آیات کا محل تاویل و باطن ہیں۔ پس قرآن میں جس قدر نیک لوگ ظاہری و تنزیلی مصداقِ آیات ہیں تو قیامت تک آنے والے نیک افراد انہی آیات کے باطنی و تاویلی مصداق ہوں گے۔ اور جتنے خدا کے نافرمان اور انبیاء و مومنین کے دشمن قرآن کی آیات کے ظاہری طور محل تنزیل ہیں ان سے باطنی طور پر محل تاویل تا قیامت وہ لوگ ہیں جو انہی کی طرح خدا اور رسولؐ و مومنین سے عداوت رکھتے ہیں۔ امت اسلامیہ کے حالات کی تشبیہ بنی اسرائیل کے حالات سے۔ آثارِ منقولہ میں کافی موجود ہے چنانچہ سورہ مزمل میں خود قرآن کریم کا ارشاد ہے:

إِنَّا أَرْسَلْنَا إِلَيْكُمْ رَسُولًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَا أَرْسَلْنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ رَسُولًا ۝ فَعَصَىٰ فِرْعَوْنُ الرَّسُولَ فَأَخَذْنَاهُ أَخْذًا وَبِيلًا ۝ فَكَيْفَ تَتَّقُونَ إِنْ كَفَرْتُمْ يَوْمًا يَجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيبًا ۝ الخ

تحقیق ہم نے تمہاری طرف رسولؐ بھیجا جو تمہارے اوپر شاہد ہے جس طرح کہ ہم نے فرعون کی طرف ایک رسولؑ بھیجا تھا پس نافرمانی کی تھی۔ فرعون نے اس رسولؑ (موسیٰ) کی پس ہم نے اس کی گرفت کی تھی سخت طریقہ سے پس تم کس طرح بچ سکو گے اگر تم نے کفر کیا اس دن سے (جسکی سختی) بچوں کو بوڑھا کر دینے والی ہے۔

ان آیات مبارکہ میں ذات احدیت نے جناب محمد مصطفیٰؐ کو حضرت موسیٰؑ سے تشبیہ دے کر اس کے بعد خود فیصلہ فرمایا کہ جسطرح فرعون نے حضرت موسیٰؑ کی مخالفت کی اور پھر ہماری سخت گرفت میں آگیا اسی طرح اے اُمتِ محمدؐ اگر تم بھی کفر و سرکشی کرو گے تو ہماری قیامت کی گرفت سے ہرگز بچ نہ سکو گے۔ گویا امتِ محمدیؐ اُمتِ موسیٰ سے مشابہت ہوتا اگرچہ ان آیات کا مصداق صحیح نہیں لیکن مفہوم ضمنی کے طور پر مراد ہونا بھی بعید از عقل نہیں اور پھر احادیث کی تائید سے تو یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے۔

الترمذی باب افتراق الامۃ
عن عبداللہ بن عمر قال قال رسول
اللہؐ لیاتین علی امتی ما اتی علی بنی اسرائیل
حذو النعل بالنعل حتی ان کان منھم
من اتی امہ علانیۃ لکان فی امتی من
یصنع ذلک (الحدیث)

صحیح ترمذی باب افتراق الامت میں عبداللہ بن عمر سے مروی ہے کہ جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا کہ میری امت سے وہی کچھ ہوگا جو بنی اسرائیل سے ہوا میری امت کا کردار ان کے کردار سے اسی طرح برابر ہوگا جس طرح جوتے کے دو پیر ایک دوسرے کے بالکل برابر ہوتے ہیں یہانتک کہ اگر ان میں سے اپنی سگی ماں کے ساتھ زنا کرنے والے ہوں گے۔ تو میری امت میں بھی بعض افراد ایسے پیدا ہوں گے جو ایسا کریں گے۔

نیز ترمذی میں ایک باب مستقل اس عنوان سے قائم ہے کہ آپ نے فرمایا لترکبن سنن من کان قبلکم کہ اے میری امت ضرور تم انہیں لوگوں کے طریقہ پر چلو گے جو تم سے پہلے تھے اور اس ضمن میں ایک حدیث نقل کی ہے کہ جناب رسالتمآبؐ غزوہ حنین کی طرف جاتے ہوئے مشرکین کے ایک درخت کے پاس سے گذرے جس کو وہ ذات انواط کہتے تھے تو صحابہ نے عرض کی یارسول اللہؐ آپ ہمارے لئے بھی ایک ذات انواط بنائیں جس طرح ان کا ہے۔ آپؐ نے فرمایا سبحان اللہ! تم ویسی باتیں کرتے ہو جسطرح قوم موسیٰؑ حضرت موسیٰؑ سے کرتی تھی کہ انہوں نے بھی بت پرستوں کو دیکھ کر حضرت موسیٰ کو کہا تھا اجعل لنا الھا کما لھم الھۃ ہمارے لئے آپ ایسے معبود بنائیں جسطرح ان کے معبود ہیں۔ اور پھر فرمایا مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کہ تم گذشتہ لوگوں کے طریقوں پر ضرور چلو گے۔ اور بطریق اہلبیت ہم نے دسویں رکوع کی تفسیر میں ثم انتم ھؤلاء تقتلون انفسکم کے ذیل میں ذکر کیا ہے کہ جناب رسالتمآبؐ نے جب بنی اسرائیل کا نبیوں کی تکذیب کرنا اور اولیاء اللہ کا قتل کرنا ذکر کیا تو بعد میں فرمایا کہ میری امت میں بعض یہودی ایسے ہوں گے جو بنی اسرائیل کے یہودیوں کے مشابہ ہوں گے میری امت سے کہلوائیں گے اور میری امت کے پاکیزہ افراد اور میری نسل کے طاہر و طیب اشخاص کو بے گناہ قتل کریں گے اور میری شریعت و سنت کو تبدیل اور میرے شہزادوں حسنؑ و حسینؑ کو قتل کر دیں گے جس طرح اُن یہودیوں نے حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ

کو قتل کیا تھا۔ پس جس طرح ان پر خدا کی لعنت تھی ان پر بھی خدا کی لعنت ہو گی اور پھر قیامت سے پہلے حسینؓ کی اولاد سے حضرت مہدیؑ تشریف لاکر ان سے انتقام لیں گے اور واصلِ جہنم کریں گے۔ پوری حدیث اپنے مقام پر گذر چکی ہے ملاحظہ ہو۔

اور ترمذی میں افتراق امت والی گذشتہ حدیث کے آخری الفاظ جن کا ترجمہ یہ ہے کہ بنی اسرائیل بہتر گروہوں میں تقسیم ہو گئے اور میری امت کا تہتر فرقہ ہو گا جن میں سے سب جہنمی ہوں گے سوائے ایک کے لوگوں نے دریافت کیا یا رسولؐ اللہ! وہ کونسا فرقہ ہو گا تو آپ نے فرمایا کہ جو میرے اور میرے صحابہ کے طریقہ پر ہو گا۔

حدیث کے آخری الفاظ عام لوگوں میں اشتباہ کا موجب ہیں لیکن بنی اسرائیل اور حضرت موسیٰ سے تشبیہ پر غور کرنے سے نتیجہ نکالنے میں منصف طبائع قطعاً دھوکا نہیں کھا سکتیں۔ اولاً یہ دیکھنا ہو گا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں سے کون لوگ مراد ہیں کیا وہ سب لوگ حضرت موسیٰ کے صحابہ میں داخل ہوں گے جو چھ لاکھ یا اس سے کم و بیش حضرت موسیٰ کے ساتھ چل کر دریائے نیل سے پار ہوئے تھے یعنی اگر حضرت موسیٰؑ وصیت فرمائیں کہ میری امت کے بہتر فرقوں میں سے صرف ایک ناجی ہو گا اور اکہتر ناری ہوں گے اور پھر کوئی سوال کرے کہ ناجی فرقہ کون ہو گا؟ تو وہ یہی فرمائیں کہ جو میرے اور میرے ساتھیوں کے طریق پر ہو گا۔ تو کیا اس کا یہی مطلب ہے کہ حضرت موسیٰ کے چھ لاکھ صحابہ میں سے ہر ایک کی سنت پر عمل جائز ہے اور ان سب کا طریق صحیح ہے تو قرآن کی رُو سے ماننا پڑے گا کہ اس صورت میں حضرت موسیٰؑ کے صحابہ سے مراد صرف وہی لوگ ہوں گے۔ جو حضرت موسیٰؑ کے صحیح پیرو ہوں ورنہ گوسالہ پرست بھی حضرت موسیٰ کے صحابہ تھے عمالقہ سے جنگ کا انکار کرنے والے بھی ان کے صحابہ تھے خدا کے دیکھنے کے شیدائی بھی ان کے صحابہ تھے۔ بات بات پر حضرت موسیٰ کو ٹوکنے والے بھی ان کے صحابہ میں سے ہی تھے اگر یہ سب واجب الاتباع ہوتے تو قرآن کریم ان کی اس قدر مذمت نہ فرماتا بلکہ تمام اُمتوں کو متنبہ فرما رہا ہے اور آئندہ کے بنی اسرائیل کو نصیحت فرما رہا ہے کہ خبردار ان کے پیچھے نہ جاؤ۔

پس حضرت موسیٰؑ اور ان کے صحیح صحابہ کا راستہ ہی وہ ہی بہتر میں سے ایک ممتاز رستہ ہے جو آئندہ کے تمام بنی اسرائیل کے لئے راہ نجات ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ کی موجودگی میں ان کی پوری

اطاعت اور ان کی عدم موجودگی میں ان کے نامزد جانشین کی پیروی جب کوہِ طور پہ تشریف لے گئے تو ہارون کو خلیفہ بنا کر گئے اور امت کو ان کی پیروی کی تاکید فرما کر گئے۔ لیکن باوجود انتہائی تاکید کے اکثریت گوسالہ پرست ہوئی اور تھوڑے بندے ہارون کے ہمنوا رہے اور حضرت موسیٰ کے چلے جانے کے بعد حضرت یوشع بن نون ان کے نامزد وصی و خلیفہ تھے لیکن اکثریت منحرف رہی اور اقلیت ہی ان کے ساتھ رہی یعنی ۷۱ فرقہ نافرمان رہا اور صرف ایک فرقہ موسیٰ کی وصیت پر رہا جس طرح کہ حدیث مذکور صریح طور پہ بتا رہی ہے۔

بنابریں امتِ اسلامیہ کے تہتر فرقوں میں سے صرف ناجی ایک فرقہ ہے جو جناب محمد مصطفیٰ اور آپ کے صحابہ کا ہے۔ لیکن بنی اسرائیل کے واقعات و حالات کی تشبیہ کے اعتبار سے صحابہ رسولؐ سے بھی وہی صحابہ مراد ہوں گے جو جناب رسالتمآبؐ کے حینِ حیات ان کے صحیح پیرو تھے اور ان کے بعد ان کے نامزد وصی و خلیفہ کے مطیع فرمان رہے۔

* اس مقام پر چند احادیث جن کو علامہ نے "منہج الحق" میں کتب معتبرۂ عامہ سے نقل کیا ہے ذکر کرتا ہوں

(۱) من المسند عن سلمان قال یا رسول اللہؐ من وصیک قال یا سلمان من کان وصی اخی موسیٰ؟ قال یوشع بن نون قال فانّ وصیی ووارثی یقضی دینی وینجز وعدی علی بن ابی طالب۔

مسند احمد بن حنبل میں جناب سلمان سے مروی ہے کہ انہوں نے جناب رسالتمآبؐ سے دریافت کیا۔ آپ کا وصی کون ہوگا؟ حضورؐ نے فرمایا اے سلمان میرے بھائی موسیٰ کا وصی کون تھا؟ جواب دیا کہ حضرت یوشع بن نون ان کا وصی تھا تو آپؐ نے فرمایا کہ میرا وصی اور وارث جو میرے قرضے ادا کرے گا اور میرے وعدے وفا کرے گا۔ وہ علیؑ بن ابی طالب ہے۔

(۲) مسند احمد والبخاری والمسلم قال رسولؐ اللہ لعلی امَا ترضیٰ ان تکون منّی بمنزلۃِ ھارونَ من موسیٰ اِلاّ اَنّہٗ لانبیّ بعدی

مسند احمد بن حنبل، صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں مروی ہے کہ جناب رسالتمآبؐ نے علیؑ کو فرمایا کہ کیا تیرے لئے کافی نہیں کہ تیری مجھ سے وہ نسبت ہے جو ہارونؑ کو موسیٰؑ سے تھی۔ فرق صرف یہ ہے کہ ہارون موسیٰؑ کا خلیفہ تھا اور نبی بھی تھا لیکن میرے بعد نبی کوئی نہیں یعنی تو صرف میرا خلیفہ ہے اور تو نبی نہیں۔

یہ روایت جناب رسالتمآبؐ کے بعد علیؑ کی خلافت پر نص صریح ہے۔
نیز یہی حدیث دلائل الصدق میں کنز العمال ج ۶ ص ۱۶۴ و ص ۳۹۵ و ص ۳۹۰ اور ج ۵ ص ۴۰ اور خصائص نسائی سے بھی مروی ہے اور صحیح ترمذی میں بھی یہ حدیث متعدد طریق سے منقول ہے اور یہی حدیث یعنی حدیث منزلت حدیث مواخات کے ضمن میں بھی متعدد کتب معتبرہ سے منقول ہے۔ پس اس حدیث کے متواتر ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے۔ اور ایک حدیث میں حضورؐ نے حضرت علیؑ کو حضرت عیسیٰؑ کے مثل قرار دیا۔

(۳) مسند احمد بن حنبل ان رسول اللہؐ قال لعلی انّ فیک مثلاً من عیسیٰؑ ابغضه الیهود حتّٰی اتّهموا امّه واحبّته النّصٰرٰی حتّٰی انزلوه المنزل الذی لیس له باهل

مسند احمد بن حنبل سے مروی ہے کہ تحقیق جناب رسالتمآبؐ نے حضرت علیؑ کو فرمایا کہ تحقیق تجھ میں حضرت عیسیٰؑ کی سی مثال ہے ان سے یہودیوں نے بغض رکھا کہ ان کی مادر گرامی پہ تہمت لگائی اور نصاریٰ نے ان سے حد سے زیادہ محبت کی کہ ان کو ایسی منزل پہ لے گئے جس کے وہ اہل نہیں تھے۔ یعنی ان کو خدا کا بیٹا کہنا شروع کر دیا۔

یہ روایت مستدرک حاکم اور خصائص نسائی اور استیعاب سے بھی نقل کی گئی ہے۔
اس مقام پہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے جملہ فضائل کا ذکر کرنا مطلوب نہیں ورنہ کتاب موضوع سے خارج ہو جائے گی صرف مناسبت مقام کے لئے یہ حدیثیں کتب صحاح اہلسنت سے نقل کی ہیں جن کو فضل بن روزبہان جیسے متعصب نے بھی اپنی کتاب ابطال الباطل میں تسلیم کیا ہے۔ ہاں اسی مناسبت کی ایک اور حدیث بھی پیش کرتا ہوں جس کو مسند احمد بن حنبل سے علامہ نے نقل کیا ہے۔

(۴) انّ النبیؐ قال من اذی علیا فقد اذانی ایّها النّاس من اذیٰ علیّا بعث یوم القیامة یهودیّا او نصرانیاً۔

حضورؐ نے فرمایا جس نے علیؑ کو اذیت دی اس نے مجھے اذیت دی۔ اے لوگو جو علی کو اذیت دے گا وہ بروز محشر یہودی یا نصرانی ہو کر اٹھے گا۔ یہ حدیث دلائل الصدق میں متعدد کتب معتبرہ سے منقول ہے۔

سابقہ روایات میں حضرت علی علیہ السلام کو حضرت ہارونؑ و حضرت یوشع و حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے تشبیہہ دی گئی ہے اور آخری روایت میں حضرت علیؑ کے رنجیدہ کرنیوالوں کو یہودی و نصرانی کہا گیا ہے اور اس سے قبل ایک روایت میں امام حسنؑ و امام حسینؑ کے قاتلین کو اُمّتِ محمدیہؐ کے یہودی کہا گیا ہے۔ اور یہ کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی اولاد سے حضرت مہدیؑ ظاہر ہو کر اُن سے انتقام لیں گے اور البرہان۔ اَمْ تُرِیْدُوْنَ الخ۔ رکوع ۱۳ کی تفسیر میں جناب رسالتمآبؐ نے حضرت علیؑ کو حضرت آدمؑ کے جلال، شیثؑ کی حکمت، ادریسؑ کی ہیبت، نوحؑ کے شکر و عبادت، ابراہیمؑ کی وفا و خلّت، موسیٰ کی دشمنانِ خدا سے عداوت اور عیسیٰؑ کی مومنین سے حُسنِ معاشرت، سے تشبیہہ دی ہے۔ حدیث اختصار کے پیش نظر ترک کر دی ہے۔

پس ان روایات و آثار سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ حضرت رسالتمآبؐ کے بعد حضرت علیؑ سے لیکر حضرت مہدیؑ تک کے بارہ امام جناب رسولِ خداؐ کے صحیح جانشین اور قائم مقام ہیں جن کی مخالفت و عداوت کرنے والے اس امت کے یہودی ہیں۔

اور جس طرح بنی اسرائیل حضرت موسیٰؑ کے خلیفہ حضرت ہارونؑ سے کنارہ کشی کر کے سامری کی اطاعت میں گوسالہ پرست و مشرک ہو گئے تھے۔

اسی طرح حضرت علیؑ کی مخالفت میں کسی اور کی اطاعت اس اُمّت کے سامری کی اطاعت اور گوسالہ پرستی ہو گی۔

اور جس طرح حضرت موسیٰؑ کے بعد ان کے وصی حضرت یوشع بن نون خلیفہ برحق تھے اور ان کی اطاعت والا گروہ ہی ناجی اور باقی اکہتر جہنمی تھے اور قابلِ نفرین تھے اسی طرح حضرت رسولِ خداؐ کے بعد حضرت علیؑ مثل یوشع کے واجب الاتباع ہیں اور انہی کی پیروی باعث نجات ہو گی اور اس کے علاوہ باقی بہتر گروہ قابل نفرین و عذاب ہوں گے۔

جسطرح حضرت موسیٰ کے قائم مقام نبیوں کے قاتل جہنمی اور مستحق لعنت تھے۔

اسی طرح حضرت رسولِ خداؐ کے قائم مقام خلفاء معصومینؑ کے قاتل جہنمی اور مستحق لعنت ہیں۔ جسطرح گذشتہ ایک حدیث میں حضورؐ نے حسنین شریفین علیہما السلام کے قاتلوں کو یہودی اور لعنتی کہا ہے تفسیر برہان میں حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے منقول ہے۔ (تفسیر قَالَتِ الْیَهُوْدُ لَیْسَتِ النَّصَارٰی)

فَهٰؤُلَاءِ بَنُوْ اِسْرَائِيْلَ نُصِبَ لَهُمْ بَابُ حِطَّةٍ وَاَنْتُمْ يَا مَعْشَرَ اُمَّةِ مُحَمَّدٍ نُصِبَ لَكُمْ بَابُ حِطَّةِ اَهْلِ بَيْتِ مُحَمَّدٍ وَاُمِرْتُمْ بِاتِّبَاعِ هُدَاهُمْ وَلُزُوْمِ طَرِيْقَتِهِمْ يُغْفَرْ لَكُمْ بِذَالِكَ خَطِيْئَاتُكُمْ وَذُنُوْبُكُمْ وَلَيَزِيْدَنَّ الْمُحْسِنُوْنَ مِنْكُمْ وَبَابُ حِطَّتِكُمْ اَفْضَلُ مِنْ بَابِ حِطَّتِهِمْ الخبر

اُن بنی اسرائیل کے لئے باب حطہ نصب کیا گیا تھا۔ اور اے گروہ امت محمدؐ تمہارے لئے اہلبیت محمدؐ طور باب حطہ کے منصوب ہیں اور تمہیں انہی کی رہبری کے تحت اطاعت کرنے کا حکم ہے۔ اور ان کے طریقہ پر چلنے کا حکم ہے تاکہ ان کی بدولت خدا تمہارے قصور اور گناہ بخش دے اور تمہارے نیکوں کی جزائے خیر میں اضافہ فرمائے اور نیز تمہارا باب حطہ ان کے باب حطہ سے افضل ہے۔ الخبر

پس معلوم ہوا کہ بنی اسرائیل کا اسقدر طویل ذکر قرآن مجید میں امت اسلامیہ کے لئے درس ہے اگرچہ تنزیلی اور ظاہری طور پر مراد وہ ہیں لیکن تاویلی اور باطنی صورت میں مراد اُمت محمدیہ ہے اور بنی اسرائیل کے ذکر میں جہاں انبیاء اور ان کے اوصیاء کی اطاعت کا حکم اور اطاعت کرنیوالوں کی مدح قرآن نے کی ہے ان سب سے باطنی اور تاویلی طور پر محمدؐ و آل محمدؐ کی اطاعت کا حکم اور ان کی اطاعت کرنیوالوں کی مدح ہے اور جہاں بنی اسرائیل کی نافرمانیوں اور سرکشیوں کا ذکر اور ان کو غضب خدا کا مستحق کہا گیا ہے۔ ان سے باطنی طور پر محمدؐ و آل محمدؐ کے دشمنان مراد ہیں۔ اور وہی تا قیامت غضب کے مستحق و سزاوار ہیں۔ اور قرآن قیامت تک زندہ ہے لہٰذا یہی تاویل قیامت تک جاری رہے گی اور خدا جسے چاہتا ہے ہدایت فرماتا ہے۔

maablib.org

ذکرِ امتحانِ ابراہیمؑ و عُہدۂ امامت

یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ ۔ اگرچہ خداوند کریم نے جناب رسالتمآبؐ کو یہ تسلّی دے دی کہ یہ لوگ جن کی نافرمانیوں اور احسان فراموشیوں کی اتنی طویل فہرست گذر چکی ہے۔ ہرگز آپ کی نبوّت پر راضی نہ ہوں گے جب تک آپ اُنکی خواہشات کی پیروی نہ کریں اور ایسا کرنا آپ سے بعید ہے۔ لہٰذا ان کے ایمان لانے کی توقع چھوڑیئے گویا بنی اسرائیل پر یہ واضح کیا گیا کہ تمہارے ایمان کا نہ خدا محتاج ہے اور نہ جناب محمد مصطفیٰؐ محتاج ہیں لہٰذا وہ یہ نہ سمجھ بیٹھیں کہ ہمارے ایمان کی خدا اور رسولؐ کو ضرورت ہے۔ لہٰذا ان کے اس وہم باطل کو ردّ کرنے کے لئے فرما دیا تھا کہ ان کے ایمان کی توقع آپ چھوڑ دیں تاکہ ممکن ہے اس بہانہ سے وہ اسلام کی طرف جھکنے کی کوشش کریں اور حق کی تلاش میں مصروف ہوں لہٰذا پھر ازراہِ تاکید اُن کو اپنی نعمات یاد دلا دیں تاکہ ان میں فکر کر کے راہِ راست پر آجائیں۔

ع ۱۵

یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتُ

اے اولادِ یعقوب یاد کرو میری اس نعمت کو جو میں نے انعام کیا تمہارے اوپر

عَلَیْكُمْ وَاَنِّیْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِیْنَ ۝ ۱۲۲ وَاتَّقُوْا یَوْمًا لَّا

اور تحقیق میں نے تمہیں عالمین پر فضیلت دی اور ڈرو اس دن سے

تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَیْـًٔا وَّلَا یُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ

کہ نہ کفایت کرے گا کوئی نفس کسی نفس سے کچھ بھی اور نہ قبول کیا جائے گا فدیہ

وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ ۝ ۱۲۳ وَاِذِ ابْتَلٰٓى

اور نہ نفع مند ہوگی سفارش اور نہ وہ مدد کئے جائیں گے اور جب آزمایا

اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُكَ

ابراہیم کو اس کے رب نے ساتھ چند کلمات کے پس اس نے ان کو پورا کیا تو فرمایا کہ بھیجتا

لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ قَالَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ ؕ قَالَ لَا

تجھے لوگوں کا امام بناتا ہوں ابراہیمؑ نے عرض کی اور میری اولاد سے بھی فرمایا

یَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ ۝ ۱۲۴

کہ میرا عہد (عہدۂ نبوّت و امامت) ظالمین کو نہیں پہنچ سکتا۔

بکلمات :۔ تفسیر مجمع البیان اور البرہان میں بروایت ابن بابویہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے۔ ان کلمات سے وہی کلمات مراد ہیں جو حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے رب سے حاصل کئے تھے اور ان کی توبہ قبول ہوئی تھی یعنی یَارَبِّ اَسْئَلُکَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ وَعَلِیٍّ وَفَاطِمَۃَ وَالْحَسَنِ وَالْحُسَیْنِ اِلَّا تُبْتَ عَلَیَّ الخ راوی نے پوچھا کہ پھر فَاَتَمَّھُنَّ سے کیا مراد ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ امام حسینؑ کی اولاد سے جو تو امام ہیں ان کو بھی ملا کر حضرت قائم علیہ السلام تک کل بارہ امام پورے کئے۔ راوی نے دریافت کیا وَجَعَلَھَا کَلِمَۃً بَاقِیَۃً فِیْ عَقِبِہٖ میں کلمہ باقیہ سے کیا مراد ہے؟ آپ نے فرمایا کہ امامت امام حسین علیہ السلام کی اولاد میں تا قیامت باقی رہے گی پھر سائل کے جواب میں آپ نے فرمایا جس طرح موسیٰ و ہارون دونو بھائی تھے لیکن نبوت ہارون کی پشت میں رہی اور موسیٰ کی پشت میں نہ آئی لہٰذا خدا کے فعل پر کیوں کا لفظ نہیں کہا جا سکتا۔

اور تفسیر مجمع البیان میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے یہ بھی مروی ہے کہ ابتدائے کلمات سے مراد حضرت اسمٰعیل کو ذبح کرنے کا امتحان ہے جس کو حضرت ابراہیم نے پورا کیا اور اپنا معاذ اللہ کے سپرد اور ذبح اسمٰعیل کا عزم مصمم کر لیا تو ان کی صدق نیت کی جزا میں اور ان کی اطاعت کے ثواب میں خداوند کریم نے ارشاد فرمایا اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا اور پھر خداوند کریم نے ان پر حنیفیت کو نازل فرمایا اور وہ کل دس چیزیں ہیں پانچ کا تعلق سر سے ہے اور باقی پانچ بدن سے تعلق رکھتی ہیں۔ جو پانچ سر میں ہیں وہ یہ ہیں۔ (۱) مونچھیں کترنا (۲) ڈاڑھی رکھنا (۳) سر کے بالوں کی مانگ نکالنا (۴) مسواک کرنا (۵) خلال کرنا اور جو پانچ باقی بدن میں ہیں وہ یہ ہیں:۔ (۱) تمام بدن کے بال دور کرنا (۲) ختنہ (۳) ناخن کٹوانا (۴) غسل جنابت (۵) پانی سے طہارت پس یہی حنیفیت طاہرہ ہے جو حضرت ابراہیم لائے یہ منسوخ ہوئی ہے اور نہ قیامت تک منسوخ ہوگی اور اسی کے متعلق خدا فرماتا ہے۔ وَاتَّبِعْ مِلَّۃَ اِبْرٰھِیْمَ حَنِیْفًا۔

اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا۔ تفسیر البرہان میں بروایت کتب معتبرہ امامیہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے آپ نے فرمایا کہ خداوند کریم نے حضرت ابراہیم کو نبی بنانے سے پہلے اپنا عبد بنایا اور پھر ان کو نبی بنایا قبل رسول بنانے کے اور پھر رسول بنایا قبل خلیل بنانے کے اور پھر خلیل بنایا قبل درجہ امامت سپرد کرنے کے جب پہلے تمام مراتب پر وہ فائز ہو چکے تب ارشاد فرمایا اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا اور اس کے بعد امام علیہ السلام نے ارشاد فرمایا جس کا مطلب یہ ہے کہ عہدۂ امامت کی عظمت یہ ہے

کہ ابراہیمؑ نے اپنے سابق عہدوں کے لئے اپنی اولاد کے لئے دعا نہ مانگی لیکن جب منصبِ امامت پر فائز ہوئے تو فوراً اپنی اولاد کے لئے اسی عہدہ کو طلب کرنے کی خواہش پیدا ہوئی اور اسی طرح امام محمد باقر علیہ السلام سے بھی مروی ہے۔

لَا یَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ خداوند کریم نے حضرت ابراہیمؑ کی دعا کو مستجاب فرمایا کیونکہ حضرت ابراہیمؑ نے اپنی تمام اولاد کے لئے امامت نہیں طلب کی تھی بلکہ۔

مِنْ ذُرِّیَّتِیْ کہا تھا اور من تبعیض کا ہے جس کا معنی بعض ہوتا ہے یعنی اپنی اولاد کے بعض افراد کے لئے خواہش ظاہر کی تھی پس خدا نے قبول فرمائی اور اس فقرہ سے تنبیہ فرمادی کہ عہدہ امامت ظالم کو نہیں پہنچ سکتا اور اہلسنت کے علامہ بیضاوی نے اس آیت کی تفسیر میں اعتراف کیا ہے کہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ فاسق کو امامت کا عہدہ نہیں مل سکتا۔ پس یہ آیت ثبوت امامت کی عصمت کی واضح دلیل ہے کیونکہ جو شخص خدا کی طرف سے منصب تبلیغ پر منصوب ہو اور خود ظالم ہو تو پھر مظلوم کی فریاد رسی کیا کرے گا؟ یہاں ظلم سے مراد ہر قسم کی خدا کی نافرمانی ہے پس گناہ صغیرہ یا کبیرہ قبل بعثت یا بعد بعثت نبی و رسول سے سرزد ہونا عقلاً باطل ہے اور یہ آیت اس فیصلہ کی نقلی طور پر برہان قاطع ہے۔ ظالم کی لفظ عام ہے خواہ عہدہ ملنے کے وقت ظالم ہو یا اس سے پہلے کسی وقت ظالم رہ چکا ہو اور تمام ظلموں سے شرک بڑا ظلم ہے۔ خدا فرماتا ہے اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ پس جو لوگ اپنی زندگی کے کسی دور میں مشرک و بت پرست رہ چکے ہوں۔ بلکہ خواہ کسی اور گناہ میں مبتلا رہ چکے ہوں آیہ مجیدہ کی رو سے وہ ظالم ہیں اور عہدہ امامت کے قطعاً لائق نہیں۔ اسی عہدہ پر صرف وہی فائز ہو سکتا ہے جو ابتدائے عمر سے آخر تک تمام گناہوں سے بچا ہوا معصوم ہو اور جناب رسالتمآبؐ کے بعد وہ صرف اہلبیت محمدؐ ہی ہیں۔ چنانچہ صاحب عمدۃ البیان نے مناقب خوارزمی سے روایت نقل کی ہے کہ جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا۔ جسوقت حضرت ابراہیمؑ نے دعا کی کہ میری اولاد میں بھی امام بنا اور خداوند کریم نے ان کے جواب میں فرمایا کہ عہد میرا ظالموں کو نہیں پہنچتا تو اس وقت ابراہیمؑ نے دعا کی وَاجْنُبْنِیْ وَبَنِیَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ یعنی یکسو رکھ تو مجھے اے خدا اور میری اولاد کو اس سے کہ پرستش کریں ہم بتوں کی خدائے تعالیٰ نے ان کی دعا قبول کی میرے اور علیؑ کے حق میں اور مجھ کو نبی کیا اور علیؑ کو وصی کیا۔

اور برہان میں مناقب ابن مغازلی سے مروی ہے کہ عبداللہ بن مسعود کہتا ہے کہ جناب رسالتمآبؐ نے ارشاد فرمایا کہ میں اپنے باپ ابراہیم کی دعا کا نتیجہ ہوں۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہؐ آپ کیسے اپنے والد حضرت ابراہیمؑ

کی دعا کا نتیجہ ہو گئے ؟ آپ نے فرمایا کہ جب خدا نے حضرت ابراہیمؑ کو وحی کی کہ میں تجھے امام بناتا ہوں تو ابراہیمؑ بہت خوش ہوئے۔ پس عرض کی میرے اللہ! میری اولاد سے بھی میری طرح امام بنانا۔ تو جواب ملا کہ میں ایک صورت میں تیری اولاد کو امامت کا عہدہ نہ دوں گا۔ پس انہوں نے عرض کی وہ کونسی صورت ہے؟ تو فرمایا وہ یہ کہ تیری اولاد میں سے ظالم کو یہ عہدہ نہ ملے گا۔ ابراہیمؑ نے پوچھا کہ میری اولاد میں سے ظالم کون ہوگا؟ تو جواب ملا کہ جو بت پرستی کرے گا۔ اس کو کسی وقت بھی یہ عہدہ تفویض نہ کروں گا اور وہ امام نہ ہو سکے گا۔ پس حضرت ابراہیمؑ نے دعا مانگی وَاجْنُبْنِي وَبَنِيَّ أَنْ نَعْبُدَ الْأَصْنَامَ اے اللہ مجھے اور میری اولاد کو بت پرستی سے محفوظ رکھنا رَبِّ إِنَّهُنَّ أَضْلَلْنَ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ اے رب انہوں (بتوں) نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا ہے۔ پس اس کے بعد حضورؐ نے فرمایا کہ حضرت ابراہیمؑ کی دعا میرے اور علیؑ کے حق میں ثابت ہوئی کیونکہ ہم نے کبھی بت پرستی نہیں کی پس خداوند کریم نے مجھے نبی بنایا اور علیؑ کو وصی یا ولی بنایا۔

ربطِ بیان: ۔ قرآن مجید میں ابتداء سورۃ بقرہ کے دو رکوع انسان کی فطری تقسیم سے تمہید کے طور پر متعلق تھے۔ کہ انسان کی فطری طور پر تین قسمیں ہیں۔ ایک منصف مزاج جو حق کو سن سمجھ کر قبول کرتے اور اس پر عمل پیرا ہوتے ہیں جن کو متقین کے مقدس لقب سے خداوند کریم نے ملقب فرمایا پھر تقویٰ کے مدارج میں گو اختلاف ہے لیکن نوع کے اعتبار سے وہ سب اسی قسم میں داخل ہیں۔ دوسری قسم ضدی و عنادی لوگوں کی ہے جو کسی صورت میں اپنی ہٹ دھرمی سے باز نہیں آتے اور سن سمجھ کر حق سے اندھے۔ گونگے اور بہرے ہوتے ہیں جن کو قرآن نے کافر کی لفظ سے موسوم کیا ہے جس کا معنی ہے انکاری۔ تیسری قسم ان لوگوں کی ہے جن کی فطرت میں دورنگی ہوتی ہے وہ حق والوں کے سامنے بھی جی ہاں اور باطل پرستوں کے سامنے بھی جی ہاں کرتے ہیں وہ دونوں کے دشمن بھی اور دوست بھی ہوتے ہیں۔ ان کو اصطلاح قرآن میں منافق سے تعبیر کیا گیا ہے۔

اس تمہید کے بعد قرآن نے دعوتِ حق کا بیان شروع کیا ہے پھر چونکہ بنی آدمؑ دو گروہوں میں منقسم تھے ایک وہ جو کسی کتاب سماوی کی پیروی کا دعویٰ رکھتے تھے اور دوسرے عامۃ الناس جن کا کسی کتاب سے واسطہ نہیں تھا۔ بلکہ دیکھا دیکھی ان کا مذہب تھا جسطرح ماں باپ کو کرتے دیکھا اسی کے پیچھے لگ گئے وہ بت پوجتے تھے لہٰذا یہ بھی بت پوجنے لگے وہ ستارہ پرست یا سورج پرست یا آتش پرست یا گاؤ پرست وغیرہ تو یہ بھی انہیں کے نقش قدم پر اُن جیسے۔

پس دعوت حق میں پہلے پہل خدا نے ان عامۃ الناس کو خطاب فرمایا یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا سے نصیحت کی

ابتدا فرمائی اور نصیحت کے تینوں طریقے استعمال فرمائے۔ پہلے اپنے احسانات کا تذکرہ کہ تمہیں خلعتِ وجود عطا کی اور زمین وغیرہ تمہارے لئے پیدا کی پس وہی مستحق عبادت ہے اس کے بعد عذابِ جہنم کا خوف دلایا جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے اور پھر اطاعت پر جنت کی بشارت بھی سنائی۔ ان ہر سہ طریق کو استعمال کرنے کے بعد تمام انسانوں پر خصوصی نعمت کا احسان بیان فرمایا کہ دیکھو تمہارے باپ آدمؑ کو پیدا کر کے اس کے سامنے ملائکہ جیسی نوری مخلوق کو سجدہ کرایا اور اس کی خاطر ابلیس کو نوریوں کی صف سے نکال کر مردود و ملعون قرار دے کر دربارِ رحمت سے خارج کر دیا لیکن پھر تم اسی آبائی دشمن کے پھندے میں آ کر میری طرف سے منہ پھیرتے ہو گویا ان واقعات سے انسان کی رگِ حمیت کو حرکت دی تاکہ انسان محسن اور دشمن میں فرق کر سکے۔

ان کی دعوت کے بعد کلام کا رُخ ان لوگوں کی طرف فرمایا جو اپنے تئیں کسی کتاب سماوی کے قائل و پیرو جانتے تھے اور وہ بنی اسرائیل تھے ان کی دعوت میں وہی نصیحت کے تینوں طریقے استعمال فرمائے ان پر اپنے خصوصی احسانات ذکر فرمائے، ان کی چالیس یا زیادہ سرکشیوں کے باوجود اپنی رحمت و درگزر کو یاد دلایا پھر عذاب سے خوفزدہ کیا اور ساتھ ساتھ اطاعت پر انعاماتِ جنت کا وعدہ بھی فرمایا اب ان تین نصیحت کے ہر سہ طریق سے دعوتِ حق دینے کے بعد ان کے جدِ اعلیٰ پر احسانات کا تذکرہ فرمایا جس طرح بنی آدم پر عمومی احسانات کے جتلانے کے بعد بنی آدم کے باپ حضرت آدم پر نعمات کا ذکر فرمایا تھا اسی طرح بنی اسرائیل پر عمومی پیغام حق پہنچانے کے بعد ان کے باپ حضرت ابراہیمؑ پر خصوصی نعمات کا ذکر شروع فرمایا ہے کہ دیکھو اس پر ہم نے کیا کیا احسانات کئے اور کیا عہد لیا اور تمہیں انہوں نے ہمارا کیا پیغام سنایا اور باوجود ان سب باتوں کے تم کیا کر رہے ہو

maablib.org

مقام ابراہیم

مجمع البیان میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ جنت سے تین پتھر آئے، ایک مقام ابراہیم دوسرے حجر بنی اسرائیل جس پر حضرت موسیٰ عصا مارتے تھے اور پانی کے چشمے اس سے نکلتے تھے اور تیسرا حجر اسود ہے۔ (منہ)

مَثَابَةً لِّلنَّاسِ

مثابہ کا معنی جائے رجوع اور جائے پناہ بھی کیا گیا ہے روایت میں ہے کہ جو شخص مکہ سے واپسی پر آئندہ سال کی حج کی نیت بھی کرلے تو اس کی عمر میں زیادتی کی جاتی ہے اور جو حج کرکے دوبارہ آنے کی نیت نہ کرے تو اس کی موت نزدیک کی جاتی ہے (منہ)۔

وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَأَمْنًا ۖ وَاتَّخِذُوا
اور جب کہ بنایا ہم نے کعبہ کو جائے ثواب لوگوں کے لئے اور مقام امن اور پکڑو تم
مِن مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى ۖ وَعَهِدْنَا إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ
مقام ابراہیم کو جائے نماز اور ہم نے عہد لیا طرف ابراہیم
وَإِسْمَاعِيلَ أَن طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْعَاكِفِينَ
اور اسمٰعیل کے کہ پاک رکھو میرا گھر کو طواف کرنیوالوں اعتکاف کرنے والوں
وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ ﴿١٢٥﴾
اور رکوع سجود کرنیوالوں کے لئے

وَاتَّخِذُوا مِن مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى۔ اس آیت مجیدہ میں مقام ابراہیم کو مصلیٰ بنانے کا صریح حکم ہے اور آئمہ اہلبیت کی طرف سے احادیث بکثرت وارد ہیں کہ حاجی کے لئے ضروری ہے کہ طواف بیت اللہ سے فارغ ہوکر دو رکعت نماز طواف اسی مقام ابراہیم پر پڑھے۔ تفسیر بیضاوی میں جابرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسالتمآبؐ جب طواف سے فارغ ہوئے تو مقام ابراہیم کا رُخ کیا اور اس کے پیچھے کھڑے ہوکر دو رکعت نماز طواف ادا فرمائی اور پھر اسی آیت کی تلاوت فرمائی وَاتَّخِذُوا مِن مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى۔ اس مقام پر صیغہ امر کا ہے اور اس کی دلالت وجوب پر ہوتی ہے تو پس معلوم ہوا کہ نماز طواف کا مقام ابراہیم پر پڑھنا واجب ہے اور محمدؐ و آلِ محمدؐ نے اسی مقام ابراہیم کو ہی مصلےٰ

قرار دیا۔ اور اہلسنت کی کتب صحاح میں بھی اس کی تصریح موجود ہے کہ مقام ابراہیم کو مصلیٰ قرار دینے کا حکم ہے۔

جب رسولؐ پاک نے مصلیٰ ابراہیم کو ہی اختیار فرمایا اور اپنا مصلیٰ علیحدہ کرنا پسند نہ کیا بلکہ خود خدا نے مصلیٰ ابراہیمی کو مصلیٰ قرار دینے کا حکم صادر فرمایا تو یہ کیسے جائز ہو سکتا ہے کہ اس مصلیٰ کو چھوڑ کر الگ ایک دو نہیں بلکہ چار مصلے قائم کر دیئے جائیں؟ اور بیضاوی نے اس اعتراض سے بچنے کے لئے یہ بہانہ سوچا ہے۔ کہ امر کو استحباب پر محمول کر لیا اور وجوب سے انکار کر دیا حالانکہ صیغہ امر وجوب کے لئے ہوتا ہے؟ جب تک کہ خلاف کا قرینہ نہ ہو اور پھر جب رسولؐ پاک کے عمل کے ساتھ تائید بھی ہو جائے تو استحباب کا اس محل پر معنی ہی کیا ہے اور بفرضِ تسلیم استحباب ہی سہی تو سنتِ رسولؐ پر چلنے کے مدعی کے لئے اس استحباب سے کنارہ کشی کیونکر روا ہے۔

بات صرف یہ ہے کہ چونکہ اہلبیتؑ رسولؐ نے مصلیٰ ابراہیمی کو اختیار فرمایا پس اہلبیت سے عقیدت کی عداوت رکھنے والوں نے سنتِ رسولؐ کو ترک کرنے میں ہی کامیابی سمجھی کہ کہیں اہلبیت کی اتباع کا الزام ہم پر عائد نہ ہو جائے۔ گویا جب اہلبیت رسولؐ سے مقابلہ کرنا ہو تو کتاب اللہ کو کافی سمجھنے والے کتاب اللہ کو چھوڑ کر آگے نکلنے کی کوشش کرتے ہیں۔

تفسیر مجمع البیان میں ابن عباس سے مروی ہے کہ جب حضرت ابراہیمؑ حضرت اسمٰعیلؑ اور ہاجرہ کو مکہ میں چھوڑ کر واپس چلے گئے اور ایک مدت گذر گئی۔ یہاں قبیلہ جرہم آکر آباد ہوا اور حضرت اسماعیلؑ نے انہیں میں شادی کر لی اور ہاجرہ کا انتقال ہو گیا تو حضرت ابراہیمؑ نے سارہ کو کہا کہ میں ہاجرہ کی خبر گیری کے لئے جاتا ہوں۔ سارہ نے اجازت دی اور یہ شرط کر لی کہ وہاں آپ اپنی سواری سے نہ اتریں گے۔ پس آپ جب مکہ میں وارد ہوئے تو ہاجرہ کا انتقال ہو چکا تھا۔ حضرت اسمٰعیلؑ کے گھر پہنچے اور ان کی بیوی سے ان کا حال پوچھا اس نے کہا وہ بال بچوں کی خوراک کے لئے شکار کو گئے ہیں (کیونکہ مکہ کی زمین میں زراعت وغیرہ نہ تھی) اور حضرت اسمٰعیل حرم سے باہر جا کر شکار لاتے تھے پس حضرت ابراہیمؑ نے کھانا طلب کیا تو اس نے کہا کہ نہ میرے پاس کھانا ہے اور نہ کوئی دوسرا آدمی ہے (کہ یہ انتظام کر سکے) پس حضرت ابراہیمؑ نے واپس ہوتے ہوئے فرمایا کہ جب تیرا شوہر واپس آئے تو میرا سلام کہنا اور کہنا کہ گھر کا دروازہ تبدیل کر دے۔ یہ کہہ کر آپ چلے گئے۔ جب حضرت اسمٰعیلؑ واپس آئے تو انہوں نے اپنے باپ کی خوشبو معلوم کر کے فرمایا

سے دریافت کیا تو اس نے حقارت آمیز لہجہ میں کہا کہ ہاں فلاں فلاں صفت کا ایک بوڑھا آدمی یہاں آیا تھا۔ آپ نے پوچھا کہ کچھ کہتا بھی تھا۔ عورت نے جواب دیا کہ ہاں وہ کہتا تھا کہ اپنے شوہر کو میرا اسلام دیکر کہنا کہ وہ اپنے گھر کے دروازہ کو تبدیل کر دے۔ پس حضرت اسمٰعیلؑ نے فوراً اس کو طلاق دے کر دوسری شادی کر لی۔ کچھ عرصہ کے بعد حضرت ابراہیمؑ نے اپنی زوجہ سارہ سے اسمٰعیل کو ملنے کی خواہش ظاہر کی تو اس نے اجازت دی اور وہی شرط لگائی کہ سواری سے آپ نہ اتریں گے پس جب حضرت ابراہیمؑ حضرت اسمٰعیل کے گھر پہنچے تو اس موجودہ بیوی سے اس کے شوہر کا حال پوچھا۔ تو اس نے جواب دیا کہ وہ شکار کو گئے ہیں اور ابھی تشریف لاتے ہیں۔ انشاء اللہ۔ خدا آپ پر رحم فرمائے تشریف رکھئے۔ آپ نے کھانا طلب فرمایا۔ تو فوراً دودھ اور گوشت سے ان کی ضیافت کی۔ آپ نے برکت کی دعا فرمائی۔ اس نیک بخت عورت نے آپ سے اترنے کی خواہش کی تاکہ ان کے سر سے گرد و غبار سفر کو دھوئے لیکن آپ نہ اترے۔ فوراً ایک پتھر اٹھا لائی اور آپ کے دائیں طرف رکھ دیا آپ نے اس پر اپنا قدم مبارک جس کا پتھر پر نشان باقی ہے۔ تو اس نے آپ کے سر کے دائیں حصہ کو غسل دیا پھر پتھر بائیں طرف لاکر رکھ دیا آپ نے اس پر بایاں قدم رکھا۔ جس کا نشان موجود ہے۔ اس نے آپ کے سر کا بایاں حصہ دھویا۔ پس فارغ ہو کر جب آپ نے واپس پلٹنے کا ارادہ فرمایا تو فرمایا کہ اپنے شوہر کو میرا اسلام کہنا اور کہنا کہ اب تیرے گھر کا دروازہ ٹھیک ہے جب حضرت اسمٰعیلؑ واپس آئے اور باپ کی خوشبو سونگھی تو عورت سے دریافت فرمایا اس نے جواب دیا کہ ہاں نہایت خوبصورت و پاکیزہ بُو ایک بزرگ تشریف لائے تھے مجھے انہوں نے ایسا ایسا فرمایا تھا اور مَیں نے یہ یہ عرض کیا تھا اور ان کے سر کو غسل بھی دیا تھا۔ چنانچہ یہ پتھر پر ان کے قدم کے نشانات باقی ہیں۔ حضرت اسمٰعیلؑ نے فرمایا کہ وہ میرے والد حضرت ابراہیمؑ تھے۔ انتہیٰ ملخصاً یہ وہی مقام ابراہیم ہے جس کو مصلّیٰ بنانے کا امت اسلامیہ کو حکم ہے۔

بیضاوی نے لکھا ہے کہ مقام ابراہیمؑ وہ مقام ہے جس پر کھڑے ہو کر آپ نے لوگوں کو حج کی دعوت دی تھی اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ وہ مقام ہے جہاں کھڑے ہو کر آپ نے بیت اللہ کی تعمیر فرمائی تھی اور اس پتھر کے متعلق بھی لکھا ہے جس پر حضرت ابراہیمؑ کے قدموں کے نشان ہیں۔

حضرت ابراہیمؑ کا یہ معجزہ تھا کہ ان کے پاؤں کے نیچے پتھر مٹی کی طرح نرم ہو گیا جس سے ان کے پاؤں کا نشان نقش ہو گیا۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا

اور جب دعا مانگی ابراہیم نے کہ اے رب کر اس کو شہر پُر امن اور

وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ

رزق دے اس کے بسنے والوں کو پھلوں سے جو ان میں سے ایمان لائے

بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ

ساتھ اللہ کے اور یوم قیامت کے فرمایا کہ جو کافر ہوگا پس اسکو فائدہ دونگا

قَلِيْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗۤ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ ؕ وَبِئْسَ

تھوڑا پھر اسکو داخل کردوں گا عذاب دوزخ میں اور وہ بری بازگشت

الْمَصِيْرُ ﴿۱۲۶﴾ وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهِيْمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ

ہے۔ اور جب بلند کرتا تھا ابراہیم بنیادیں کعبہ کی اور اسماعیل

الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ

یہی اے رب ہم سے قبول کر تحقیق تو سننے جاننے

السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۲۷﴾ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَ

والا ہے۔ اے رب ہمارا ہمیں اطاعت گزار اپنا اور ہماری اولاد

مِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۠ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا

میں سے ایک گروہ اطاعت گزار اپنا اور ہمیں اپنے مناسک سے آگاہ فرما

وَتُبْ عَلَيْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۲۸﴾

اور ہم پر رجوع رحمت فرما تحقیق تو بہت رجوع رحمت کرنیوالا مہربان ہے

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ

اے رب اور بھیج ان میں ایک رسول انہیں سے جو پڑھے ان کے سامنے تیری

اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ؕ

آیات اور تعلیم دے ان کو کتاب و شریعت کی اور ان کو پاک کرے

اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۲۹﴾

تحقیق تو غالب حکمت والا ہے۔

رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا جناب رسالتمآب سے منقول ہے کہ ابتدائے خلقت سے مکہ جائے حرمت ہے اور اس قسم کی روایات بہت زیادہ ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ مکہ معظمہ ابراہیمؑ کی دعا سے پیشتر حرم خدا اور جائے امن قرار دیا گیا تھا جیسا کہ علامہ طبری نے ذکر فرمایا ہے اور حضرت ابراہیم کی دعا سے اس کی حرمت زیادہ موکد ہوگئی ہے اور بعضوں نے کہا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کی دعا کے بعد مکہ حرم قرار پایا ہے چنانچہ اس سلسلہ میں جناب رسالتمآبؐ کا ایک فرمان بھی ہے کہ ابراہیمؑ نے مکہ کو حرم بنایا اور ہم نے مدینے کو حرم بنایا ہے

بعض لوگ ان دونوں کو اس طرح جمع کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ کی دعا سے پہلے بھی جائے امن تھا لیکن دنیاوی عذاب وخسف وغیرہ سے اور حضرت ابراہیمؑ کی دعا کے بعد جائے امن اور حرم ہوا عظمت وعزت کے لحاظ سے۔

اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ حرم پہلے سے تھا اور حضرت ابراہیمؑ نے اس کے دوام کی دعا مانگی تھی۔ بہرکیف اس کے حرم اور جائے امن ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں۔ حضرت امام صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ جو انسان مکہ کی پناہ لے وہ قتل کے عذاب سے بچ جاتا ہے اور جو جانور پرندہ وغیرہ اس میں داخل ہو جائے وہ اذیت وگرفت سے امن میں رہتا ہے

خداوند کریم نے اس کو ایسا جائے امن بنایا کہ عرب اقوام کے دلوں میں اس کی تعظیم داخل کر دی کہ جو بھی اس میں داخل ہو جائے اس کا جان ومال محفوظ کیا جاتا تھا حتیٰ کہ قبل از اسلام اگر کوئی شخص حرم مکہ کے اندر اپنے باپ کے قاتل کو پالیتا تھا تو حرم کی عظمت کے پیش نظر اس سے متعرض نہ ہوتا تھا اور یہ چیز حضرت اسمٰعیلؑ سے ان کے ورثہ میں داخل تھی۔

مسئلہ: اگر کسی شخص پر حدِ شرعی واجب ہو اور بھاگ کر حرم میں داخل ہو جائے تو شرعاً اسکو حرم کی حدود کے اندر حد لگانا حرام ہے۔ جب تک کہ وہ حرم سے باہر نہ آجائے بشرطیکہ اس نے جرم حرم کی حدود سے باہر کیا ہو۔ (از مجمع البیان)

وَارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرَاتِ:۔ مجمع البیان میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ ثمرات سے مراد وہ میوہ جات وغیرہ ہیں جو گردونواح سے ان کی طرف پہنچائے جائیں اور حضرت صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ اس سے میوہ ہائے دل مراد ہیں یعنی اے اللہ اس کے ساکنین کو لوگوں کا محبوب بنا دے تاکہ آس پاس سے کھچ کر ان کی طرف آئیں اور حضرت ابراہیمؑ نے رزق کی دعا اہل مکہ کے لئے مانگی لیکن ان لوگوں کے لئے دعا کو مخصوص فرما دیا جو ایمان والے ہوں کیونکہ جب انہوں نے امامت کے لئے اپنی اولاد کا بالعموم نام لیا تھا تو ارشادِ قدرت ہوا تھا کہ یہ عہدہ ظالموں کو نہ دیا جائے گا لہٰذا اس کی مرتبہ دعا میں محتاط رویہ اختیار فرماتے ہوئے صرف مومنین کو مخصوص فرمایا۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ دعا کو اہل ایمان کے ساتھ اس لئے مخصوص کیا ہے کہ اگر وسعتِ رزق کی دعا میں مومن وکافر ہر ایک کو شریک کیا گیا تو کفار کی مکہ میں زیادتی، فساد کی موجب ہوگی اور وہ مومنوں کو اعمال حج سے منع کرنے لگیں گے۔

لہٰذا دعا ہی صرف مومنوں کے لئے کی۔

وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا ۔ یعنی کفار کو وہاں تھوڑا رزق دوں گا مراد اس سے یعنی صرف زندگی دنیاوی ان کی ہوگی اس کے بعد عذاب دائمی میں گرفتار ہوں گے اور زندگی دنیاوی اخروی زندگی کے مقابلہ میں متاعِ قلیل ہی ہے بعض نے کہا ہے کہ کفار کو مدتِ قلیلہ تک وہاں رزق ملے گا اور اس سے مراد حضرت سید الانبیاء کی بعثت یا فتح مکہ تک کا زمانہ ہے۔

وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهِيْمُ الْقَوَاعِدَ ۔ روایات آئمہ میں ہے کہ بیت اللہ کی بنا حضرت آدمؑ نے قائم کی تھی جو بعد میں ناپید ہوگئی اور اسی کو حضرت ابراہیمؑ نے از سرِ نو کھڑا کیا۔ حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے منقول ہے کہ آسمان سے زمین پر پہلی چیز جو نازل ہوئی وہ یہی بیت اللہ ہے جو مکہ میں رکھا گیا اور یہ یاقوت سرخ کا تھا جب حضرت نوحؑ کی قوم نے فسق کیا تو اس کو اوپر اٹھا لیا گیا۔ بعض روایات میں ہے کہ سفید موتی کا تھا اسے اٹھایا گیا اور اس کی بنیاد پر حضرت ابراہیمؑ نے تعمیر کا کام شروع کر دیا۔ حضرت اسمٰعیلؑ ان کو پتھر اٹھا کر دیتے تھے اور وہ دیوار بناتے تھے اور روائیت میں ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کی زبان عبرانی تھی پس وہ اپنی عبرانی بیان میں حضرت اسمٰعیلؑ کو فرماتے تھے ھانی [illegible] یعنی پتھر لاؤ اور حضرت اسمٰعیلؑ عربی میں جواب دیتے تھے یا ابا [illegible] ابا جان پتھر لیجئے پس حضرت اسمٰعیلؑ پہلے شخص ہیں اولادِ ابراہیمؑ سے جنہوں نے عربی کو اپنی زبان بنایا۔

وَاجْعَلْنَا مُسْلِمِيْنَ یہ حضرت اسمٰعیلؑ و حضرت ابراہیمؑ کی دعا ہے کہ ہمیں اسی اطاعت گذاری پر بحال و ثابت رکھا گویا امت کو دعا کا طریقہ سمجھایا ہے۔

وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا ۔ اس سے مراد حضرت محمد مصطفیٰؐ ہیں کیونکہ دعا مانگنے والے حضرت ابراہیمؑ و حضرت اسماعیلؑ کی اولاد سے سوائے آنحضورؐ کے اور کوئی نبی ہوا ہی نہیں اور حضورؐ کا ارشاد بھی ہے کہ میں ابراہیمؑ کی دعا اور عیسیٰؑ کی بشارت کا مصداق ہوں۔

حضرت اسمٰعیلؑ اور ان کی والدہ حضرت ہاجرہ کی ہجرت

تفاسیر معتبرہ میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام علاقہ شام میں سکونت پذیر تھے۔ جب ہاجرہ کے شکم سے حضرت اسمٰعیلؑ کا تولد ہوا تو حضرت ابراہیم کی زوجہ حضرت سارہ بہت مغموم ہوئیں کیوں کہ ان کے ہاں اولاد نہیں تھی پس وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ہاجرہ کے معاملہ میں تکلیف دیتی تھیں اور ان کو غمزدہ کرتی تھیں تو حضرت ابراہیم نے اللہ کی بارگاہ میں اس امر کی شکایت کی پس وحی ہوئی۔ کہ عورت ٹیڑھی پسلی کی مانند ہے اگر اس کو اپنی حالت پر رہنے دیا جائے تو انسان کو نفع پہنچاتی ہے اور اگر اسکو سیدھا کرنا چاہیں تو وہ ٹوٹ جائے گی۔ اور حکم ہوا کہ آپ اسمٰعیلؑ اور ہاجرہ کو یہاں سے کسی اور مقام پر لے جائیں۔ ابراہیمؑ نے عرض کی کہ کہاں لے جاؤں؟ تو ارشاد ہوا میرے حرم اور جائے امن اور اس مقام کیطرف لے جائیے جو زمین کے ٹکڑوں میں سے خلقت کے لحاظ سے پہلا بُقعہ ہے اور وہ مکہ ہے پس جبرئیل براق لے کر اترے اور حضرت ابراہیم و اسمٰعیلؑ و ہاجرہ کو سوار کیا اور وہاں سے روانہ ہوئے۔ پس اثنائے راہ میں جہاں کہیں آباد اور سرسبز و شاداب مقام آتا ہے تو جبرئیل سے دریافت فرماتے تھے کہ کیا یہی جگہ ہے؟ تو جبرئیل جواب دیتا تھا کہ نہیں بلکہ آگے ہے۔ یہاں تک کہ مکہ کی سرزمین پر پہنچ کر مقام کعبہ پر اتارا اور حضرت ابراہیمؑ اپنی بیوی سارہ سے وعدہ کر کے آئے تھے کہ میں وہاں سواری سے اترے بغیر واپس آؤں گا۔ وہاں ایک درخت تھا حضرت ہاجرہ کے پاس ایک چادر تھی اس کو اس درخت پر پھیلا کر سایہ بنایا اور حضرت ابراہیم نے ان کو وہاں بٹھلا کر واپس اپنی زوجہ سارہ کی طرف پلٹنے کا ارادہ فرمایا تو ہاجرہ نے عرض کی کہ آپ ہمیں ایسے مقام پر چھوڑے جاتے ہیں جہاں نہ انسانوں کی آبادی ہے اور نہ پانی و زراعت وغیرہ ہے حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا مجھے اپنے رب کا یہی حکم ہے کہ تمہیں اسی مقام پر چھوڑوں پس یہ کہہ کر آپ واپس ہوئے جب ذی طویٰ کی پہاڑی پر پہنچے تو پیچھے مڑ کر اپنی بیوی ہاجرہ اور اپنے فرزند اسمٰعیلؑ کو دیکھا اور اللہ سے دعا مانگی میرے اللہ! میں اپنی ذریت کو ایک غیر آباد وادی میں چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ اِنِّیْ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ الخ اور پھر چلے گئے اور ہاجرہ رہ گئی جب سورج بلند ہوا تو حضرت اسمٰعیل کو پیاس لگی حضرت ہاجرہ نے پانی کی تلاش میں وادی میں ادھر ادھر پھرنا شروع کیا یہاں تک کہ مقام سعی پر پہنچی

(جہاں حاجی لوگ طوافِ بیت اللہ کے بعد صفا و مروہ کے درمیان دوڑتے ہیں) اور بی بی نے آواز بلند کی کہ آیا اس وادی میں کوئی انسان ہے؟ (لیکن انسان کا وہاں نام و نشان تک نہ تھا) اتنے میں حضرت اسمٰعیل نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ پس فوراً کوہِ صفا پر چڑھ گئیں اِدھر اُدھر دیکھا تو وادی میں سراب کی چمک معلوم ہوئی۔ سمجھا کہ پانی ہے پس فوراً وہاں سے اتر کر وادی میں آئیں اور دوڑیں۔ یہاں تک کہ کوہِ مروہ تک پہنچیں۔ پھر حضرت اسمٰعیلؑ نظر سے غائب ہو گئے تو کوہ مروہ پر چڑھیں اور صفا کی طرف جب نگاہ کی تو سراب کی چمک کو پانی سمجھا پس اتر کر دوڑتی ہوئی صفا تک پہنچیں۔ پس اسی تلاش میں کوہِ صفا سے مروہ تک اور مروہ سے صفا تک (یعنی) نے سات چکر لگائے۔ ساتویں بار جب کوہِ مروہ پر چڑھیں اور اپنے فرزند اسمٰعیل کی طرف نگاہ اٹھائی تو دیکھا کہ اسمٰعیلؑ کے قدموں کے مقام سے پانی جاری ہے۔ پس واپس آئیں اور بیٹھ کر پانی کے گرد مٹی کا بند لگا شروع کر دیا اور اس کو تالاب کی صورت میں محدود کر لیا۔ زم زم اسی لئے اس کا نام مشہور ہو گیا۔ کیونکہ اس کا معنی روکنا ہوتا ہے اور ہاجرہ نے چونکہ اس کو جاری ہونے سے روکا تھا پس وہ زمزم کے نام سے موسوم ہوا قبیلہ جرہم اس وقت مقام ذوالمجاز اور عرفات میں اترا ہوا تھا جب پانی یہاں ظاہر ہوا تو جانور اور پرندے اس مقام پر جمع ہوئے قبیلہ والوں نے جب پرندوں کا اس طرف رُخ دیکھا تو سمجھا کہ اس طرف پانی ہوگا پس وہ یہاں آ گئے کیا دیکھا کہ ایک عورت ہے اور ایک بچہ ہے جنہوں نے ڈیرہ لگایا ہے درخت پر سایہ کے لئے چادر لٹکائی ہوئی ہے اور پانی انہی کی بدولت یہاں ظاہر ہوا ہے تو انہوں نے کیفیت دریافت کی حضرت ہاجرہ نے فرمایا کہ میں خلیل خدا حضرت ابراہیم کی ام ولد (زوجہ) ہوں اور یہ انہیں کا بچہ ہے اور خدا نے اُن کو ہمارے یہاں ٹھہرانے کا حکم فرمایا ہے انہوں نے عرض کی اگر اجازت ہو تو ہم بھی آپ کی ہمسائیگی میں آباد ہو جائیں۔ ہاجرہ نے فرمایا جب تک مجھے حضرت ابراہیمؑ اجازت نہ دیں میں کچھ نہیں کہہ سکتی جب تیسرے روز حضرت ابراہیم دیکھنے کے لئے پلٹے تو بی بی نے عرض کی کہ یہاں ایک قبیلہ جرہم قریب میں آباد ہے اگر آپ کی اجازت ہو تو وہ ہمارے ہمسایہ ہو جائیں آپ نے اجازت دی اور چلے گئے۔ پس ہاجرہ نے جرہم کو اپنے قرب و جوار میں بسنے کی اجازت دی اور وہ آ کر یہاں آباد ہوئے۔ حضرت ہاجرہؑ اور اسمٰعیلؑ کو ان کی آبادی کی وجہ سے مانوسیت ہو گئی جب حضرت ابراہیم دوسری دفعہ تشریف لائے تو لوگوں کی کثیر آبادی کو دیکھ کر بہت مسرور ہوئے قبیلہ جرہم میں سے ہر ایک آدمی نے حضرت اسمٰعیل کو کسی نے ایک کسی نے دو بکریاں ہبہ کی تھیں جس سے دونوں ماں بیٹے کا گزارا تھا حضرت اسمٰعیلؑ جب جوان

ہوئے تو خداوند کریم نے حضرت ابراہیم کو کعبہ کی تعمیر کا حکم فرمایا حضرت ابراہیم نے عرض کی کہ کس مقام پر کعبہ بناؤں؟ تو ارشاد ہوا کہ اس مقام پر جہاں حضرت آدمؑ پر خیمہ نور اترا تھا جس کی وجہ سے تمام حرم منور رہتا تھا اور وہ قبہ طوفانِ نوحؑ کے زمانہ تک اسی مقام پر قائم رہا۔ جب طوفان سے دنیا غرق ہوئی تو خدا نے اس قبہ کو اٹھا لیا اور سوائے زمین کعبہ کے باقی تمام دنیا پر پانی پھر گیا تھا اسی وجہ سے کعبہ کو بیت عتیق بھی کہا ہے کیونکہ عتیق کا معنی ہے محفوظ۔ پس حضرت جبرئیل نے آکر حضرت ابراہیمؑ کو اس مقام کے نشانات بتلائے اور انہوں نے کعبہ کی تعمیر شروع کی الخ

اقول: حضرت ابراہیمؑ، اسمٰعیلؑ اور ہاجرہؑ کی خبر گیری کے لئے متعدد مرتبہ تشریف لاتے رہے لیکن جب ہاجرہ کا انتقال ہوا اور حضرت اسمٰعیلؑ نے شادی کی اس بار ذرا زیادہ دیر کے بعد آئے تھے لہٰذا گزشتہ روایات اور اس روایت میں کوئی مناقات نہیں ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ زمین کعبہ نے فخر کرتے ہوئے کہا کہ مجھ جیسا کون ہو سکتا ہے؟ حالانکہ خدا نے میری پشت پر کعبہ بنایا ہر جانب سے لوگ میری زیارت کو آتے ہیں اور میں اللہ کا حرم اور جائے امن ہوں پس خدا نے وحی فرمائی کہ خاموش رہ اور ٹھہر جا کیونکہ تیری فضیلت زمین کربلا کی فضیلت کے مقابلہ میں ایسی ہے جس طرح نوکِ سوزن کو سمندر میں ڈبونے کے بعد جو نسبت اس کی تری کو سمندر کے پانی سے ہوتی ہے۔ اور (اے زمین کعبہ) اگر زمین کربلا نہ ہوتی تو تجھے یہ فضیلت حاصل نہ ہوتی اور نہ وہ ہستی نہ ہوتی جو زمین کربلا میں مدفون ہے تو نہ میں تجھے پیدا کرتا اور نہ اس گھر کو پیدا کرتا جس پر تجھے فخر ہے۔ پس آرام کر اور تواضع اختیار کر۔ (سفینۃ البحار)

وَمَنْ يَّرْغَبُ الخ

ع ۱۵	وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهِيْمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ
	اور نہیں منہ پھیرتا ملت ابراہیمی سے مگر وہ شخص جو اپنے نفس سے بے خبر ہو اور
	نَفْسَهٗ ؕ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ
	تحقیق ہم نے اس کو چن لیا دنیا میں اور تحقیق وہ قیامت میں بھی صالحین کے گروہ میں
	لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۳۰﴾ اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ ۙ قَالَ
	ہوں گے جبکہ کہا اس کو اس کے رب نے کہ اطاعت قبول کر

ملت ابراہیمی تکمیل نفوس انسانیہ کا ایسا مکمل کورس ہے جس سے اعراض کرنا کسی صاحب عقل سلیم کے لئے جائز نہیں پس بنی آدمؑ کے لئے

اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۳۱﴾ وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ

کہ تو عرض کی کہ میں نے اطاعت قبول کر لی ہے عالمین کے رب کی اور وصیت فرمائی اسی ملت کی

بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ ؕ يٰبَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ

ابراہیم نے اپنی اولاد کو اور یعقوب نے بھی کہ اے بیٹے تحقیق اللہ نے چن لیا ہے تمہارے لئے دین

فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ

(اسلام) پس تمہیں موت نہ آئے مگر اسی صورت میں کہ تم مسلمان ہو کیا تم حاضر تھے جب

اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ ۙ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا

قریب ہوئی یعقوب کی موت جب انہوں نے اپنی اولاد سے فرمایا تھا کہ کس کی

تَعْبُدُوْنَ مِنْ بَعْدِيْ ؕ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَ

عبادت کرو گے میرے بعد تو انہوں نے جواب دیا تھا کہ عبادت کریں گے تیرے معبود کی

اِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ

اور تیرے آباؤ ابراہیم اسمٰعیل اور اسحٰق کے معبود کی جو یکا و تنہا ہے اور ہم صرف اسی کے

اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۳﴾ تِلْكَ اُمَّةٌ

اطاعت گزار ہو کر رہیں گے۔ یہ گروہ تھا

قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْـَٔلُوْنَ

جو گزر گیا ان کا کمایا ان کے لئے اور تمہارا کمایا تمہارے لئے اور ان کے

عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۴﴾

کئے کا سوال تم سے نہ ہوگا۔

ملت ابراہیمی کی پیروی کی اس آیت مجیدہ میں دعوت عام ہے۔

اور بنی اسرائیل کے لئے بالخصوص دعوت ہے کیونکہ یہ لوگ اولاد حضرت ابراہیمؑ سے جس طرح سابقاً آدمؑ کے ذکر سے عموماً اولاد آدمؑ کو تحریک اطاعت وعبادت کی تھی اسی طرح اس مقام کا بنی اسرائیل کو بالخصوص متوجہ کیا گیا ہے کہ اپنے باپ کی ملت کو چھوڑ کر کس طرف جائے ہو حالانکہ وہ مصطفیٰ بھی ہے اور صالحین سے بھی ہے۔ لہٰذا تم بھی اس چیز کو مانتے ہو اور جناب رسالتمآبؐ کی طرف خطاب کا رُخ کر کے تا قیامت مسلمانوں کو بھی پیغام ہدایت ہے کہ ضم دار ملت ابراہیمی سے اعراض نہ کرنا اور من جملہ ان کے مقام ابراہیمؑ کو مصلیٰ قرار دینا بھی ہے۔

اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ۔ سفہ کے معنی ہلاکت بھی ہوا ہے اور بیوقوفی اور بے خبری بھی ہے۔ یعنی ملت ابراہیم سے وہی روگردان ہو سکتا ہے جو اپنے نفس کو ہلاکت میں ڈالنا چاہے یعنی عذاب خداوندی

میں مبتلا کرنا چاہے یا اپنے نفس کو بیوقوف بنائے یا اپنے نفس کی قدر سے جاہل ہو اور مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ کے ماتحت معنی یہ ہوگا کہ ملتِ ابراہیم کو جس میں معرفتِ خدا کی دعوت ہے وہی ترک کر سکتا ہے جو اپنے نفس کو نہ پہچانتا ہو۔

وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ ۔ تمام لوگوں کے لئے بالعموم اور اولادِ ابراہیمؑ اور اولادِ یعقوبؑ کے لئے بالخصوص۔ پھر تاکیدی پیغام ہے کہ ملتِ اسلام کی پیروی کرنا تمہارے آباء حضرت ابراہیمؑ و حضرت یعقوبؑ کی تمہیں وصیت ہے اور تمہیں اس پر عمل کرنا واجب و لازم ہے۔

ملتِ اسلام ہی ملتِ ابراہیمؑ ہے جس کے قوانین و ضوابط و جملہ احکام مطابقِ عقلِ سلیم ہیں ان سے انکار کرنا اور روگردانی کرنا بیوقوفی ہے۔

حضرت ابراہیمؑ خدا کے برگزیدہ مصطفیٰ اور صالحین سے تھے ان کا طریقہ ہر شخص کے لئے واجب الاتباع ہے خصوصاً ان کی اولاد کے لئے اس کا ترک باعثِ شرم ہے۔

باوجود اس سب کچھ کے اپنی اولاد کو انہوں نے آخری دم تک یہی وصیت بھی فرمائی اور وصیت پر عمل کرنا واجب ہوا کرتا ہے۔

اِلٰهَ اٰبَآئِكَ ۔ جب حضرت یعقوبؑ نے اپنی اولاد کو جمع کر کے دریافت فرمایا تھا کہ کس کی عبادت کرو گے۔ تو انہوں نے جواب دیا تھا کہ تیرے آباء کے معبود کی اطاعت کریں گے اور دین اسلام پر رہیں گے اور انہوں نے حضرت یعقوبؑ کے آباء سے مراد حضرت ابراہیمؑ حضرت اسمٰعیلؑ اور حضرت اسحٰق علیہم السلام لئے تھے۔

یہ واضح رہے کہ آباء جمع ہے اَب کی اور اس کا معنی باپ ہوا کرتا ہے حضرت ابراہیمؑ حضرت یعقوبؑ کے دادا تھے اور حضرت اسمٰعیلؑ ان کے چچا تھے۔ اور حضرت اسحٰق والد تھے۔ پس قرآن کی اس اصطلاح سے معلوم ہوا کہ باپ کی لفظ دادا۔ چچا اور باپ ہر ایک پر بولی جا سکتی ہے۔

لہٰذا چونکہ مذہب امامیہ کا اعتقاد ہے کہ نبی دائم کے والدین کافر نہیں ہو سکتے پس جس جس مقام پر حضرت ابراہیمؑ کا اَب آذر بتلایا گیا ہے جو کہ مشرک اور بت پرست تھا اس سے چچا مراد ہے اور آذر حضرت ابراہیمؑ کے نسب میں چچا تھے ان کے باپ کا نام تارخ تھا۔

تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۔ اس آیت میں ان لوگوں کے عقیدہ کی تردید کی ہے جو اپنے باپ

دادا کے کارناموں پر فخر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان کا عمل ہمارے لئے کافی ہے۔ اس آیت میں صاف طور پر فرماتا ہے کہ ہر انسان اپنے اعمال کا خود ذمہ دار ہے اور تفسیر بیضاوی میں جناب رسالتمآبؐ سے مروی ہے کہ ایسا نہ ہو کہ بروزِ محشر باقی لوگ اپنے اعمال کو ساتھ لائیں اور تم اپنے انساب کا سہارا لے آؤ۔

وَقَالُوا كُونُوا هُودًا أَوْ نَصَارَىٰ تَهْتَدُوا ۗ قُلْ

اور وہ کہتے ہیں کہ یہودی ہو جاؤ یا نصرانی تب ہدایت پاؤ گے فرما دیجئے

بَلْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا ۖ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿١٣٥﴾

بلکہ ہم تو ملت ابراہیمی کی پیروی کریں گے جو راہ حق پر تھے اور مشرک نہیں تھے

قُولُوا آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْنَا وَمَا أُنْزِلَ إِلَىٰ

ان کو کہو کہ ہم اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور اس چیز پر جو ہماری طرف اتری اور جو اتری

إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ

حضرت ابراہیم حضرت اسمٰعیل حضرت اسحٰق حضرت یعقوب اور ان کی صالح اولاد پر اور

وَمَا أُوتِيَ مُوسَىٰ وَعِيسَىٰ وَمَا أُوتِيَ النَّبِيُّونَ

اس چیز پر جو دیئے گئے حضرت موسیٰ و حضرت عیسیٰ اور اس چیز پر جو عطا کی گئی تمام نبیوں کو

مِنْ رَبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْهُمْ وَنَحْنُ

اپنے رب سے ہم ان میں سے کسی میں فرق نہیں جانتے اور ہم اسی کے اطاعت

لَهُ مُسْلِمُونَ ﴿١٣٦﴾ فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنْتُمْ

گذار ہیں پس اگر یہ لوگ اسی طرح ایمان لائیں جس طرح تم ایمان لائے

بِهِ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۖ وَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا هُمْ فِي

ہو تو تحقیق وہ ہدایت پر ہوں گے اور اگر اس سے روگردانی کریں تو یقیناً وہ

شِقَاقٍ ۖ فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللَّهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿١٣٧﴾

باطل پر ہیں پس اللہ تیری ان سے کفایت کرے گا اور وہ سننے جاننے والا ہے۔

قَالُوا كُونُوا هُودًا أَوْ نَصَارَىٰ الخ یعنی یہودی کہتے تھے کہ یہودی ہو جاؤ اور نصاریٰ کہتے تھے کہ نصرانی ہو جاؤ یعنی ان میں سے ہر ایک گروہ اپنی طرف کھینچنے کی کوشش کرتا تھا کیوں کہ یہود اور نصرانی ہر دو گروہ ایک دوسرے کو بھی اچھا نہیں جانتے تھے پس حکم ہوا کہ ان کو ملت ابراہیم کی دعوت دو اور کہو کہ ہم تو اسی کی ملت پر ہیں اور وہ تمام باطل دلیل سے دور اور حق پر ثابت تھے اور آیت کے شانِ نزول کے متعلق مجمع البیان میں مروی ہے ابن صوریا نے جناب رسالتمآبؐ

صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً وَّ

دین خدا کی اطاعت کرو، اور کس کا دین بہتر ہے اللہ کے دین سے اور

نَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ﴿۱۳۸﴾ قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِی اللّٰهِ

ہم تو اسی کے عبادت گذار رہیں کہہ دیجئے کیا تم اللہ کے بارے میں ہم سے

وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ وَلَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ وَنَحْنُ

جھگڑتے ہو حالانکہ وہ ہمارا اور تمہارا رب ہے اور ہمارے عمل ہمارے لئے اور

لَهٗ مُخْلِصُوْنَ ﴿۱۳۹﴾

تمہارے عمل تمہارے لئے ہیں اور ہم اسی کے خالص عبادت گذار رہیں

کی خدمت میں عرض کی کہ ہدایت کا رستہ یہی ہے جس پہ ہم ہیں آپ بھی ہمارے دین پر آجائیں اور نصرانیوں نے بھی آپ کو ایسے ہی الفاظ سے تب یہ آیت نازل ہوئی۔

لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ الخ یعنی جس قدر انبیاء خدا نے بھیجے ہیں ہم ان میں یہ فرق نہیں جانتے کہ کسی کو نبی مانیں اور کسی کی نبوت کا انکار کریں بلکہ ایمان کے لحاظ سے سب ہماری نظروں میں برحق نبی تھے البتہ بعض صرف نبی اور بعض رسول بھی تھے اور بعض اولوالعزم اور بعض غیر اولوالعزم تھے۔

فَاِنْ اٰمَنُوْا تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ جب اس سے پہلی آیت اتری اور آنحضرتؐ نے یہودیوں اور نصرانیوں کے سامنے پڑھی تو یہودیوں نے حضرت عیسیٰ کا ذکر سن کر انکار اور کفر کیا اور نصرانیوں نے کہا کہ ہم عیسیٰ کو باقی انبیاء کی طرح نہیں جانتے بلکہ وہ تو اللہ کا فرزند تھا تب یہ آیت اتری پس ان کے عقائد فاسدہ کی اصلاح کے لئے اور ان کے مقولہ کی تردید کے لئے ارشاد ہوا کہ اگر ایمان اس طرح رکھیں جس طرح میں نے تعلیم دیا ہے کہ سب انبیاء کی نبوت پر ایمان لائیں اور ایمان میں فرق نہ کریں اور نیز سب کو خدا کا بندہ سمجھیں تب تو فہ صحت ہے ورنہ ان کی باتیں سب فضول ہیں اور ان کے پاس سوائے جھگڑے اور باطل پرستی اور کفر کے کچھ نہیں اور رسولؐ پاک کو تسلی دی ہے کہ آپ گھبرائیں نہیں خدا ان کے شر کو آپ سے دور رکھے گا اور وہی آپ کو ان کی شرارتوں سے کافی ہے وہ ان کی باتوں کو بھی سنتا ہے اور ان کے ضمائر کو بھی جانتا ہے۔

نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ وافی باب الاخلاص کافی سے مروی ہے کہ حضرت امیرالمومنین علیہ السلام نے فرمایا کہ ہر شخص کے لئے حد ہے جو عبادت اور دعا میں اضافہ کرے ہر آنکھوں کو بجھانے والی چیز

ہیں اس کا دل راغب نہ ہو۔ سُنی سنائی باتوں سے اللہ کے ذکر کو بھلا نہ دے اور غیر کو اگر کوئی نعمت عطا ہو تو یہ غمزدہ نہ ہو۔ حضرت صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ خالص عمل وہ ہے جس سے تجھے دوسرے کی تعریف مطلوب نہ ہو بلکہ صرف اللہ کی رضامندی ہی مطمح نظر ہو۔

اَمْ تَقُوْلُوْنَ۔

یہودیوں کا نظریہ تھا کہ حضرت ابراہیمؑ اسمٰعیلؑ اور یعقوبؑ [illegible] اور ان کی الاولاد سب دین یہود پر تھے اور نصرانی ان بزرگوں کے متعلق یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ وہ دین نصرٰی پر تھے۔ پس خداوند کریم نے اس آیت میں ہر دو کے نظریوں کی تردید فرمائی ہے کہ ان بزرگوں پر اتہام کیوں لگاتے ہو کیا تمکو ان کے دین کا زیادہ علم ہے یا اللہ کو زیادہ علم ہے اور گذشتہ کتب میں صاف طور پر جناب رسالتمآبؐ کے اوصاف مذکور ہیں اور دین اسلام کی حقانیت ان کتابوں میں موجود ہے تو پھر کیسے کہتے ہو کہ یہ بزرگوار یہودیت یا نصرانیت کے پیرو تھے اور کلمۂ حق جو کتب سماویہ میں موجود ہے اس کو کیوں چھپاتے ہو اور ظالم ترین وہ شخص ہے جو حق کی گواہی پر پردہ دے۔

اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ
کیا تم کہتے ہو کہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل اور حضرت اسحٰق اور
وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطَ كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ؕ قُلْ
حضرت یعقوب اور ان کی اولاد یہودی یا نصرانی تھے کہہ دیجئے کیا تم
ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً
زیادہ علم رکھتے ہو یا اللہ اور کون زیادہ ظالم ہے اس سے جو چھپائے اپنی سچی گواہی کو
عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۰﴾
اللہ سے اور خدا نہیں غافل اس چیز سے جو تم عمل کرتے ہو۔
تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ
وہ ایک جماعت تھی جو گذر گئی ان کے لئے ان کا کمایا اور تمہارے لئے وہ جو تم
وَلَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۱﴾
نے کمایا اور تم سے سوال نہ ہوگا اس چیز کا جو وہ کیا کرتے تھے

maablib.org

پارہ نمبر ۲

maablib.org

بحث تحویلِ قبلہ

سَيَقُوْلُ ۔ جب بنی اسرائیل کو ملتِ ابراہیمی پر آنے کی دعوت دی گئی تو انہوں نے ایک اعتراض تو یہ کیا کہ حضرت ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ و اسحٰقؑ و یعقوبؑ اور ان کی نیک اولاد سب یہودیت یا نصرانیت کے دین پر تھے یعنی بقول یہود یہودیت پر تھے اور بقول نصاریٰ نصرانیت پر تھے۔ گذشتہ آیات میں خداوند کریم نے ان کے اس اعتراض کا جواب دیا۔

ان کا دوسرا اعتراض تحویل قبلہ سے پہلے تو یہ تھا کہ اگر ہمارا دین باطل ہے تو آپ ہمارے قبلہ کیطرف منہ کر کے نماز کیوں پڑھتے

ع ۱

سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰهُمْ عَنْ

عنقریب کہیں گے بے وقوف لوگ کہ کس چیز نے پھیر دیا ان کو ان کے جس قبلہ سے جس

قِبْلَتِهِمُ الَّتِيْ كَانُوْا عَلَيْهَا ۭ قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ

پر پہلے تھے فرما دیجئے کہ اللہ کے لئے مشرق و مغرب ہے۔

وَالْمَغْرِبُ ۭ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ اِلٰى صِرَاطٍ

ہدایت فرماتا ہے جسے چاہے طرف راہ راست

مُّسْتَقِيْمٍ ۝۱۴۲ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا

کیے۔ اور اسی طرح بنایا ہم نے تم کو امت بہتر

لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَاۗءَ عَلَي النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ

تاکہ ہو جاؤ گواہ یا حجت لوگوں پر اور ہو

عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ۭ وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِيْ كُنْتَ عَلَيْهَا

تم پر گواہ یا حجت اور نہیں بنایا تھا ہم نے وہ قبلہ جس پر آپ پہلے ثابت تھے

اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰي عَقِبَيْهِ

مگر اس لئے کہ جان لیں کہ کون اتباع کرتا ہے رسول کی اور کون پھر جاتا ہے

وَاِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً اِلَّا عَلَي الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ ۭ وَمَا

تحقیق یہ بڑا بوجھ ہے مگر ان لوگوں پر جن کو ہدایت اللہ نے

كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ

نہ تھا اللہ کہ ضائع فرماتا تمہاری سابقہ نمازیں تحقیق اللہ لوگوں پر شفیق و مہربان ہے

یا یہ کہ اب کعبہ کی طرف منہ کرنے کا حکم بالکل پکا اور ناقابل تنسیخ ہے تم جہاں بھی ہو اب کعبہ کی طرف منہ کر کے ہی نماز پڑھنا اور بیت المقدس کی طرف منہ نہ کرنا ورنہ یہودی پھر حجت کریں گے کہ دیکھو ہمارا قبلہ درست تھا۔ بہرکیف یہودیوں کی حجت کو ختم کرنا مقصود ہے جو ان میں سے منصف مزاج ہوں گے وہ تو اب لب کشائی نہ کریں گے لیکن جو ظالم اور کج رو ہیں ان کی زبان بند نہ ہوگی۔

وَلِأُتِمَّ نِعْمَتِي مسلمانوں پر اپنی اس نعمت کا اتمام مقصود تھا جس طرح رسولؐ کو انہی میں سے مبعوث فرمایا اسی طرح قبلہ بھی کعبہ کو قرار دیا ہے جس سے یہ مانوس تھے۔

وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ:۔ تیسری وجہ یہ بیان فرمائی کہ تاکہ تم ہدایت یافتہ ہو جاؤ یعنی غرض پرست اور خدا پرست چونکہ حکم خدا کی مخالفت اور موافقت سے پہچانے جاتے ہیں۔ لہٰذا تحویل قبلہ کا حکم ہوا تاکہ مومن (خدا پرست) اور اغراض پرست الگ الگ ہو جائیں۔ پس قبلہ کا یہ ردّ و بدل مومنین کی ثابت قدمی کے لئے ایک امتحانی مرحلہ تھا جس میں کامیاب ہونے والے ہی ہدایت یافتہ تھے۔

كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ الخ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو دعا مانگی تھی خداوند کریم نے اس کو قبول فرمایا تھا۔ پس حضرت ابراہیمؑ کی دعا میں جو کلمات تھے خداوند کریم نے اس آیت میں وہی ذکر فرمائے کہ میں نے تم میں بمطابق دعائے ابراہیمؑ تم میں سے ہی رسول بھیجا جو تمہارے سامنے ہماری آیات کو پڑھتا ہے اور تم کو بدعادتوں سے پاک کرتا ہے اور تم کو علوم قرآن اور احکام شریعت کی تعلیم دیتا ہے اور ایسی نیک اور اچھی باتیں تمہیں بتلاتا ہے جن کو تم نہیں جانتے تھے۔

اس آیت مجیدہ میں ظاہری اعتبار سے گو حضرتؐ کی بعثت کا اُمتِ اسلامیہ پر احسان جتلایا گیا ہے لیکن کنایہ کے طور پر اہل کتاب کو دعوتِ فکر دی گئی ہے کہ دیکھو جس نبی کے لئے تمہارے جدِ اعلیٰ حضرت ابراہیمؑ نے دعا طلب کی تھی یہ رسولؐ وہی رسولؐ ہے لہٰذا تمہارا فرض ہے کہ اپنے جدِ اعلیٰ کی روح کو خوش کرنے کے لئے اس رسول کی اطاعت میں داخل ہو جاؤ اور اس کی تعلیم سے بہرہ ور ہو کر علوم قرآنیہ سے اپنی کدورتیں دور کرو دنیا و عقبیٰ کی نعمتِ خداوندی کا استحقاق اپنے میں پیدا کرو۔

فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ:۔ ان نعمات کے ذکر کرنے کے بعد خداوند کریم اپنی اطاعت کی طرف متوجہ فرماتا ہے۔ اس کی تفسیر میں علامہ طبرسیؒ نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ جناب رسولِ خدا نے فرمایا کہ فرشتہ انسان کے عمل لکھنے کے لئے ابتدائے دن میں نازل ہوتا ہے اور ابتدائے شب میں بھی

اور خواہش نفس کے پیچھے چلنے والے جدا ہو جائیں اگرچہ بات بڑی گراں اور بھاری تھی لیکن جن پر اللہ کی مہربانی ہو اور اس کی ہدایت و توفیق شامل حال ہو تو کوئی بڑی بات نہیں تھی پس معلوم ہوا کہ خدا اپنی عبادت انسان کی مرضی کے خلاف چاہتا ہے تاکہ مخالفتِ خواہش میں اس کا اطاعت گذار ہونا معلوم ہو۔ (مرادی ترجمہ)

(۴) وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيعَ اِيْمَانَكُمْ۔ تفسیر عمدۃ البیان میں ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ مسلمانوں کو ورغلانے اور گمراہ کرنے کے لئے یہودیوں نے مسلمانوں کے دلوں میں یہ شکوک پیدا کرنے شروع کئے تھے کہ تمہاری گذشتہ نمازیں اب ضائع ہو گئیں کیونکہ وہ قبلہ تمہارا درست نہ تھا اور مولوی اشرف علی تھانوی کے ترجمہ پر بھی نے ذکر کیا ہے کہ حق یہ، اخطب یہودی مسلمانوں میں اس قسم کے مکروہ پروپیگنڈے کرتا پھرتا تھا تو خدا تعالیٰ نے ان کے اس اعتراض کا جواب دیا ہے کہ تمہاری گذشتہ نمازیں خدا ضائع نہیں کرتا اپنے وقت میں وہ قبلہ بھی درست تھا کیونکہ مصلحت خداوندی کا تقاضہ وہی تھا اور اب مصلحتِ ایزدی اس قبلہ میں ہے لہذا اب یہ درست ہے۔ وہ نمازیں بھی درست تھیں اور یہ بھی صحیح ہوں گی

تفسیر صیاشی سے مروی ہے کہ جب تحویل قبلہ کا حکم ہوا تو مسلمانوں نے جناب رسولِ خدا سے دریافت کیا کہ ہماری گذشتہ نمازیں ضائع تو نہیں یا جو ہمارے مسلمان بھی اس زمانہ میں انتقال کر گئے ان کو تو کوئی کمی نہ ہوگی بس یہ آیت نازل ہوئی کہ خدا تمہارے ایمان ضائع نہیں کرتا یعنی نماز کو اس آیت میں خدا نے ایمان کہا ہے۔

تفسیر برہان میں امام حسن عسکری علیہ السلام سے مروی ہے جس کا مختصر مطلب یہ ہے کہ جب تک جناب رسالتمآب مکہ میں قیام پذیر رہے تو ان کو بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز قائم کرنے کا حکم تھا۔ اور مکہ میں نماز اس طرح پڑھتے تھے کہ بیت المقدس بھی منہ ہوتا تھا اور بیت المقدس کی طرف بھی منہ ہوتا تھا یعنی نماز کے وقت کعبہ کو بیت المقدس اور اپنے درمیان رکھتے تھے اور جب یہ صورت میسر نہ آ سکتی تھی تو بیت المقدس کی طرف منہ کیا کرتے تھے اور تیرہ سال کی مکہ کی زندگی میں یہی طرز عمل رہا پھر جب مدینہ میں نزولِ اجلال فرمایا تو ۱۶ ماہ یا ۱۷ ماہ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی پس یہودیوں نے اعتراضات شروع کر دیئے کہ عجیب بات ہے کہ محمدؐ کو یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ ہمارے قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھا کرتا تھا۔ آپ پر یہ بات شاق گذری اور تحویل قبلہ کے لئے دعا مانگی اور اللہ نے اس

شرف قبولیت بخشا چنانچہ کعبہ کو قبلہ قرار دینے کا حکم نازل ہوا یہودیوں نے پھر اعتراض کرنا شروع کیا کہ اب تک آپ نے ہمارے قبلہ کی طرف نماز پڑھی اور اب کعبہ کی طرف منہ کر رہے ہو۔ اگر وہ حق تھا تو اسے ترک کیوں کیا اور اگر یہ حق ہے۔ تو پہلے غلطی کیوں کی؟ جواب میں ارشاد ہوا۔ کہ مشرق و مغرب اللہ کے لئے ہے۔ لہٰذا اس پر اعتراض کرنا بیوقوفی ہے۔ وہ اپنے اوامر کی مصلحتوں کو خود بہتر جانتا ہے۔ لہٰذا تمہیں اس پر نکتہ چینی کا کوئی حق نہیں۔ جناب رسالتمآب نے یہودیوں کو الزامی جواب بھی دیا۔ وہ یہ کہ آپ نے فرمایا۔ کہ تم کو خدا نے مچھلی کے شکار سے سنیچر کے دن منع فرمایا۔ اور باقی ایام میں تمہارے لئے جائز قرار دیا۔ اگر مچھلی کا شکار جائز تھا۔ تو سنیچر کے دن کو منع کیوں کیا۔ اور ناجائز تھا تو باقی ایام میں روا کیوں رکھا؟ انہوں نے کہا کہ دونوں حکم جائز اور تابع مصلحت خداوندی تھے۔ سنیچر کے دن ناجائز ہونا بھی درست ہے۔ اور باقی ایام میں جائز ہونا بھی صحیح ہے۔ پس آپ نے فرمایا۔ تحویل قبلہ کی بھی یہی صورت ہے۔ کہ اپنے وقت میں وہ بھی صحیح تھا۔ اور اب یہ بھی صحیح ہے اور صلوت خدا کے تابع ہے۔ اس کے بعد اُن کے دیگر شکوک کا جواب دینے کے بعد آپ نے فرمایا۔ اے اللہ کے بندے تم بیمار کی حیثیت سے ہو۔ اور اللہ طبیب کی حیثیت سے ہے۔ تمہیں شفا یابی کی ضرورت ہے خواہ طبیب علاج کا جو طریقہ بھی اختیار کرے۔ اور بیمار کی شفا یابی ہمیشہ طبیب کی منشاء کے مطابق علاج کرنے سے ہوتی ہے۔ نہ کہ مریض کی رائے سے پس اللہ کے حکم کو تسلیم کرو۔ اسی میں ہی فائدہ ہے۔

اُمّتِ وَسَط۔ اہلِ بیت عصمت سے روایاتِ متواترہ اس بارہ میں منقول ہیں۔ کہ اُمتِ وسط سے مراد ائمہ اہلِ بیتؑ ہیں۔ حضرت صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ نَحْنُ الْاُمَّةُ الْوُسْطٰى وَنَحْنُ شُهَدَآءُ اللّٰهِ عَلٰى خَلْقِهٖ وَحُجَّتُهٗ فِيْ اَرْضِهٖ (ہم اُمتِ وسطیٰ ہیں۔ ہم اللہ کی طرف سے لوگوں پر گواہ ہیں۔ اور ہم حجت اللہ ہیں۔ تفسیر برہان میں اس مضمون کی دس روائتیں منقول ہیں۔ ایک روایت میں فرماتے ہیں۔ کہ لوگوں کا خیال ہے کہ سب اہلِ قبلہ (مسلمان) اس آیت کے مصداق ہیں لیکن تعجب کی بات ہے۔ کہ جس شخص کی دنیا میں کھجور کے ایک صاع کے متعلق شہادت قابلِ قبول نہیں ہوتی۔ کیا قیامت کے دن خدا اس کی شہادت لے گا۔ اور گذشتہ امتوں کے روبرو اُس کی گواہی کو شرفِ قبولیت بخشے گا۔ ہرگز ہرگز خدا نے اس آیت میں امتِ وسط کی لفظ سے تمام امتِ اسلامیہ مراد نہیں لی۔ بلکہ اس امت سے وہی امت مراد ہے جس کے متعلق حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا فرمائی تھی۔ (رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ) اور اسی اُمت کے متعلق خدا فرماتا ہے۔ (كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ) پ۴

اوران ہر دو آیتوں کی تفسیر میں ائمہ اہلبیتؑ سے مروی ہے۔ کہ اُمَّةً مُّسْلِمَةً سے مراد بھی آلِ محمدؐ ہیں۔ اور خیر امت بھی آلِ محمدؐ ہیں۔

اس میں تو کوئی شک و شبہ نہیں۔ کہ ہجرت کے بعد کچھ عرصہ تک بیت المقدس قبلہ رہا۔ لیکن وہ کتنی مدت تھی۔ اس میں اختلاف ہے۔ جس طرح تفسیر مجمع البیان میں منقول ہے۔ بقولِ ابنِ عباس ۱۷ ماہ یعنی ایک سال پانچ مہینے اور بروایت براء بن عازب ایک سال چار مہینے یا پانچ مہینے اور بقول انس بن مالک ۹ یا ۱۰ ماہ اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے ۱۶ ماہ مروی ہیں۔

قد نریٰ علامہ طبرسی نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے۔ کہ جب یہود نے آنحضرتؐ پر طعنہ زنی کی۔ تو آپ بہت رنجیدہ خاطر ہوئے اور رات کو گھر سے باہر تشریف لاکر امرِ خدا کی انتظار میں آسمان کی طرف دیکھتے رہے۔ جب صبح ہوئی۔ اور نماز ظہر کا وقت آیا۔ آپ بنی سالم کی مسجد میں نماز ظہر کی دو رکعت ادا فرما چکے تھے۔ تو جبرئیلؑ نازل ہوا۔ اور آپ کے بازوؤں سے پکڑ کر آپ کو کعبہ کی

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ
ہم دیکھتے ہیں آپ کے چہرے کا پلٹنا آسمان کی طرف پس ضرور ہم پھیر دیں آپکو
قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ۪ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ
قبلہ کیطرف جس پر آپ خوش ہیں۔ پس پھیر دو اپنے منہ کو طرف مسجد الحرام کے
وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ؕ وَاِنَّ الَّذِيْنَ
اور (اے مومنین) تم جہاں بھی ہو پس پھیر دو اپنے مونہوں کو طرف اس کے اور بیشک وہ لوگ
اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ؕ وَمَا
جن کو کتاب دی گئی ہے البتہ جانتے ہیں کہ یہ حق ہے ان کے رب کی طرف سے اور خدا
اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ۝۱۴۴ وَلَئِنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ
غافل نہیں اُن کے عمل سے اور اگر آپ لائیں ان لوگوں کے
اُوْتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰيَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِتَابِعٍ
سامنے جن کو کتاب دی گئی ہے۔ ہر قسم کی دلیلیں تب بھی وہ نہ مانیں گے تیرے قبلہ
قِبْلَتَهُمْ ۚ وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ
کو اور نہ آپ اتباع کر سکتے ہیں اُن کے قبلہ کی اور نہ وہ ایک دوسرے کے قبلہ کو قبول کرتے ہیں
اَهْوَآءَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ
اور اگر آپ اتباع کریں انکی خواہشات کی بعد علم ہو جانیکے تو بیشک آپ بھی ظلم کرنیوالوں سے

الظّٰلِمِيْنَ ۝ ۱۴۵ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا	
ہو جائیں گے۔ جن کو ہم نے کتاب دی ہے۔ وہ اس کو پہچانتے ہیں۔ جس طرح	
يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ؕ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ	
اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔ اور تحقیق ایک گروہ ان سے البتہ حق کو جان بوجھ کر چھپاتا ہے ۱۴۶	
يَعْلَمُوْنَ ۝ ۱۴۶ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ۝	
ہے۔ حق تیرے رب کی طرف سے ہے۔ پس آپکو ہرگز شک کرنے والوں میں سے نہ ہونا چاہیے۔	

طرف پھیر دیا۔ اور یہی آیت اتری۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ تحویل قبلہ کے لئے آپ کو اس قدر انتظار کیوں تھا۔ کہ رات کو گھر سے باہر نکل کر آسمان کی طرف دیکھتے اور وحی کی انتظار فرماتے تھے۔ تو اس کے کئی وجوہ بیان کی گئی ہیں۔

(۱) خدا کا وعدہ تھا کہ آپ کا قبلہ بیت المقدس سے تبدیل کر کے خانہ کعبہ کو قرار دیا جائے گا۔ لہٰذا آپ منتظر تھے۔

(۲) ابن عباس سے مروی ہے۔ کعبہ حضرت ابراہیمؑ و دیگر آپ کے آباء طاہرینؑ کا قبلہ تھا۔ اس لئے آپؐ کو اس سے محبت تھی۔ اور خواہش تھی۔ کہ ہمارا قبلہ بھی وہی ہو۔

(۳) یہود کی طعنہ زنی حد سے بڑھ چکی تھی۔

(۴) چونکہ عرب اقوام کو کعبہ سے انس تھا۔ اس لئے کعبہ کے قبلہ ہونے کی خواہش تھی۔ تاکہ عرب قومیں زیادہ سے زیادہ دین اسلام میں داخل ہو سکیں۔ اور علامہ طبرسی نے احتمال کی صورت میں فیصلہ فرمایا ہے۔ کہ ممکن ہے یہ سب صورتیں ملحوظ خاطر ہوں۔ کیونکہ ان وجوہ میں تنافی کوئی نہیں۔

تفسیر برہان میں مروی ہے۔ کہ بنی عبدالاشہل اپنی مسجد میں دو رکعت نماز بیت المقدس کی طرف پڑھ چکے تھے۔ تو ان کو کہا گیا۔ کہ تمہارے نبی نے کعبہ کو قبلہ بنا لیا ہے۔ پس انہوں نے فوراً کعبہ کی طرف منہ پھیر لیا۔ پہلے مرد آگے تھے۔ اور عورتیں پیچھے تھیں۔ اس تبدیلی کی وجہ سے معاملہ برعکس ہو گیا۔ اور باقی دو رکعتیں انہوں نے کعبہ کی طرف منہ کر کے پڑھیں اور ان کی ایک نماز دو قبلوں کی طرف ادا ہوئی۔ لہٰذا ان کی مسجد کو مسجد القبلتین کہا جاتا ہے۔

وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ الخ ان سے مراد علمائے یہود و نصاریٰ ہیں۔ انہیں یہ معلوم تھا۔ کہ قبلہ کی تبدیلی کا حکم اللہ کی جانب سے ہی ہے۔ باوجود اس کے پھر بھی اعتراض کرتے تھے۔ علامہ طبرسیؒ نے بیان فرمایا ہے۔ کہ ان کو اس لئے معلوم تھا۔ کہ انبیاء سابقین کی بشارت بھی تھی۔ کہ آنے والے نبی کی صفات فلاں فلاں ہوں گی۔ اور منجملہ اُن کی صفات کے ایک یہ بھی ہے۔ کہ وہ دو قبلوں کی طرف نماز پڑھے گا۔

وَلَئِنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ الخ جناب رسالتمآبؐ کو ان کے قلبی رجحانات سے آگاہی دی گئی ہے۔ کہ وہ عناد میں اس حد تک پہنچ گئے ہیں۔ کہ حق بات کو قبول کرتے ہی نہیں۔ اُن کے اعتراضات حق کی تلاش کے لیے نہیں۔ بلکہ صرف عناد ہی عناد ہے اگر آپ دلائل و براہین کے ڈھیر لگا دیں۔ تب بھی وہ ماننے کے نہیں۔ اور نہ اب آپ کو ان کے قبلہ کی طرف منہ کرنے کی اجازت ہے کیونکہ پہلا حکم منسوخ ہو چکا ہے۔ اور یہ حکم منسوخ نہ ہوگا۔ اور اہلِ کتاب کے درمیان بھی قبلہ میں اختلاف ہے وہ بھی ایک دوسرے کے قبلہ کی طرف نہیں جھکتے۔ مجمع البیان میں بیان کیا گیا ہے۔ کہ نصاریٰ مشرق کی طرف منہ کرتے تھے جس طرف حضرت عیسیٰؑ کی جائے ولادت تھی اور یہودی بیت المقدس کی طرف منہ کیا کرتے تھے۔

وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ۔ ظاہراً خطاب جناب رسالتمآبؐ کی طرف ہے اور مراد تمام امتِ اسلامیہ ہے۔

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ۔ یعنی جناب رسالتمآبؐ کی جو اوصاف گذشتہ کتابوں میں مذکور تھیں۔ اُن کی وجہ سے اہل کتاب کو جنابِ محمد مصطفیٰؐ کے برحق نبی ہونے کا اس طرح علم تھا جس طرح کہ ہر شخص اپنی اولاد کا علم رکھتا ہے لیکن باوجود علم ہونے کے اُن کے علماء عوام سے یہ بات چھپاتے تھے۔ پس خداوند کریم نے اسی وجہ سے ان کی مذمت فرمائی ہے۔

اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ۔ یہ خطاب بھی ظاہراً جناب رسالتمآبؐ کی طرف ہے۔ اور مراد تمام اُمت ہے۔

واللہ اعلم

maablib.org

احادیث ظہورِ قائمِ آلِ محمدؐ

رَدِّ کُلِّ وِجْهَةٌ الخ اس آیت کے متعدد معنے کئے گئے ہیں۔ ایک وہ جو زیر آیت موجود ہے (۲) وِجْهَةٌ کا معنی طریقہ یعنی ہر نبی اور صاحب ملت کے لئے ایک ہی طریقہ ہے۔ جس پر وہ عامل رہا ہے۔ اور وہ طریقہ اسلام ہے۔ اگرچہ وقتی مصالح کے لحاظ سے جزوی احکام میں فرق رہا ہے۔ (۳) هُوَ کی ضمیر کا مرجع ذاتِ خدا ہو یعنی ہر قوم کے لئے اپنا اپنا قبلہ ہے۔ لیکن خداوند کریم کے نزدیک اب باقی ادیان کو دین اسلام نے ختم کر دیا ہے لہٰذا خدا سب کو کعبہ کی طرف ہی رُخ کرنے کا حکم دیتا ہے۔ (۴) وِجْهَةٌ کا معنی جہت۔ یعنی ہر شخص اپنے اپنے مقام پر ایک نہ ایک جہت میں ہے۔ کوئی مشرق میں ہے کوئی مغرب میں کوئی شمال میں کوئی جنوب میں۔ لیکن خدا سب جہات والوں کو نماز میں کعبہ کی طرف منہ کرنے کا حکم دیتا ہے۔

وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ ۚ أَيْنَ مَا
اور ہر صاحب ملت کیلئے ایک قبلہ ہے جس کی طرف وہ منہ کرتا ہے پس نیکیوں کی طرف بڑھو تم جہاں
تَكُونُوا يَأْتِ بِكُمُ اللَّهُ جَمِيعًا ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿١٤٨﴾
ہو گے سب کو خدا جمع کر لیگا بلاشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور
وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ
جہاں سے آپ باہر نکلیں (اسی جگہ سے) پس پھیر دیں اپنا رُخ طرف مسجد الحرام کے ۱۴۹
الْحَرَامِ ۖ وَإِنَّهُ لَلْحَقُّ مِن رَّبِّكَ ۗ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿١٤٩﴾
اور تحقیق یہ حکم حق ہے تیرے رب کیطرف سے اور خدا تمہارے اعمال سے غافل نہیں ہے۔

أَيْنَ مَا تَكُونُوا الخ اس کا ایک معنی تو یہ ہے۔ کہ تم جس جگہ بھی ہو۔ بروز محشر خدا سب کو یکجا کر دے گا۔ لیکن تفسیر اہلِ بیت میں ہے۔ کہ یہ آیت حضرت قائم آلِ محمدؐ کے ساتھ مختص ہے۔ چنانچہ مجمع البیان میں امام رضا علیہ السلام سے مروی ہے۔ کہ جب حضرت قائمؑ کا ظہور ہو گا۔ تو خدا ہر گوشۂ دنیا سے ہمارے شیعوں کو اُن کی طرف جمع کر دے گا۔ اور ہو سکتا ہے۔ کہ ظاہر کے لحاظ سے پہلا معنی مراد ہو۔ اور باطن کے اعتبار سے دوسرا معنی مراد ہو۔

لہٰذا کوئی منافات نہیں ہے۔

تفسیر برہان۔ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام اور امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ حضرت قائمؑ کے اصحاب رات کو اپنے بستر پہ سوئیں گے اور صبح کو مکہ میں موجود ہوں گے۔ چنانچہ یہ آیت اسی چیز پہ دلالت کرتی ہے۔ اَیْنَ مَا تَکُوْنُوْا یَاْتِ بِکُمُ اللّٰہُ جَمِیْعًا

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ حضرت قائمؑ کی ندا سے تین سو تیرہ آدمی فوراً آپ کے پاس پہنچ جائیں گے اور یہ لوگ ان کی فوج کے علمبردار یعنی نشانچی ہوں گے ان میں بعض رات کو گھر سوئیں گے اور صبح کو ان کی بارگاہِ اقدس میں حاضر ہوں گے اور بعض دن کو بادل میں سوار ہو کر حاضر خدمت ہوں گے حضرت قائمؑ ان کے ناموں سے مع ولدیت کے واقف ہوں گے اور ان کا حسب و نسب بھی جانتے ہوں گے۔ پھر آپ نے مذکورہ بالا آیت پڑھی۔

بروایت جابر جعفی حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ اصحاب قائمؑ جو تیرہ ہیں آپ کے پاس بادل کے ٹکڑوں کی طرح فوراً ادھر ادھر سے جمع ہو جائیں گے اور رکن و مقام کے درمیان (بیعت اللہ) میں آپ کی بیعت کریں گے آنجنابؑ کے پاس جناب رسالتمآبؐ کا عہد نامہ ہوگا جو ورثہ میں آپ کو پہنچا ہوگا۔ آپ نے بھی وہی آیت پڑھی یعنی اَیْنَ مَا تَکُوْنُوْا الخ

بروایت ابوخالد کابلی حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ پہلے پہل حضرت جبرئیلؑ آپ کی بیعت کریں گے اور اس کے بعد ۳۱۳ آپ کے اصحاب بیعت کریں گے۔ اور فَاسْتَبِقُوا الْخَیْرَاتِ کی تفسیر میں آپ نے فرمایا کہ اس سے مراد ولایت اہلبیتؑ ہے۔

بروایت ابوبصیر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ حضرت قائم علیہ السلام کے اصحاب جب ایک دوسرے سے ملیں گے تو ایسا معلوم ہوگا کہ سب ایک ماں باپ کے فرزند ہیں جو رات کو ایک دوسرے سے جدا ہو کر صبح کو ملاقات کر رہے ہیں اور آپ نے فرمایا کہ آیت مذکورہ کی تاویل یہی ہے اور فرمایا کہ حضرت قائمؑ ان کے شکموں اور پشتوں پر دستِ شفقت پھیریں گے جس سے وہ عالم ہو جائیں گے اور آپ کے دورِ سعادت میں پھر وہی نجیب، قاضیٔ دین، حاکم وقت اور فقیہ ہوں گے۔

بحوالہ احتجاج حضرت شہزادہ عبدالعظیم حسنی سے مروی ہے کہ حضرت امام محمد تقی علیہ السلام نے فرمایا کہ ہم میں سے ہر ایک قائم ہے لیکن وہ قائم جس کی بدولت خدا زمین کو کفر و انکار سے پاک کرے گا اور عدل و انصاف

سے پُر کرے گا اس کی ولادت لوگوں پر مخفی ہوگی وہ خود غائب ہوں گے حتّٰی کہ ان کا نام لینا بھی درست نہ ہوگا! انکا نام مبارک حضرت رسولؐ خدا کا نام ہوگا اور ان کی کنیت بھی وہی ہوگی جو رسولِ خداؐ کی تھی۔ ان کے لئے زمین لپیٹ جائے گی اور ہر سخت ان کے سامنے نرم ہو جائے گا۔ اہل بدر کی تعداد میں ان کے صحابہ ہوں گے جو اطراف زمین سے ان کے پاس جمع ہوں گے اور خدا کا قول اَیْنَ مَا تَکُوْنُوْا الخ انہی پر صادق ہے۔ جب یہ تعداد جمع ہو جائے گی تو وہ ظہور فرمائیں گے اور جب تعداد دس ہزار تک پہنچے گی تو آپ باذنِ خدا مصروفِ جہاد ہوں گے۔ اور دشمنانِ خدا کو تہِ تیغ کریں گے۔ الخبر

اس مقام پر احادیث کثرت سے وارد ہیں۔ میں نے اختصار کے پیش نظر ترک کر دی ہیں۔

اقول: حضرت قائم آلِ محمدؐ کے نام لینے کی ممانعت وارد ہے یا تو اس زمانہ کے اعتبار سے ہے جس زمانہ میں آپ غائب ہوئے تھے اور یہ غیبت کے معاملہ کی تاکید کے لئے ہے کیونکہ اس زمانہ میں آپ کا نام لینا ان کے راز کو فاش کرنے کے مترادف تھا اور پھر اس حکم کو مصلحتاً عام کر دیا گیا اور ممکن ہے نام لینے کی ممانعت سے اس میں ان کا کمال احترام مقصود ہو کیونکہ جس کا احترام مقصود ہوتا ہے اس کو اس کے نام سے بلانا یا دینا اس کا نام لینا خلاف ادب قرار دیا جاتا ہے بلکہ محترم ہستیوں کو ہمیشہ القاب سے یاد کیا جاتا ہے۔ اسی طرح حضرت حجتؑ کو نام لینے کی بجائے ان کے لقب سے یاد کرنا چاہیئے مثلاً ولی العصر صاحب الزمان حضرت حجتؑ یا قائم آلِ محمدؐ وغیرہ۔ واللہ اعلم

دعائے ظہور حضرت حجت علیہ السلام

اَللّٰھُمَّ کُنْ لِوَلِیِّکَ الْحُجَّۃِ ابْنِ الْحَسَنِ صَلَوَاتُکَ عَلَیْہِ وَعَلٰی آبَائِہٖ فِیْ ھٰذِہِ السَّاعَۃِ وَفِیْ کُلِّ سَاعَۃٍ وَلِیًّا وَّنَاصِرًا وَّدَلِیْلًا وَّعَیْنًا حَتّٰی تُسْکِنَہٗ اَرْضَکَ طَوْعًا وَّتُمَتِّعَہٗ فِیْھَا طَوِیْلًا۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ

اور آپ جہاں باہر تشریف لے جائیں (اسی مقام سے) اپنا منہ مسجد الحرام کی طرف پھیر

الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۖ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا

دیں اور اے (مسلمانو) تم جہاں بھی ہو

وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ ۙ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ

پس پھیر دو اپنا منہ طرف اس کے تاکہ نہ باقی رہے لوگوں کی تمہارے

حُجَّةٌ إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ

اوپر کوئی حجت سوائے ان لوگوں کے جو ان میں ظالم ہیں پس نہ ڈرو ان سے اور

وَاخْشَوْنِي وَلِأُتِمَّ نِعْمَتِي عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ

مجھ سے ہی ڈرو اور تاکہ پورا کروں میں اپنی نعمت تم پر اور تاکہ تم

تَهْتَدُونَ ﴿١٥٠﴾ كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِنْكُمْ

ہدایت پاجاؤ جس طرح ہم نے تم میں تمہاری قوم سے رسول بھیجا جو

يَتْلُو عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ

تلاوت کرتا ہے تمہارے اوپر ہماری آیات کی اور تمہیں پاک کرتا ہے اور تمہیں کتاب

وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ﴿١٥١﴾

حکمت سکھاتا ہے اور تمہیں وہ باتیں سکھاتا ہے جن کو تم نہیں جانتے تھے

فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ ﴿١٥٢﴾

پس مجھے یاد کرو تم تاکہ میں یاد کروں تمکو اور میرا شکر ادا کرو اور میری نعمات کا کفران نہ کرو

وَمِنْ حَيْثُ الخ

اس حکم کو دوبارہ ذکر کیا ہے کیونکہ پہلے بیت المقدس کی طرف منہ کرنے کا حکم تھا اور وہ حکم اب منسوخ ہوگیا لہٰذا مسلمانوں کے ذہنوں میں اس حکم کو راسخ کرنے کے لئے تاکید کی گئی اور نیز پہلی آیت میں صرف قبلہ کی طرف منہ پھیرنے اور سابق حکم کے منسوخ کرنے کے وجوہات بیان کئے گئے لہٰذا یہاں حکم دہرایا گیا۔ پھر وجوہات بیان کئے گئے لہٰذا بعضوں نے کہا ہے کہ پہلی آیت میں حضر کا حکم ہے اور دوسری آیت میں سفر کا حکم ہے۔

تحویل قبلہ کی تین وجہیں خداوند کریم نے اس آیت مجیدہ میں ذکر فرمائی ہیں۔

(۱) لِئَلَّا يَكُونَ تاکہ لوگوں کی تم پر حجت باقی نہ رہے اور وہ یہ کہ یہودی جانتے تھے کہ آخر الزمان پیغمبر کی نماز دو قبلوں کی طرف ہوگی۔ اگر مسلمان ہمیشہ بیت المقدس کی طرف نماز پڑھتے رہیں اور کعبہ کی طرف منہ نہ کریں تو وہ کہہ دیں گے کہ یہ وہ نبی نہیں جس کی تورات نے خبر دی ہے کیونکہ وہ نبی تو قبلتین کی طرف نماز پڑھے گا۔

یا یہ کہ اب کعبہ کی طرف منہ کرنے کا حکم بالکل پکّا اور ناقابل تنسیخ ہے تم جہاں بھی ہو اب کعبہ کی طرف منہ کر کے ہی نماز پڑھنا اور بیت المقدس کی طرف منہ نہ کرنا ورنہ یہودی پھر حجت کریں گے کہ دیکھو ہمارا قبلہ درست تھا۔ بہرکیف یہودیوں کی حجت کو ختم کرنا مقصود ہے جو ان میں سے منصف مزاج ہوں گے وہ تو اب لب کشائی نہ کریں گے لیکن جو ظالم اور کج رَو ہیں ان کی زبان بند نہ ہوگی۔

وَلِأُتِمَّ نِعْمَتِي مسلمانوں پر اپنی اس نعمت کا اتمام مقصود تھا جس طرح رسولؐ کو انہی میں سے مبعوث فرمایا اسی طرح قبلہ بھی کعبہ کو قرار دیا ہے جس سے یہ مانوس تھے۔

وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ: تیسری وجہ یہ بیان فرمائی کہ تاکہ تم ہدایت یافتہ ہو جاؤ یعنی غرض پرست اور خدا پرست چونکہ حکم خدا کی مخالفت اور موافقت سے پہچانے جاتے ہیں۔ لہٰذا تحویل قبلہ کا حکم ہوا تاکہ مومن (خدا پرست) اور اغراض پرست الگ الگ ہو جائیں۔ پس قبلہ کا یہ ردّ و بدل مومنین کی ثابت قدمی کے لئے ایک امتحانی مرحلہ تھا جس میں کامیاب ہونے والے ہی ہدایت یافتہ تھے۔

كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ الخ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو دعا مانگی تھی خداوند کریم نے اس کو قبول فرمایا تھا۔ پس حضرت ابراہیمؑ کی دعا میں جو کلمات تھے خداوند کریم نے اس آیت میں وہی ذکر فرمائے کہ میں نے تم میں بمطابق دعائے ابراہیمؑ تم میں سے ہی رسول بھیجا جو تمہارے سامنے ہماری آیات کو پڑھتا ہے اور تم کو بدعادتوں سے پاک کرتا ہے اور تم کو علومِ قرآن اور احکام شریعت کی تعلیم دیتا ہے اور ایسی نیک اور اچھی باتیں تمہیں بتلاتا ہے جن کو تم نہیں جانتے تھے۔

اس آیت مجیدہ میں ظاہری اعتبار سے گو حضرتؐ کی بعثت کا اُمتِ اسلامیہ پر احسان جتلایا گیا ہے لیکن کنایہ کے طور پر اہل کتاب کو دعوتِ فکر دی گئی ہے کہ دیکھو جس نبی کے لئے تمہارے جدِ اعلیٰ حضرت ابراہیمؑ نے دعا طلب کی تھی یہ رسولؐ وہی رسولؐ ہے لہٰذا تمہارا فرض ہے کہ اپنے جدِ اعلیٰ کی روح کو خوش کرنے کے لئے اس رسول کی اطاعت میں داخل ہو جاؤ اور اس کی تعلیم سے بہرہ ور ہو کر علوم قرآنیہ سے اپنی کدورتیں دُور کرو دُنیا و عقبیٰ کی نعماتِ خداوندی کا استحقاق اپنے میں پیدا کرو۔

فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ۔ ان نعمات کے ذکر کرنے کے بعد خداوند کریم اپنی اطاعت کی طرف متوجہ فرماتا ہے۔ اس کی تفسیر میں علامہ طبرسیؒ نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا کہ فرشتہ انسان کے عمل لکھنے کے لئے ابتدائے دن میں نازل ہوتا ہے اور ابتدائے شب میں بھی

اترتا ہے۔ پس ان دونوں وقتوں میں اس کو اپنی نیکیاں ہی لکھواؤ تاکہ درمیان کے گناہ تمہارے خدا بخش دے اگر چاہے کیوں کہ وہ فرماتا ہے تم مجھے یاد کرو اور میں تمہیں یاد کروں۔

تفسیر برہان میں امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ تسبیح فاطمہ اللہ کا ذکر کثیر ہے جس کی تعریف خدا فرماتا ہے۔ فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ

شہداء کی زندگی

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا۔ تفسیر برہان میں بطریق مخالفین بروایت موفق بن احمد ابن عباس سے منقول ہے کہ جناب رسالتمآب نے فرمایا کہ قرآن مجید میں جس جگہ آیت کی ابتدا يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا سے ہے تو اس کا رئیس و امیر حضرت علیؑ ہیں۔ ایک اور روایت میں ہے کہ اس کا شریف و امیر حضرتؑ علیؑ ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فضیل کو فرمایا کہ جس جگہ تمہاری ہمارے موالیان سے ملاقات ہو ان کو

اع ۱۳	يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ
	اے ایمان والو۔ مدد طلب کرو (اللہ سے) ساتھ صبر اور نماز کے تحقیق اللہ
	إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ ﴿۱۵۳﴾ وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ
	ساتھ صابرین کے ہے۔ اور نہ کہو ان کو جو اللہ کی راہ میں قتل
	فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ ۚ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَٰكِن لَّا تَشْعُرُونَ
	کئے جائیں مردہ بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تم نہیں جانتے
	وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ
	اور ہم ضرور آزمائیں گے تم کو کسی قدر خوف سے اور بھوک سے اور نقصان کی کمی
	الْأَمْوَالِ وَالْأَنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ ۗ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ
	سے اور نفسوں کی کمی سے اور پھلوں کی کمی سے) اور خوشخبری دو صبر کرنے والوں کو
	الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُم مُّصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا
	جن پر جب مصیبت آئے کوئی سی مصیبت تو کہیں تحقیق ہم اللہ کے لئے ہیں اور تحقیق ہم

اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ ﴿۱۵۶﴾ اُولٰٓئِکَ عَلَیۡہِمۡ صَلَوٰتٌ
پلٹنے والے ہیں ان لوگوں پر صلوات ہے
مِّنۡ رَّبِّہِمۡ وَرَحۡمَۃٌ ۟ وَاُولٰٓئِکَ ہُمُ
رب کی طرف سے اور رحمت اور وہ لوگ ہیں
الۡمُہۡتَدُوۡنَ ﴿۱۵۷﴾
راہ پانے والے ہیں

میرے سلام کہنا اور یہ پیغام بھی پہنچا دینا کہ میں اللہ کی طرف سے تمہاری کسی چیز کا ضامن و ذمہ دار نہیں ہوں مگر پرہیزگاری اور تقویٰ کے ساتھ پس اپنے ہاتھوں اور زبانوں کو قابو میں رکھو اور صبر و نماز کو لازم پکڑو خدا صابرین کا ساتھی ہے۔

اور نیز ایک روایت میں یہاں صبر سے مراد روزہ ہے۔

بَلۡ اَحۡیَآءٌ علامہ طبرسی نے اپنی تفسیر میں بیان کیا ہے کہ صحیح مذہب یہ ہے کہ شہداء حقیقۃً زندہ ہیں اور اس کی تائید میں تہذیب الاحکام سے ایک روایت بھی انہوں نے نقل فرمائی ہے کہ حضرت صادق علیہ السلام نے ایک حدیث میں یونس راوئ حدیث کو فرمایا اے یونس، خدا جب مومن کی روح کو قبض فرماتا ہے تو اسکو دنیاوی جسم کی طرح ایک جسم عنایت فرماتا ہے۔ پس مومنین وہاں کھاتے ہیں اور پیتے بھی ہیں اور کوئی مومن ان پر وارد ہوتا ہے تو اس کو اسی صورت سے پہچانتے ہیں جو اس کی دنیا میں تھی اور ایک حدیث میں آپ نے ابوبصیر سے فرمایا کہ جنت میں مومنین کی صورتیں دنیاوی صورتوں کی طرح ہوں گی کہ اگر ان کو تو دیکھے تو پہچان لے کہ یہ فلاں آدمی ہے۔

ان روایات سے تو یہ معلوم ہوا کہ سب مومنین مرنے کے بعد مُردہ نہیں ہوا کرتے شہداء تو بجائے خود۔ پس آیت مجیدہ میں صرف شہداء کو زندہ کہنا ان کی عظمت شان کے لیے ہے اور اس سے ان کی فضیلت کا ظاہر کرنا مقصود ہے۔

سوال: ہم ظاہر میں دیکھتے ہیں جو لوگ راہ خدا میں قتل ہوتے ہیں یا بستر کی موت مرتے ہیں اُن میں کوئی حس و حرکت نہیں ہوتی لہٰذا ان کا زندہ ہونا اور نعماتِ خداوندی سے مُنتفع ہونا سمجھ میں نہیں آتا۔

جواب: ان کی زندگی مثالی اجسام کے ساتھ ہوتی ہے اور روح ان مثالی اجسام کے ساتھ نعماتِ خداوندی سے ہمکنار ہوتی ہے جس طرح گذشتہ روایات میں صراحت سے مذکور ہے۔

(۳) یہ ضروری نہیں کہ اگر جسم ظاہری طور پر خاموش ہو تو واقعاً بھی وہ مُردہ ہو جس طرح سویا ہوا آدمی ظاہری صورت میں بالکل خاموش ہوتا ہے۔ اس میں کوئی حس و حرکت نہیں ہوتی حالانکہ درحقیقت وہ زندہ ہوا کرتا ہے اور خواب میں اطراف مملکت کی سیر میں مشغول ہوا کرتا ہے اور لذات و سرور میں منہمک ہوتا ہے جس سے نیند والے بے خبر ہوا کرتے ہیں اور خود جاگنے کے بعد اپنی بیداری سے ناخوش ہوتا ہے اور کہتا ہے کہ کاش میری نیند طویل ہوتی اور میں جی بھر کر لذات سے بہرہ ور ہوتا۔ پس اسی طرح مرنے والے مومنین یا راہِ خدا میں قتل ہونے والے شہداء گو ظاہری طور پر ہمارے سامنے ان کے اعضاء خاموش ہوا کرتے ہیں جن میں کوئی حس و حرکت نہیں ہوتی لیکن درحقیقت وہ نعماتِ خداوندی کے ساتھ لذت اندوز ہوا کرتے ہیں چنانچہ بعض احادیث میں ہے کہ اس کو کہا جاتا ہے۔ نَمْ نَوْمَةَ الْعَرُوْسِ۔ اے مومن اب سو جا جس طرح تازہ شادی شدہ سوتے ہیں۔ پس قبر کے سوال و جواب اور مومن کی جزا اور کافر کا عذاب جس طرح مذہب امامیہ کا اعتقاد ہے بالکل درست اور حق ہے۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ۔ آیت مجیدہ کا ظاہر یہ ہے کہ خوف۔ بھوک۔ جانی و مالی نقصان اور ثمرات کا خسارہ (اس سے مراد تو عام پھل ہیں اور یا اولاد مراد ہے کیونکہ عام پھلوں کا نقصان مالی نقصان میں آچکا ہے اور اولاد بھی انسان کا میوۂ دل ہوا کرتی ہے) ان سب چیزوں سے خداوند کریم مومنین کا امتحان کرتا ہے اور ان حالات پر صبر کرنے والوں کو جنت کی بشارت دیتا ہے اور ان پر اپنی صلوات و رحمت نازل فرماتا ہے اور انہی کو مہتدین کے لقب سے بھی یاد فرمایا ہے۔

تفسیر بیضاوی میں جناب رسالتمآبؐ سے مروی ہے کہ جب کسی انسان کا فرزند مر جائے تو خداوند کریم ملائکہ کو فرماتا ہے کہ کیا تم نے میرے بندے کے فرزند کا روح قبض کیا ہے؟ وہ جواب میں ہاں کہتے ہیں۔ تو پھر ارشاد ہوتا ہے کہ کیا تم نے اس کے میوۂ دل کو توڑ لیا ہے؟ ملائکہ کہتے ہیں کہ ہاں! پھر خدا فرماتا ہے کہ اس میرے بندے نے کیا کہا تھا؟ تو فرشتے جواب دیتے ہیں کہ تیری حمد ادا کی تھی اور کلمہ اِنَّا لِلّٰہ پڑھا تھا۔ پس ارشاد ہوتا ہے کہ میرے بندے کا گھر جنت میں تعمیر کرو اور اس کا نام بیت الحمد رکھو۔

تفسیر برہان میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے بطریق آبادِ طاہرینؑ جناب رسالتمآبؐ سے منقول ہے کہ جس شخص میں چار صفتیں پائی جائیں وہ خدا کے نورِ اعظم میں ہوا کرتا ہے۔

(۱) اس کا تمسک شہادت توحید و رسالت سے ہو۔

(۲) جب اس پر کوئی مصیبت آئے تو زبان پر اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن کو جاری کرے۔

(۳) جب اس پر کوئی خدا کی نعمت ہو تو کلمۂ حمد پڑھے۔

(۴) جب اس سے گناہ سرزد ہو تو اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ وَاَتُوْبُ اِلَیْہِ زبان پر جاری کرے۔

آیت مجیدہ کی یہ تفسیر ظاہری تھی لیکن باطنی تاویل کے متعلق ائمہ علیہم السلام سے منقول ہے کہ یہ چیزیں علائم ظہور حضرت قائم آل محمد علیہ السلام سے ہیں کیونکہ آنجناب کا جب ظہور قریب ہوگا تو لوگوں میں خوف و بدامنی زیادہ ہوگی اور قحط سالی بھی ہوگی جس سے بھوک عام اور مالی نقصان زیادہ ہوگا۔ وبائی امراض زیادہ ہوں گی جس سے جانی نقصان بہت ہوگا اور جو مومن ہوں گے وہ صبر سے کام لیں گے۔ اور یہ بشارت ان لوگوں کے لئے ہے جو ان حالات کا صبر سے مقابلہ کریں گے۔

بعض تفاسیر میں ان آیات کا باطنی مصداق حضرت امام حسین علیہ السلام کو قرار دیا گیا ہے۔ اور یہ درست بھی ہے۔ بلکہ ان آیات کا مصداق ان سے بڑھ کر شائد ہی کوئی اور ہوا ہو کیونکہ آیت مجیدہ میں ہے بِشَیْءٍ مِنَ الْخَوْفِ یعنی ہم قدرے خوف اور قدرے بھوک اور قدرے جانی مالی نقصان اور قدرے موت اولاد سے آزمائیں گے اور صبر کرنیوالوں کے لئے بشارت جنت بھی ہے اور ان پر اللہ کی صلوات و رحمت بھی ہے کیونکہ مِنْ تَبْعِیْض کے لئے ہے اور اس کا معنی ہوتا ہے تھوڑا سا اور قدرے۔ تو جب ان چیزوں کے تھوڑے سے اور قدرے نقصان پر صبر کرنیوالوں کی یہ جزا ہے اور ان چیزوں کے زیادہ سے زیادہ نقصان پر صبر کرنیوالوں کی جزا کا سوائے خدا کے اور کون اندازہ کر سکتا ہے اور تاریخ شاہد ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام پر جس قدر مصائب آئے اس قدر مصائب کسی پر نہیں گذرے۔ خوف کا یہ عالم تھا کہ ہر طرف دشمن ہی دشمن دکھائی دیتے تھے۔ بھوک و پیاس کا یہ عالم تھا کہ دسویں محرم کی شب بچوں کو کہیں آرام نہ تھا پانی کے خالی جام اٹھا کر خیام کا طواف کرتے۔ رات گذاری خشکی سے زبانیں تالو سے چمٹ گئی تھیں۔ مالی نقصان کی تو حد ہو گئی کہ مردوں کے قتل ہو جانے کے بعد دشمنوں نے گھروں کو آگ لگا دی سامان لوٹ لیا حتیٰ کہ عورتوں کے سروں سے چادریں بھی چھین لیں بچوں کے گوشوارے تک کانوں سے اتار لئے جانی نقصان اس سے زیادہ اور کیا ہوگا کہ ششماہے شیر خوار سے لیکر بوڑھوں تک سب قتل ہو گئے اور انتہا یہ کہ ان کو بے غسل و کفن صحرائے کربلا کی تپتی ہوئی ریتی پہ چھوڑ کر پرندہ داروں کو ان کی لاشوں پہ رونے تک نہ دیا گیا۔ اور باوجود ان تمام مصائب پہ صبر کا یہ عالم تھا کہ آخر دم تک رضائے خدا کے سامنے سر تسلیم خم رہا اور جس قدر مصائب آئے زبان پہ اُف تک نہ لائے اور شکوہ پروردگار آخر تک زبان پر جاری رہا اور مرد تو بجائے خود عورتوں اور

اور بچوں نے بھی ان مصائب کا ایسا دلیرانہ وار مقابلہ کیا اور ایسے استقلال کا مظاہرہ کیا کہ رہتی دنیا تک فرزندان توحید سے خراج تحسین حاصل کرتا رہے گا۔

سوال: جب مصائب پر صبر کرنا خاصانِ خدا کا طرۂ امتیاز ہے تو ان کے مصائب پر گریہ وزاری کرنا کیونکر جائز ہے۔ پس چاہیئے کہ مصائب پر گریہ بھی نہ کیا جائے۔

جواب: مصائب پر گریہ کرنا فطری چیز ہے البتہ یہ ضروری چیز ہے کہ گریہ میں رضائے خدا کے خلاف کوئی مظاہرہ نہ ہو نہ زبان سے حرفِ شکایت نکلے اور نہ عمل سے اس قسم کا اظہار ہو۔ صبر کا معنی ہے حدودِ شرعیہ کے اندر اپنے قول و فعل کو محدود رکھنا اور بے صبری کا مطلب ہے حدود خدا کو توڑ کر باہر چلا جانا خدا کی خوشنودی کے پیش نظر خاصانِ خدا کے فراق میں رونا خاصان خدا سے محبت کی دلیل ہے اور بے صبری نہیں بلکہ قربِ خداوندی کا پیش خیمہ ہے اور اگر یہ رونا بے صبری ہوتا تو حضرت یعقوبؑ کو یوسفؑ کے فراق میں رو کر آنکھیں کھو بیٹھنے کے بعد حلیم نہ کہا جاتا اور حضرت رسول خداؐ نے حضرت حمزہؓ کا ماتم اپنے گھر میں خود نہ بپا کرایا ہوتا۔ شیعہ کا مصائب شہداء پر گریہ خدا کی ناسپاسی اور بے شکری نہیں بلکہ ان کے مصائب پر رونا اُمتِ رسول کی بے قدری و بے دردی کا رونا کہ ایسے محسنان اسلام کو انہوں نے احسان کا یہ بدلہ دیا۔

اُولٰٓئِکَ عَلَیۡہِمۡ صَلَوٰتٌ مِّنۡ رَّبِّہِمۡ الخ انہی مصائب پر صبر کرنیوالوں پر خدا کی طرف سے درود و رحمت ہے اور وہی ہیں ہدایت والے۔ علامہ حلّی قدس سرہ نے ایک مناظرہ میں اہلبیت اطہار پر درود و سلام بھیجنے کرنے کے لئے انہی آیات سے استدلال فرمایا تھا۔ اس مقام پر ان کا واقعہ گو موضوعِ بحث سے باہر ہے لیکن اختصار سے ذکر کرتا ہوں امید ہے مومنین کے روح خوش ہوں گے

شیخ عباس قمی اعلی اللہ مقامہ نے سفینۃ البحار باب الشین میں مستدرک سے اختصاراً نقل فرمایا ہے جس کو میں اور مختصر کرتا ہوں تاکہ طول نہ ہو۔

ہلاکو خان کے پوتے کا بیٹا یعنی پڑپوتا سلطان غازان خان جو ۷۰۲ھ میں بغداد کا بادشاہ تھا اس کے دور سلطنت میں ایک دفعہ بروز جمعہ ایک سید نے بغداد کی جامع مسجد میں نماز جمعہ کے بعد انفرادی طور پر نماز ظہر پڑھی۔ لوگوں کو معلوم ہو گیا کہ یہ شیعہ ہے۔ پس انہوں نے اس کو قتل کر دیا سید مرحوم کے رشتہ داروں نے بادشاہ سے شکایت کی اور واقعہ بیان کیا بادشاہ کو بڑا رنج ہوا کہ اولادِ رسول میں سے ایک شخص صرف نماز ظہر علیحدہ پڑھنے کے جرم میں قتل کیا گیا۔ بادشاہ کو اس وقت تک مذہب اسلامیہ کی حقیقت کا علم نہ تھا پس اس دن سے اس نے مذہب کی تلاش

شروع کر دی۔ امیر طرمطار جو بادشاہ کے خواص میں سے تھا اور بچپنے سے بادشاہ کا خادم تھا اس نے بادشاہ کے سامنے مذہب شیعہ کی حقیقت بیان کی چنانچہ بادشاہ نے دیگر مذاہب کو ٹھکرا کر شیعیت کو اپنا لیا اور اس کے بعد اس نے سادات کے احترام واکرام میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا اور آئمہ معصومین علیہم السلام کے مشاہد کی بھی تعمیر کی اس کے مرنے کے بعد اس کا بھائی سلطان محمد معروف شاہ خدا بندہ تخت نشین ہوا اور وہ حنفی المذہب تھا اور حنفی علماء کا احترام کرتا تھا جو اپنے مذہب میں متعصب تھے بادشاہ کا وزیر خواجہ رشید الدین شافعی بہت کڑھتا تھا لیکن بادشاہ کے میلان کی وجہ سے بے بس تھا یہاں تک کہ قاضی نظام الدین جو منقولات و معقولات میں ماہر تھا مراغہ سے چل کر یہاں آیا بادشاہ نے اس کے علم کے پیش نظر اس کو قاضی القضاۃ مقرر کیا وہ بادشاہ کے سامنے حنفی علماء سے مناظرے کرتا تھا اور ان کو لاجواب کر دیتا تھا حتیٰ کہ بادشاہ نے مذہب حنفی ترک کر کے مذہب شافعی اختیار کر لیا ۷۰۹ھ میں بخارا سے ایک حنفی عالم ابن صدر جہاں بغداد پہنچا تو مقامی حنفی علماء نے نظام الدین قاضی کی اس سے شکایت کی۔ اس نے اس مشکل کے حل کرنے کا ان سے وعدہ کیا۔ پس بروز جمعہ بادشاہ کے حضور میں اس نے قاضی نظام الدین سے یہ مسئلہ دریافت کیا کہ اگر ایک شخص کسی عورت سے زنا کرے اور اسی زنا سے لڑکی پیدا ہو۔ کیا وہ لڑکی اس زانی کے نکاح میں آسکتی ہے بمطابق مذہب شافعی جواب دیجئے؟ قاضی نے جواب دیا کہ ہاں بے شک آسکتی ہے۔ جس طرح کہ مذہب حنفیہ میں ماں بہن نکاح میں آسکتی ہیں اس بحث میں بڑی لے دے ہوئی ابن صدر جہاں حنفی نے اس مسئلہ کا انکار کر دیا تو قاضی نے امام ابو حنیفہ کے منظومہ میں سے یہ شعر پڑھا ؎

وَلَيْسَ فِي رَوَاحِلِهِ مِنْ حَدٍّ وَلَا بِوَطْيِ الْأُخْتِ بَعْدَ عَقْدٍ

پس وہ خاموش ہو گیا بادشاہ اور دیگر امراء اس بحث کے نتیجہ میں بہت نادم ہوئے اور بادشاہ غضبناک ہو کر اٹھ گیا اور مذہب اسلام کے اختیار کرنے پر پشیمان ہوا کہ یہ عجیب مذہب ہے کہ کوئی لڑکی کے نکاح کے جواز کا قائل ہو اور کوئی ماں بہن کے نکاح کو جائز کہتا ہے۔

اقول: حقیقت یہ ہے کہ عام طور پر مناظرین اپنے مذہب کی صداقت ثابت کرنے کی بجائے ایک دوسرے پر کیچڑ اچھالنا اپنی کامیابی کا زینہ سمجھتے ہیں اور اس قسم کے لوگ ہر مذہب میں پائے جاتے ہیں وہ اپنے خیال میں مذہب کی حمایت کرتے ہیں لیکن درحقیقت وہ مذہب کے بدترین دشمن ہوتے ہیں دوسرے کو گالی دینا معیار صداقت نہیں ہوتا بلکہ دلیل و برہان اور عمل و کردار سے مذہب کے اصول و فروع کی نقاب کشائی ہی صداقت کا طرۂ امتیاز ہے۔

امیر طرمطار نے جب یہ ماجرا دیکھا تو بادشاہ کو مذہب شیعہ کی حقیقت معلوم کرنے کی دعوت دی۔ بادشاہ شیعہ کی لفظ سن کر نہایت غیظ و غضب سے چلا اٹھا کہ او بدبخت تو مجھے رافضی بنانا چاہتا ہے؟

اقول:۔ موجودہ درباری علماء نے مذہب شیعہ کو بادشاہ کے سامنے ایک ایسے بُرے رنگ میں ظاہر کیا ہوا تھا کہ بادشاہ شیعہ کا نام سن کر آگ بگولہ ہو گیا۔ چنانچہ آجکل بھی ناواقف لوگوں کے سامنے شیعہ مذہب کی حقیقت و صورت ایسے ہی بدنما خط و خال سے پیش کی جاتی ہے کہ لوگ فریب خوردہ ہو کر شیعہ کے نام سے ہی نفرت کرنے لگ جاتے ہیں۔

آخرکار امیر طرمطار کے اصرار سے بادشاہ نے علامہ حلیؒ اور ان کے فرزند فخر المحققینؒ کو دعوت دے دی۔ علامہ کے پاس اپنی تصنیفات میں سے منہج الحق اور منہاج الکرامۃ موجود تھیں جو بادشاہ کو ہدیہ کے طور پر پیش کیں علامہ سے مناظرہ کرنے کے لئے قاضی نظام الدین کا انتخاب عمل میں آیا، دربار شاہی میں علمائے اسلام کے بھرے مجمع میں علامہ موصوف نے حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی خلافتِ بلافصل کو براہین قاطعہ اور دلائل ساطعہ سے ثابت فرمایا کہ قاضی مذکور کو رد کرنے کی جرأت نہ ہو سکی اور اس کے لئے بغیر تسلیم کے اور کوئی چارہ نہ رہا اور آخرکار یہی عذر پیش کیا کہ ابتدائے اسلام سے آج تک جن لوگوں کو ہم خلیفہ و رسول مانتے چلے آرہے ہیں ان کی خلافت کا انکار اسلام میں تفرقہ ڈالنے کا موجب ہے لہٰذا ہم نہ ان پر طعن کر سکتے ہیں اور نہ ان کی غلطیوں کو ظاہر کر سکتے ہیں۔ پس قاضی کا دبی زبان سے خلفائے ثلثہ کی خلافت سے انکار مناظرے کا فیصلہ تھا فوراً ہی بادشاہ اور اکثر امراء نے مذہب شیعہ اختیار کر لیا۔ بادشاہ نے خطبۂ جمعہ میں خلفائے ثلثہ کے ناموں کی بجائے آئمہ اثنا عشر کے اسمائے طاہرہ کے ذکر کا اطراف مملکت میں حکم بھیج دیا۔ اس کے بعد علامہ نے نہایت فصیح و بلیغ تقریر فرمائی جس میں حمد و ثنا کے بعد محمدؐ و آلِ محمدؐ پر درود و سلام بھیجا۔ سید رکن الدین موصلی جو علامہ کی کامیابی اور مذہب شیعہ کی فتح پر دل سے جل رہا تھا اور علامہ پر نکتہ چینی کرنے کا بہانہ تلاش کر رہا تھا۔ اٹھکر فوراً اعتراض کیا کہ غیر نبی پر صلوات کہاں سے جائز ہے؟ علامہ قدس سرہٗ نے قرآن مجید کی یہی آیات تلاوت فرمائیں کہ جن لوگوں پر مصائب آئے اور راہِ خدا میں خوشنودیٔ خدا کے پیش نظر ان کو برداشت کر کے صبر کیا ان پر خدا کی طرف سے صلوات و رحمت ہے اور وہی ہدایت والے ہیں۔ سید موصلی نے اعتراض کیا کہ حضرت علیؑ اور ان کی اولاد پر کیا مصیبت آئی؟ علامہ نے اس کے بعد مصائب اہلبیتؑ کا ذکر کیا اور آخر میں فرمایا کہ اس سے بڑھکر اور مصیبت کیا ہو گی کہ تو انکی اولاد سے کہلواتا ہے اور ان کے مخالفین کے نقش قدم پر ہو کر ان کو اہلبیتؑ سے افضل مانتا ہے۔ حاضرین نے علامہ کا جواب پسند کیا اور وہ شرمندہ ہوا۔

اللھم صل علی محمد وال محمد

اِنَّ الصَّفَا الخ

کوہ صفا کو صفا اس لئے کہا گیا ہے کہ اس پر حضرت آدم صفی اترتے تھے اور مروہ کو مروہ اس لئے کہا گیا ہے کہ اس پر حضرت حوّا اترتی تھیں اور یہ مرأۃ سے مشتق ہے جس کا معنی عورت ہے۔

اس آیت سے گذشتہ آیتوں میں بیان فرمایا کہ جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کئے جائیں وہ مردہ نہیں ہوتے اور جو مصائب پر ثابت رہتے ہیں ان پر اللہ کی رحمت اور درود ہوتا ہے پس اس آیت میں راہِ خدا میں قربانی پیش کرنے والوں اور مصائب پر صبر کرنے والوں کی زندگی کی ایک مثال پیش فرمادی کہ دیکھو اللہ کی راہ میں مصائب

إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ فَمَنْ

تحقیق (کوہ) صفا و مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں پس جو شخص

حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ

حج بیت اللہ یا عمرہ بجا لائے پس کوئی حرج اس پر نہیں

أَنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا ۚ وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَإِنَّ اللَّهَ

ان دونوں کا طواف بھی کرے اور جو شخص بخوشی نیک عمل کرے تو اللہ

شَاكِرٌ عَلِيمٌ ﴿١٥٨﴾ إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلْنَا

اس کی نیکی کا قدردان اور جاننے والا ہے تحقیق وہ لوگ جو چھپاتے ہیں اس چیز کو جس کو ہم نے نازل

مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا بَيَّنَّاهُ

روشن ہدایت کے لئے نازل کیا بعد اس کے کہ ہم نے اس کو بیان کر دیا

لِلنَّاسِ فِي الْكِتَابِ ۙ أُولَٰئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللَّهُ وَيَلْعَنُهُمُ

لوگوں کے لئے کتاب (تورات و انجیل) میں ایسے لوگوں پر خدا لعنت کرتا ہے اور

اللَّاعِنُونَ ﴿١٥٩﴾ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا وَبَيَّنُوا

لعنت کرنے والے بھی لعنت کرتے ہیں مگر وہ لوگ جو توبہ کریں اور اپنی اصلاح کر لیں

فَأُولَٰئِكَ أَتُوبُ عَلَيْهِمْ وَأَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيمُ

کر دیا پس ان کی توبہ قبول کرتا ہوں اور میں بہت توبہ قبول کرنیوالا مہربان ہوں

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ أُولَٰئِكَ

ہاں تحقیق جن لوگوں نے کفر کیا اور کفر کی حالت میں مر گئے تو ایسے لوگوں پر

عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ﴿١٦١﴾

اللہ کی لعنت ہے اور فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی

خَالِدِيْنَ فِيْهَا وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ

اس میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور نہ ہلکا ہوگا ان سے عذاب اور نہ وہ مہلت دیئے جائیں گے

يُنْظَرُوْنَ ﴿۱۶۲﴾ وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ

اور تمہارا معبود صرف ایک ہے کوئی معبود سوائے اس کے نہیں وہ رحمٰن و رحیم ہے

آلام پر صبر کرنے والے جس طرح نعماتِ جنت میں ہمیشہ کی زندگی سے ہمکنار رہیں گے اسی طرح دنیا میں بھی ان کے نقوش و یادگاریں تا قیامت باقی رہتی ہیں اور ظاہری آنکھوں سے گو اوجھل ہیں لیکن ان کے آثار و نشانات کو میں نے اپنے شعائر قرار دیکر ہمیشہ کی زندگی عطا کر دی ہے پس تا قیامت جو شخص فریضہ حج یا عمرہ ادا کرے گا اس پر لازم ہے کہ وہ صفا و مروہ کے درمیان دوڑے کیوں کہ یہ میرے شعائر ہیں۔ پس جب گذشتہ انبیاء کی یادگاریں شعائر اللہ ہیں تو حضرت رسالتمآبؐ یا ان کے اوصیاء کی یادگاریں کیوں نہ شعائر اللہ ہوں گی جن کی مظلومیت اور ناحق خون کی داستان صفحۂ آسمان کے اطراف پر آفاق کی سرخی سے نمایاں طور پر لکھی ہوئی ہے جیسا کہ علامہ سیوطی نے تاریخ الخلفاء میں ذکر کیا ہے کہ امام حسین علیہ السلام کی شہادت سے پہلے افق پر یہ سرخی نہیں تھی جو صبح و شام ہوا کرتی ہے۔

فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ۔ مذہب شیعہ میں طواف کے بعد صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنا (دوڑنا) واجب ہے لیکن آیت میں یہ ہے کہ اگر انکا طواف کرنے تو حرج کوئی نہیں اس سے ظاہراً یہی معلوم ہوتا ہے کہ اگر نہ بھی کرے تب بھی حرج نہیں۔ تو اس کا جواب تین طریقوں سے دیا گیا ہے (۱) امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ جب حج کا حکم ہوا تو ابتداءً مسلمانوں کا یہ خیال تھا کہ شاید صفا و مروہ کے درمیان طواف کرنا کفار و مشرکین کی ایجاد ہے۔ اللہ یہ خدائی حکم نہیں لہٰذا یہ آیت اتری کہ صفا و مروہ کے درمیان دوڑنا بھی خدائی حکم ہے۔ کفار کی ایجاد نہیں پس حج یا عمرہ کرنے والا اس کو رسم کفار قرار دے کر کہیں ترک نہ کر دے پس فرمایا کہ اس کو رسم کفار اور گناہ نہ سمجھو بلکہ یہ بھی رکن حج ہے

(۲) حضرت صادق علیہ السلام سے ایک اور روایت میں ہے کہ آیت عمرہ قضا میں اتری کہ جب جناب رسالتمآبؐ قضائے عمرہ کے لئے وارد مکہ ہوئے تو کفار نے شرط کی کہ صفا و مروہ سے وہ اپنے بت اٹھا لیں چنانچہ انہوں نے اٹھا لیے اور حضرت رسول خدا نے مع صحابہ صفا و مروہ کے درمیان سعی کی اس کے بعد کفار نے پھر اپنے بت وہاں رکھ دیئے حضور کے ایک صحابی کو کچھ دیر ہو گئی تھی جب وہ سعی کرنے کے لئے آیا تو بت رکھے جا چکے تھے لہٰذا اس نے سعی کرنا پسند نہ کیا۔ تب یہ آیت اتری کہ کوئی گناہ نہیں ہے بے شک بت پڑے رہیں تم اپنا رکن حج ترک مت کرو۔

۳۔ کہتے ہیں کوہ صفا پر جو بت تھا اس کا نام اساف تھا اور مروہ پر جو بت تھا اس کا نام نائلہ تھا۔ ان کا طواف کرتے ہوئے ان کو بوسہ دیتے ہوتے تھے اس بنا پر مسلمان صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنے کو گناہ تصور کرنے لگے لہٰذا یہ آیت اتری کہ سعی گناہ نہیں بلکہ فعلِ ثواب ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ۔ ظاہری طور پر یہ آیات گو اہل کتاب کے لئے ہیں لیکن باطنی طور تاقیامت جو بھی اس صفت سے متصف ہوگا۔ وہی ان آیات کا مصداق ہوگا۔

چنانچہ حضرت امیرؑ سے پوچھا گیا کہ انبیا اور آئمہ کے بعد مخلوقِ خدا سے افضل کون ہے۔ فرمایا! کہ نیک علماء اور پھر سوال کیا کہ ابلیس و فرعون کے بعد بدترین انسان کون ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ وہ علمائے بد ہیں جو باطل کو ظاہر کریں اور حق پر پردہ دیں ان پر اللہ کی اور تمام لعنت کرنے والوں کی لعنت ہے۔

(البرہان)

جناب رسالتمآبؐ سے مروی ہے کہ جس شخص سے ایک مسئلہ دریافت کیا جائے اور وہ باوجود جاننے کے اس کو چھپائے۔ بروزِ محشر اس کے منہ میں آتش جہنم کی لگام دی جائے گی۔

(مجمع البیان)

maablib.org

ادلّۂ توحید

ربط:- یہاں تک بنی اسرائیل کے متعلق خطاب رہا ان کے اعتراضات کے جوابات اور مومنین کو تلقین صبر اور مصائب پر ثابت قدم رہنے کا حکم دے کر ان کو تسلی دی کہ دین حق پر قربانی اور راہ خدا میں مرمٹنا حیات جاودانی کا موجب ہے وہ خود بھی زندہ ہوا کرتے ہیں اور ان کے آثار بھی زندہ ہوا کرتے ہیں اور باوجود ان باتوں کو سمجھنے بوجھنے کے جو اہل کتاب اپنی ہٹ دھرمی سے باز نہ آئیں اور اپنی شرارتوں سے کنارہ کش نہ ہوں ان پر خدا کی بھی لعنت اور دوسرے لعنت کرنیوالوں کی بھی لعنت ہے اور آخرت کا عذاب دائمی بھی ان کے لئے ہے۔

ان بیانات کے بعد دین اسلام کے عقیدۂ توحید کی وضاحت فرماتا ہے۔ جو دین اسلام کی بنیاد ہے۔ اور تمام بنی آدم کو خطاب کر کے فرماتا ہے کہ تمہارا معبود صرف ایک ہے جو تمام مخلوق پر بڑا مہربان ہے۔

ع ۱۶

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ	
تحقیق آسمانوں اور زمینوں کے پیدا کرنے میں اور شب و روز	
اللَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ	
کے اختلاف میں اور کشتیوں میں جو دریاؤں میں چلتی ہیں	
بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ	
ساتھ انسانی فائدے کے اور اس میں کہ نازل فرمایا ہے اللہ نے آسمان سے	
مِنْ مَّآءٍ فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَ	
بارش کا پانی پس زندہ کیا ہے زمین کو بعد مردہ ہونے کے اور	
بَثَّ فِیْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ۖ وَّتَصْرِیْفِ الرِّیَاحِ	
پھیلا دیا اس میں ہر قسم کے زمین پر چلنے والے جانوروں کو اور ہواؤں کے ادھر ادھر چلانے میں	
وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ	
اور بادلوں میں جو مسخر یعنی مطیع ہیں آسمان و زمین کے درمیان (خدا کی)	
لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ۝ ۱۶۴	
وحدانیت کی واضح) دلیلیں ہیں عقل رکھنے والوں کے لئے	

اور اس عقیدہ کے اثبات کے لئے عقلی براہین کی طرف متوجہ فرمایا ہے تاکہ کسی ذی ہوش کے لئے مجال انکار نہ رہے چنانچہ فرماتا ہے۔ اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ الخ۔

(۱) یعنی آسمان و زمین کا پیدا کرنا۔ کہ کس طرح ان کو بغیر مادہ کے صحیح و مناسب انداز سے پیدا کیا آسمانوں کو بغیر ستونوں کے قرار بخشا سطح زمین کو نہایت فائدہ بخش صورت میں خلق فرمایا نہ اس قدر نرم کہ انسان اس میں دھنس جائیں نہ اتنی سخت کہ چلتے وقت پاؤں کو زخمی کر دے اور ایسی حکمت و تدبیر سے خلق فرمایا کہ عیب جوئی کی مجال تک نہیں

۲۔ پھر شب و روز کا اختلاف آسمان پر سورج کو گردش دے کر شب و روز کے اوقات معین فرمائے اگر ہمیشہ دن یا رات ہوتی تو مخلوق کو یہ چین و آرام کی زندگی نصیب نہ ہو سکتی جو دن و رات کی تبدیلی میں ہے۔ دن کو کاروبار کے لئے اور رات کو آرام کے لئے بنایا پھر اپنی حکمت و قدرت کاملہ سے سورج کی گردش کو ایسے انداز سے رکھا کہ کبھی دن بڑھ جاتا ہے اور رات چھوٹی ہو جاتی ہے۔ اور کبھی رات بڑھ جاتی ہے اور دن چھوٹا ہو جاتا ہے اور اسی سے موسموں کی تبدیلیاں واقع ہوتی ہے۔ جو انسانی زندگی میں صحیح توازن کی موجب ہیں

۳۔ پانیوں میں کشتیوں کی روانی۔ چونکہ زمین کا اکثر حصہ پانی کے نیچے ہے صرف ۱/۴ حصہ پانی سے باہر ہے۔ اور اسی ظاہر حصہ میں بھی دریا وغیرہ بکثرت جاری ہیں جو ایک علاقہ کو دوسرے علاقہ سے جدا کرنے کا موجب ہیں۔ اس نے اپنی حکمت کاملہ سے پانی میں وہ قوت پیدا کر دی کہ کشتیوں اور جہازوں کو اپنی سطح پر اٹھا سکے تاکہ انسان اپنی ضروریات زندگی مہیا کرنے کے لئے پانی کی حدود کو آسانی سے عبور کر سکے اور سامانِ زندگی ایک علاقہ سے دوسرے علاقہ تک بسہولت منتقل کر سکے۔

۴۔ آسمان سے بارش۔ بخارات سے بادلوں کا پیدا کرنا اور ان سے اپنی حسنِ تدبیر کے موافق پانی برسانا جس کی بدولت بنجر و غیر آباد زمین سرسبز و شاداب باغات لہلہاتے ہوئے سبزوں اور مہکتے ہوئے پھولوں کی آغوشِ تربیت بن کر انسان کی زندگی کو پُر کیف بنا دیتی ہے

اور پھر گوناں گوں کے حیوانات رنگا رنگ کے چرند و پرند کا اس کو مسکن قرار دے دیا جو انسانوں کے دل کا بہلاوا ہیں اور اکثر و بیشتر تکالیف کا مداوا بھی ہیں بلکہ انسان کی زندگی بغیر حیوانات کی آبادی کے غالباً کسی حد تک اگر ناممکن نہ ہو تو مشکل تر ضرور ہے۔

۵۔ ہواؤں کا ردّ و بدل کبھی شمال کبھی جنوب کبھی شرقی کبھی غربی کسی وقت تیز کسی وقت سست کبھی گرم کبھی سرد وغیرہ یہ ہواؤں کا ایر پھیر انسان کے لئے رحمت عظمیٰ ہے اور نعمت جسیمہ ہے بلکہ انسانی بدنی

صحت و تندرستی کا زیادہ تر دارو مدار اسی چیز پر ہے۔

۶۔ بادلوں کا آسمان و زمین کے ساتھ مسخر و مطیع ہونا پہلے جملہ میں بارش کی مصلحت کا ذکر تھا، اور اس فقرہ میں صرف بادلوں کی تسخیر کی طرف متوجہ فرمایا ہے

یہ چھ چیزیں ذکر فرما کر دعوتِ فکر دی ہے کہ ان کے جزوی فوائد اور مصالح پر غور کرنے سے عقل متدائسان اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ ضرور ان کا خالق مدبر کائنات ہے اور وہ صرف ایک ہی ہو سکتا ہے ورنہ یہ نظام کائنات جو بدرجۂ اتم ہمارے سامنے موجود ہے درہم برہم ہو جاتا۔ یہ سب چیزیں چونکہ حادث ہیں لہٰذا ماننا پڑتا ہے کہ ان کا خالق قدیم ہے اور وہ حیّ بھی ہے جس نے اپنے اختیار سے یہ سب کچھ کیا۔ نیز اس سے اس کا علیم و حکیم ہونا بھی ظاہر ہوتا ہے اور یہ کہ وہ مرید، مُدرک بھی ہے اور علیٰ کل شئی قدیر بھی ہے۔ غرضیکہ صرف انہی چیزوں اور ان کی مصلحتوں پر غور کرنے سے توحید اور جملہ صفاتِ ثبوتیہ کی معرفت حاصل کی جا سکتی ہے اور انہی سے تمام صفاتِ سلبیہ کی نفی کا بھی علم حاصل ہو جاتا ہے۔ بشرطیکہ عقل پہ پردہ نہ ہو۔ اسی لئے آخر میں ارشاد فرماتا ہے کہ یہ دلیلیں اور نشانیاں ذی ہوش اور صاحب عقل طبقہ کے لئے ہیں۔

وَمِنَ النَّاسِ

جابر سے مروی ہے کہ میں نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے اس آیت کی تفسیر دریافت کی تو آپ نے فرمایا خدا کی قسم کہ اس سے مراد فلاں و فلاں کے دوست ہیں جنہوں نے ان کو امام تسلیم کیا اور اُس امام کو چھوڑ دیا جبکو خدا نے عہدۂ امامت

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا

اور بعض وہ لوگ ہیں جو اختیار کرتے ہیں خدا کے علاوہ شریک جن سے

يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ

وہ محبت کرتے ہیں جس طرح کہ اللہ سے محبت کرنی چاہیئے اور ایمان والے

حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ

محبت ہیں خدا کے اور کیا اچھا ہوتا کہ سمجھ لیتے (ظالم) مشرک جبکہ دیکھتے عذاب کو

اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ ﴿۱۶۵﴾

کہ تحقیق طاقت سب اللہ کے لئے ہے۔ اور تحقیق اللہ سخت عذاب دینے والا ہے قیامت کے

اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا

جبکہ بیزار ہوں گے وہ لوگ جن کی پیروی کی گئی پیروی کرنے والوں سے

وَرَأَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْأَسْبَابُ ﴿۱۶۶﴾

اور عذاب کو دیکھ لیں گے اور ٹوٹ جائیں گے ان کے تعلقات

وَقَالَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا لَوْ أَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّأَ مِنْهُمْ

اور کہیں گے پیروی کرنے والے کاش! ہمیں ایکبار پلٹنا ہوتا تو ہم بھی ان

كَمَا تَبَرَّأُوا مِنَّا ۗ كَذَٰلِكَ يُرِيهِمُ اللَّهُ أَعْمَالَهُمْ

سے بیزار ہو جاتے جسطرح وہ ہم سے بیزار ہوئے ہیں اسی طرح دکھائے گا خدا ان کو

حَسَرَاتٍ عَلَيْهِمْ ۖ وَمَا هُمْ بِخَارِجِينَ مِنَ النَّارِ ﴿۱۶۷﴾

ان کے کرتوت باعث حسرت بنا کر حالانکہ وہ کبھی بھی آتش جہنم سے نکلنے نہ پائیں گے

عطا فرمایا تھا اس کے بعد آپ نے آیت مجیدہ کی تلاوت فرمائی اور آخر میں فرمایا کہ اے جابر! خدا کی قسم اس سے ظالم امام اور ان کے پیروکار مراد ہیں۔ (برہان)

اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ

ایک حدیث میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ بروز محشر حق سبحانہٗ کی جانب سے ندا آئے گی اَيْنَ خَلِيْفَةُ اللّٰهِ فِيْ اَرْضِهٖ (کہاں ہے وہ جس کو اللہ نے زمین پر عہدۂ خلافت عطا فرمایا تھا) پس حضرت امیر المومنینؑ کھڑے ہوں گے پھر اللہ کی جانب سے ندا آئے گی۔ کہ اے گروہ مخلوق یہ علی بن ابی طالب زمین پر اللہ کا خلیفہ اور بندوں پر خدا کی حجت موجود ہے پس جس کسی نے دنیا میں اس سے تمسک پکڑا تھا۔ وہ اب بھی اس کے دامن سے وابستہ ہو جائے اور اس کی نورانیت سے فیض یاب ہو کر جنت کے بلند درجات کی طرف اس کے پیچھے پیچھے چلا جائے پس وہ لوگ جنہوں نے دنیا میں ان کا دامن پکڑا ہوگا ان کے پیچھے پیچھے جنت کی طرف چلیں گے۔ اس کے بعد دوسری ندا آئے گی کہ دنیا میں جس شخص نے جس امام کی پیروی کی تھی وہ اس کے پیچھے ہو جائے جہاں اس کا امام جائے گا اس کو بھی وہاں جانا پڑے گا۔ پس اسوقت لوگ اپنے اپنے اماموں سے بیزار ہوں گے اور کہیں گے کاش! ہمارے لئے ایک دفعہ دنیا کی طرف پلٹنے کی اجازت ہوتی تو ہرگز ان کے پیچھے نہ چلتے۔ ان آیات میں خداوند کریم انہیں کا تذکرہ فرما رہا ہے۔

(برہان)

كَذٰلِكَ يُرِيْهِمُ اللّٰهُ بعض روایات میں ہے کہ ایک شخص جس کو خدا نے دنیا میں مال عطا فرمایا اور اس نے کسی نیک کام میں اس کو صرف نہ کیا اور مر گیا پھر اس کا کوئی اور وارث ہوا جس نے اسی مال کو نیک کاموں میں خرچ کیا تو پس وہ مال جمع کرنے والا اپنے مال کی نیکیاں دوسرے کے میزان عمل میں دیکھکر

پچھتائے گا۔ (اور وہ مال قیامت کے دن اسی کے لئے باعث حسرت ہوگا) امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص مالِ دنیا کما کر بخل کرتے ہوئے اس کو نیکی پر خرچ نہ کرے اور اس کو چھوڑ کر مر جائے تو اس کے بعد اس کا وارث اس مال کو نیکی میں خرچ کرے یا بُرے کاموں میں ضائع کرے۔ ہر دو صورتوں میں اس کے لئے بروزِ محشر باعثِ ندامت و حسرت ہوگا کیونکہ اگر وارث نیکیوں پر خرچ کرے تو وہ شخص اپنے مال کی نیکیاں دوسرے کے میزانِ عمل میں دیکھ کر پچھتائے گا کہ کاش! میں اس مال سے میں خود فائدہ اٹھاتا۔ اور اگر اس کا وارث بُرے کاموں میں خرچ کرے تو چونکہ ان برائیوں کا موجب یہی شخص تھا۔ اس نے وہ مال چھوڑا ہوتا اور نہ اس کا وارث اس مال سے خدا کی نافرمانی کرتا پس یہ شخص اس وقت نادم و پشیمان ہوگا

MAAB 1431
مرکز احیاء التراث
maablib.org

ع ۵

يَا أَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلَالًا طَيِّبًا ۖ

اے لوگو! کھاؤ ان چیزوں میں سے جو زمین میں ہیں حلال و پاکیزہ

وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ ۚ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ

اور نہ پیچھے چلو قدم بقدم شیطان کے تحقیق وہ تمہارا دشمن صریح

مُّبِينٌ ﴿١٦٨﴾ إِنَّمَا يَأْمُرُكُم بِالسُّوءِ وَالْفَحْشَاءِ

ہے۔ بجز اس کے نہیں کہ وہ تمہیں حکم دے گا بدی اور بدکاری کا

وَأَن تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿١٦٩﴾ وَإِذَا قِيلَ

اور اس بات کا کہ اللہ کے متعلق ایسی باتیں کرو جو تم نہ جانتے ہو اور جب انکو کہا

لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا

جائے کہ پیروی کرو اس چیز کی جو اللہ نے اتاری ہے تو کہتے ہیں بلکہ ہم تو پیروی

أَلْفَيْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا ۚ أَوَلَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لَا

کریں گے اسکی جس پر پایا ہم نے اپنے باپ دادا کو کیا اگرچہ نہ کہا باپ دادا نے کچھ

يَعْقِلُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ ﴿١٧٠﴾ وَمَثَلُ الَّذِينَ

بھی اور نہ سمجھتے ہوں (معاملہ دین کو) اور نہ خبر رکھتے ہوں (حق کی) اور مثال کافروں کے بیان

كَفَرُوا كَمَثَلِ الَّذِي يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ إِلَّا دُعَاءً

کی پکارنے کی اس شخص جیسی ہے جو بلائے ایسی چیزوں کو جو نہ سنیں کچھ بھی سوائے آواز اور

وَنِدَاءً ۚ صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ﴿١٧١﴾

پکار کے بہرے ہیں گونگے ہیں۔ اندھے ہیں پس وہ سمجھتے نہیں ہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ

اے ایمان والو۔ کھاؤ پاکیزہ ان چیزوں سے جو ہم نے تمہیں رزق دیا اور

وَاشْكُرُوا لِلَّهِ إِن كُنتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ ﴿١٧٢﴾

شکر کرو اللہ کا اگر تم صرف اسی کی عبادت گزار ہو

حلالاً جناب رسالتمآب سے مروی ہے کہ عبادت کے ستر حصے ہیں اور سب سے افضل ہے حلال کی تلاش کرنا قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ یہ آیت صاف بتلاتی ہے کہ جہاں باپ دادا خدا اور رسول کے خلاف چلنے کا حکم دیں تو اولاد پر ان کی اس معاملہ میں اطاعت واجب نہیں بلکہ حرام ہے مَثَلُ الَّذِينَ امام محمد باقر علیہ السلام سے اس آیت کا معنی اس طرح مروی ہے کہ تمہارا کافروں کو اسلام کی طرف بلانا ایسا ہے جس طرح چرواہا اپنے مویشیوں کو بلاتا ہے جس طرح مویشی چرواہے کی بات نہیں سمجھتے بلکہ صرف آواز و پکار سنتے ہیں اسی طرح یہ بھی تمہاری بات

صرف سنتے ہیں سمجھتے نہیں ہیں یعنی از راہِ عناد سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے۔
صُمٌّ بُكْمٌ عُمْیٌ ۔ صفحہ ۸۰ پر اس کی تفسیر گذر چکی ہے۔

غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا

عَادٍ اس کا یہ ترجمہ بھی کیا گیا ہے کہ باغ سے مراد خواہش لذت کرنے والا اور عاد سے مراد ضرورت سے تجاوز کرنے والا اور بعض روایات میں ہے کہ باغی سے مراد ظالم اور عادی سے مراد غاصب ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ علمائے یہود جناب رسولِ خدا کے اوصاف جو تورات میں موجود تھے چھپاتے تھے تاکہ عوام یہود مطلع ہو کر دینِ یہود سے برگشتہ ہو کر دائرۂ اسلام میں داخل نہ ہو جائیں جس سے ان کی عوام یہود کی طرف سے مقررہ آمدنی میں یقیناً خسارہ تھا۔

إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ	
صوائے اس کے نہیں کہ حرام کیا ہے اس نے تمہارے اوپر مردار اور خون	
الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ ۖ فَمَنِ	
اور سؤر کا گوشت اور وہ چیز جس پر نام لیا جائے غیر خدا کا پس جو	
اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ ۚ	
شخص ناچار ہو کہ نہ (امام حق سے) بغاوت کرنے والا اور نہ تجاوز کرنیوالا (چور ڈاکو) ہو	
إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١٧٣﴾ إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ	
پس اس پر کوئی گناہ نہیں تحقیق اللہ بخشنے والا مہربان ہے تحقیق وہ لوگ جو چھپاتے ہیں	
مَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنَ الْكِتَابِ وَيَشْتَرُونَ بِهِ ثَمَنًا	
اس چیز کو جو نازل کی اللہ نے کتاب سے اور حاصل کرتے ہیں بدلے اس کے	
قَلِيلًا ۙ أُولَٰئِكَ مَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ إِلَّا	
قیمت معمولی۔ وہ لوگ نہیں بھرتے اپنے پیٹوں میں آگ	
النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا	
اور نہ ان سے کلام کرے گا خدا بروزِ قیامت اور نہ	
يُزَكِّيهِمْ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿١٧٤﴾ أُولَٰئِكَ	
ان کو پاکیزہ کرے گا اور ان کے لئے عذاب دردناک ہے وہ وہ	
الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَىٰ وَالْعَذَابَ	
لوگ ہیں جنہوں نے لے لی گمراہی بدلے ہدایت کے اور عذاب	
بِالْمَغْفِرَةِ ۚ فَمَا أَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ﴿١٧٥﴾	
بدلے بخشش کے پس کس قدر ان کا حوصلہ ہے آگ	

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ نَزَّلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ ۭ وَاِنَّ الَّذِيْنَ

یہ اس لیے کہ تحقیق اللہ نے نازل فرمائی کتاب حق کے ساتھ اور تحقیق وہ لوگ

اخْتَلَفُوْا فِي الْكِتٰبِ لَفِيْ شِقَاقٍۢ بَعِيْدٍ ۝۱۷۶

جنہوں نے اختلاف کیا کتاب میں البتہ وہ بڑی بدبختی میں ہیں

ع ۱۹ لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ

نہیں نیکی (کا انحصار) تمہارے منہ پھیرنے میں طرف مشرق و مغرب

وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ

کے بلکہ نیکی اس شخص کی ہے جو ایمان لائے اللہ پر اور روز

الْاٰخِرِ وَالْمَلٰۗىِٕكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ

قیامت اور فرشتوں پر اور کتاب پر اور نبیوں پر اور دے مال

عَلٰي حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ

اپنا باوجود پیارا ہونے کے صاحبان قرابت کو اور یتیموں کو اور مسکینوں کو

وَابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَالسَّاۗىِٕلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ ۚ

اور مسافروں کو اور منگتوں کو اور غلاموں کے آزاد کرنے

وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ

میں اور قائم کرے نماز کو اور دے زکوٰۃ اور وہ لوگ جو پورا کرنے والے ہیں

بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ فِي

وفا کرنے والے ہوں جب عہد کریں اور صبر کرنیوالے ہوں سختی

الْبَاْسَاۗءِ وَالضَّرَّاۗءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ

اور تکلیف میں اور لڑائی کے وقت ایسے لوگ

الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۝

سچے ہیں اور وہی پرہیزگار (متقی) ہیں۔

خداوند کریم ان کے اس فعل کی مذمت فرما رہا ہے کہ ثمن قلیل کی خاطر جناب رسولِ پاک کے اوصاف پر پردہ ڈالتے ہیں اور گویا اپنے پیٹ آتش جہنم سے بھر رہے ہیں کیوں کہ ان کا انجام آخر جہنم ہوگا۔

شانِ نزول

جب تحویل قبلہ کا حکم نازل ہوا تو لوگوں میں اس حکم کا چرچا عام ہوگیا اور یہود و نصاریٰ نے ہر مقام پر اسی مسئلہ کو محل بحث بنا لیا پس یہ آیت اتری کہ نیکی کا انحصار صرف مشرق و مغرب کی طرف منہ کر لینے میں نہیں ہے بلکہ جب تک ان ذکر ہونے والے احکام پر عمل نہ کیا جائے تو صرف قبلہ

کی طرف مذکر لینا کوئی فائدہ مند نہ ہوگا۔

لَکِنَّ الْبِرَّ۔ اگر بِرَّ پر نصب پڑھی جائے تو خبر مقدم اور اگر رفع پڑھا جائے تو اسم لیس کا اور مابعد خبر اس کی دونوں ترکیبیں صحیح ہیں اور ہر دو صورتوں میں معنی ایک ہے۔

لٰکِنَّ الْبِرَّ۔ اس ترکیب میں ایک جگہ مضاف کو محذوف ماننا پڑتا ہے یا اسم میں اور یا خبر میں اگر اسم میں تصرف کریں گے تو ذُوْ مضاف محذوف مانیں گے اور اگر خبر میں تصرف کریں گے تو بِرَّ مضاف ماننا پڑے گا تاکہ مصدر یا ذات ہونے میں اسم اور خبر ایک دوسرے کے مطابق ہو جائیں۔

عَلٰی حُبِّہٖ ضمیر کا مرجع مال بھی ہو سکتا ہے۔ اور اس صورت میں ترجمہ وہی ہوگا جو نیچے موجود ہے اور اگر مرجع ضمیر اللہ کو قرار دیا جائے تو معنی ہوگا کہ اللہ کی محبت میں مال خرچ کرتے ہیں۔

ذَوِی الْقُرْبٰی۔ بعض روایات میں ہے کہ اس سے جناب رسولِ خدا کے قریبی مراد ہیں۔ اور آیت مبارکہ میں جس قدر اوصاف کا ذکر ہے سوائے علی بن ابی طالبؑ کے کوئی بھی ان کا جامع نہیں ہے لہٰذا آیت کا مصداق سوائے علیؑ کے کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ	اے ایمان والو۔ فرض کیا گیا ہے تم پر قصاص (بدلہ) مقتولین کے
فِي الْقَتْلٰى ۭ الْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى	بارے میں آزاد بدلے آزاد کے اور غلام بدلے غلام کے اور عورت
بِالْاُنْثٰى ۭ فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ	بدلے عورت کے پس جس شخص کے لئے معاف ہو جائے اپنے (ولی) بھائی
فَاتِّبَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَاۗءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ ۭ	کی طرف سے کچھ (معاف دینے والے کیلئے باقی کا) پیچھا کرنا جائز ہے پسندیدگی کے اور ادا کرنا ہے ساتھ احسان کے
ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ۭ فَمَنِ	یہ آسانی ہے تمہارے رب کی طرف سے اور رحمت ہے

یا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا۔ شانِ نزول عرب لوگ اپنے دستور قدیم کے موافق قسم اٹھا لیا کرتے تھے کہ اگر کوئی ہمارا غلام قتل کرے گا تو ہم اس کے بدلہ میں آزاد کو قتل کریں گے اسی طرح عورت کے بدلہ میں مرد کو قتل کریں گے اور ایک کے بدلہ

اَعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۷۸﴾
پس جو بھی تجاوز کرے اس کے بعد تو اس کے لئے عذاب دردناک ہے
وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰۤاُولِي الْاَلْبَابِ
اور تمہارے لئے بدلہ لینے میں زندگی ہے اے صاحبان عقل تاکہ تم بچو
لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۹﴾
جاؤ

میں دو کو قتل کریں گے اس بنا پر یہ آیت نازل ہوئی کہ مقتول کا قصاص یہ ہے کہ آزاد کے بدلہ آزاد۔ غلام کے بدلہ غلام اور عورت کے بدلہ میں عورت قتل ہو۔ اس سے تجاوز کرنا قطعاً ناجائز ہے۔

كُتِبَ عَلَيْكُمُ:۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیت بتلاتی ہے کہ قصاص لینا فرض ہے حالانکہ وارث پر قصاص کا لینا فرض نہیں ہوتا بلکہ اس کو تین چیزوں میں اختیار ہوتا ہے ۱۔ قصاص لے ۲۔ یا خوں بہا لے ۳ یا معاف کر دے تو اس کا جواب یہ ہے کہ واجب تخییری کو بھی واجب کہا جاتا ہے۔ اس مقام پر بھی چونکہ قصاص واجب تخییری کا ایک فرد ہے۔ پس اگر وارث اسی فرد کو اختیار کریں تو یہ واجب اور فرض ہوگا۔

فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مقتول کا وارث اگر قاتل سے قصاص معاف کر دے اور اس پر خوں بہا عائد کرے تو صاحبِ حق یعنی وارثِ مقتول کو چاہیئے کہ معروف یعنی احسان و بھلائی سے خوں بہا کا مطالبہ کرے یعنی اس کو تنگ نہ کرے اور اگر تنگ دست ہو تو اس کو کچھ مہلت دے دے اسی طرح قاتل پر بھی واجب ہے کہ وارث مقتول کا حق خیر و خوبی سے ادا کر دے۔ ٹال مٹول کر کے خواہ مخواہ اس کو تنگ نہ کرے۔

مِنْ اَخِيْهِ اخ سے مراد یہاں مقتول ہے یعنی جس قاتل کو اپنے مقتول بھائی کی جانب سے کچھ معافی مل جائے یعنی وارث مقتول کے قصاص لینے کی بجائے خوں بہا پر راضی ہو جائیں پس اس مقام پر مقتول کو قاتل کا بھائی کہا گیا ہے۔ اور اسی قول کو صاحب مجمع البیان نے پسند فرمایا ہے۔

ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ قتل کے بارے میں تورات کا حکم تھا۔ بدلہ لینا یا معاف کرنا اور انجیل کا حکم تھا معاف کرنا یا خوں بہا لینا۔ اور قرآن کا حکم ہے۔ بدلہ یا خوں بہا یا معافی۔ پس قرآنی حکم سب سے زیادہ آسان ہے۔

فَمَنِ اعْتَدٰى:۔ یعنی مقتول کا وارث اگر معاف کر دے یا خوں بہا پر راضی ہو جائے تو پھر اس کو

قصاص لینے کا حق نہیں ہے۔ ورنہ اگر پھر قصاص لینے پر آمادہ ہو تو اس کے لئے عذاب دردناک ہے۔

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ احتجاج طبرسی سے امام علی زین العابدین علیہ السلام سے منقول ہے کہ اے اُمّتِ محمد! تمہارے لئے قصاص میں زندگی ہے کیونکہ جو شخص قتل کا ارادہ کرے گا اور جانے گا کہ مجھ سے قصاص لیا جائے گا تو وہ خود قتل سے رُک جائے گا، پس مقتول بھی قتل سے بچ گیا اور یہ بھی قصاص میں قتل ہونے سے بچ گیا گویا قصاص کے وجوب نے دونوں کو زندگی بخش دی اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ یہ قصاص ہے تمہارے دنیاوی قتلوں کا۔ اگر چاہو تو میں تم کو اس سے بڑے قتل کا پتہ دوں اور اللہ کے نزدیک اس کے قاتل کی سزا جو مقرر ہے اس کو بھی بیان کروں جو اس قصاص کی سزا سے بہت زیادہ ہے لوگوں نے عرض کی۔ حضور! بیان فرمایئے تو آپ نے فرمایا کہ عظیم ترین قتل وہ قتل ہے جس کے بعد مقتول کبھی زندہ نہیں ہو سکتا اور نہ اس کا خسارہ پورا ہو سکتا ہے۔ لوگوں نے پوچھا وہ کونسا قتل ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ وہ یہ ہے کہ کسی کو جناب محمد مصطفیٰؐ کی نبوّت اور علیؑ بن ابی طالبؑ کی ولایت سے برگشتہ کیا جائے اور اللہ کے راستہ سے گمراہ کر کے دشمنانِ علیؑ کے طریقہ پر اس کو گامزن کیا جائے اور اُن کو امام مان کر علیؑ کو اپنے منصب سے ہٹایا جائے۔ اور اس کی فضیلت و عظمت کا انکار کیا جائے پس یہ وہ قتل ہے جس سے مقتول کو ہمیشہ جہنم میں بھیجا جاتا ہے۔ پس اس قتل کی جزاء آتش دوزخ ہی ہے۔ البرہان

فائدہ اسی معنی کو ادا کرنے کے لئے عربوں میں ایک جملہ مشہور تھا۔

اَلْقَتْلُ اَنْفٰی لِلْقَتْلِ (ترجمہ) قتل قتل کو مٹاتا ہے۔

لیکن قرآن مجید کا یہ جملہ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ قصاص میں زندگی ہے۔ لفظی و معنوی ہر دو اعتبار سے اس سے بلیغ تر ہے۔ لفظی اعتبار سے اس لئے کہ قرآنی جملہ اس عربی مقولہ سے مختصر ہے۔ کیونکہ اس کے حروف دس اور اس کے حروف چودہ ہیں اور معنوی لحاظ سے اس لئے کہ قرآنی جملہ میں تکرار نہیں اور عربی مقولہ میں قتل دو دفعہ استعمال ہوا ہے۔

مسئلہ۔ قصاص لینے کا حق امامِ معصوم یا اس کے نائب خاص کو حاصل ہے جب کہ مقتول کے وارث قصاص کا مطالبہ کریں۔

مسئلہ۔ اگر آزاد کو یا غلام، غلام کو یا عورت، عورت کو قتل کر دے تو قصاص کے وجوب میں کوئی شک نہیں۔

اسی طرح اگر عورت یا غلام کسی آزاد مرد کو قتل کر دیں تب بھی قصاص واجب ہے۔ لیکن اگر آزاد۔ غلام کو قتل کر دے تو آزاد سے قصاص نہ لیا جائے گا۔ بلکہ خوں بہا لیا جائے گا۔ اور اگر مرد عورت کو قتل کر دے تو اس میں دو صورتیں ہیں۔

(۱) عورت کے وارث خوں بہا لے لیں۔

(۲) عورت کے وارث قاتل کو قصاص میں قتل کر دیں اور اس مرد کی نصف قیمت اس کے وارثوں کو ادا کریں کیونکہ عورت حقوق میں مرد کا نصف ہوا کرتی ہے۔

maablib.org

وصیّت کا بیان

كُتِبَ عَلَيْكُمْ .. اگر انسان کوئی مالی ترکہ رکھتا ہو تو اس کو چاہیئے کہ مرنے سے پہلے اس کے متعلق وصیت کر جائے۔ موت حاضر ہونے سے مراد موت کی علامتیں ہیں۔

كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ	
فرض کیا گیا تم پر کہ جب کبھی حاضر ہو تم میں سے کسی پر موت۔ اگر	
تَرَكَ خَيْرَا ِۨ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ	
چھوڑے کوئی مال وصیّت کرنا ماں باپ اور قریبیوں کے لئے	
بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۸۰﴾ فَمَنْ بَدَّلَهٗ	
کی یہ حق ہے اوپر ڈرنے والوں کے پس جو تبدیل کرے	
بَعْدَ مَا سَمِعَهٗ فَاِنَّمَآ اِثْمُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يُبَدِّلُوْنَهٗ ۭ	
اس (وصیّت کو) بعد سننے کے تو گناہ اس کا صرف ان لوگوں پر ہے جو اس کو تبدیل	
اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۸۱﴾ فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ	
کرے بیشک اللہ سننے جاننے والا ہے پس جو ڈرے کسی وصیت کرنے والے	
جَنَفًا اَوْ اِثْمًا فَاَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۭ	
کے متعلق ظلم یا گناہ سے پس صلح کرا دے ان میں تو اس پر کوئی گناہ	
اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۸۲﴾	
نہیں بیشک اللہ بخشنے والا رحم کرنیوالا ہے۔	

بالمعروف سے مراد یہ ہے کہ نہ بہت تھوڑی چیز کی وصیت کرے اور نہ بہت زیادہ کی وصیت کرے اس کی حد امام جعفر صادق علیہ السلام نے یہ فرمائی ہے کہ کم از کم ۱/۶ حصّہ اور بنا بر بعض روایات ۱/۹ حصّہ) اور زیادہ سے زیادہ ۱/۳ حصّہ ہو۔ حدیث میں وارد ہے کہ جو شخص مرنے کے وقت اپنے غیر وارث قریبیوں کے لئے وصیّت نہ کر جائے تو پس اس کا خاتمہ گناہ پر ہوا۔ حدیث نبوی میں ہے کہ جو شخص بغیر وصیّت کے مرتا ہے وہ جاہلیّت کی موت مرتا ہے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ مسلمان انسان پر ضروری ہے کہ جب رات کو سوئے تو اپنی وصیت لکھ کر اپنے سر کے نیچے رکھ کے

فَمَنْ بَدَّلَهٗ الخ۔ وصیت کو تبدیل کرنا یا توڑنا گناہ کبیرہ ہے۔ احادیث میں ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کے لئے وصیت کر جائے تو اس پر عمل کرنا واجب ہے۔ خواہ جس کے لئے وصیت کی گئی ہے۔ یہودی یا نصرانی ہی کیوں نہ ہوں۔

جَنَفًا اَوْ اِثْمًا۔ امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ حیف سے مراد $\frac{1}{3}$ سے زیادہ۔ اور ایک روایت میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ اگر کوئی شخص آتشکدہ یا شراب خانہ تعمیر کرنے کی وصیت کرے تو وصی کے لئے اس کا تبدیل کرنا جائز ہے۔

فائدہ:۔ آیتِ وصیت کے منسوخ ہونے میں تین قول ہیں (۱) بالکل منسوخ ہے (۲) وارثوں کے لئے منسوخ ہے۔ کیوں کہ وراثت بھی ان کے لئے حق کو ثابت کرتی ہے اور وصیت سے بھی یہی مقصود ہوتا ہے۔ پس ان کا حق ثابت کرنے کے لئے وراثت کا ثبوت کافی ہے لہٰذا آیتِ میراث جب اتری تو آیتِ وصیت منسوخ ہو گئی (۳) یہ آیت قطعاً منسوخ نہیں ہے اور محققین علمائے امامیہ کا یہی مسلک ہے کیونکہ نسخ اس وقت ہوتا ہے جب دو حکموں میں منافات ہو جس سے ہر دو پر عمل نہ کیا جا سکتا ہو۔ لہٰذا نسخ کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

وَصِیَّت:۔ کسی شخص کا اپنی زندگی میں اپنی موت کے بعد کسی امر کی سفارش کرنا۔ مثلاً کہے میرے مال میں سے اتنی مقدار فلاں کام پہ خرچ کی جائے یا فلاں شخص کو دے دی جائے یا فلاں حق واجب، اس مال سے ادا کیا جائے۔ میری قبر فلاں مقام پہ بنائی جائے وغیرہ اور جس شخص کو ان امور کی انجام دہی کی سفارش کرے۔ اسے وصی کہا جاتا ہے۔

مسئلہ:۔ وصیت کرنے والے میں ان شرائط کا ہونا ضروری (۱) بالغ ہو ۲ عاقل ہو ۳۔ قصد و ارادہ سے وصیت کرے۔

مسئلہ:۔ وصیت کرنے والا اپنی زندگی میں اپنی وصیت کو توڑ سکتا ہے اور اسے تبدیل بھی کر سکتا ہے۔

مسئلہ:۔ اگر کوئی شخص کسی کے لئے کچھ مال کی وصیت کر جائے تو وصیت کرنے والے کی موت کے بعد وہ وصیت شدہ مال اس شخص کی ملکیت ہو گا جس کے لئے وصیت کی گئی ہے شرط یہ کہ اس نے وصیت کو تبدیل بھی کیا ہو۔

مسئلہ: وصی وہ شخص ہو سکتا ہے جو عاقل۔ بالغ اور موثق ہو اور اگر وصیت کرنے والا مسلمان ہو تو وصی کا مسلمان ہونا بھی ضروری ہے۔

مسئلہ: اگر ایک شخص کے ذمہ خمس۔ زکوٰۃ یا دیگر حقوقِ مالیہ ہوں تو اس پر واجب ہے کہ کوشش کر کے اپنی زندگی میں ان کو ادا کر کے ان سے سبکدوش ہو جائے اور اگر ایسا نہ کر سکتا ہو تو ان حقوق کی ادائیگی کے متعلق وصیت کر جائے۔

مسئلہ: اگر نماز و روزہ کی قضا اس کے ذمہ ہو تو بڑے لڑکے کو ان کے متعلق وصیت کرے اور اگر بڑا لڑکا موجود نہ ہو تو اپنے مال سے بذریعہ اجرت واجبات کے ادا کرانے کی وصیت کر جائے۔

مسئلہ: اگر کوئی شخص واجبات اور مستحبات کی وصیت کر جائے تو اس کے واجبات اصل ترکہ سے ادا کرائے جائینگے اور مستحبات ترکہ کے ۱/۳ حصہ سے ادا کرائے جائیں گے بشرطیکہ ورثاء زائد خرچ پر رضامند نہ ہوں اگر میت کا ترکہ اتنا ہے کہ صرف میت کے واجبات اس سے ادا ہو سکتے ہیں تو واجب ہے کہ اس ترکہ سے میت کے واجبات ادا کئے جائیں مثلاً خمس۔ زکوٰۃ۔ حج اور اجرتِ قضائے نماز و روزہ وغیرہ۔ اور اگر میت کا ترکہ اس کے تمام واجبات کے ادا کرنے کا کفیل نہیں ہو سکتا تو جس قدر ممکن ہو اس کے واجبات کی ادائیگی میں خرچ کیا جائے۔

مسئلہ: ایک شخص امورِ مستحبہ کے لئے اگر کچھ مال کی وصیت کر جائے۔ مثلاً زیارت نیابت کے لئے یا عزاداری کے لئے یا دیگر امور خیر (مساجد یا امام باڑہ یا دینی مدرسوں وغیرہ) کے لئے تو پس اگر وصیت شدہ مال اس کے کل ترکہ کا ایک تہائی (۱/۳) یا اس سے کم مقدار بنتا ہو تو وصیت پر اسی طرح عمل واجب ہے جس طرح مرنے والے نے کہا تھا اور جن جن امورِ مستحبہ کی اس نے سفارش کی تھی اس مال سے ان کا بجالانا واجب ہے اور اگر وصیت شدہ مال کل ترکہ کی ایک تہائی (۱/۳) سے زائد ہو تو ۱/۳ سے زیادہ مال میں وصیت نافذ نہ ہوگی جب تک کہ ورثاء کی رضامندی نہ ہو۔ پس اگر وارث اجازت دے دیں تو ٹھیک ہے ورنہ کل ترکہ کے ۱/۳ کو میت کے بتائے ہوئے امور میں خرچ کیا جائے گا اور اس سے زائد مال میں وصیت باطل ہوگی۔

مسئلہ: میت کے ذمہ جس قدر قرضہ ہو وہ میت کے اصل مال سے ادا کیا جاتا ہے قرضہ کی ادائیگی سے جو مال بچے گا وارثوں کو ملے گا اسی طرح میت کے ذمہ جس قدر حقوق مالیہ خمس و زکوٰۃ

وغیرہ واجب ہیں۔ یہ سب میت پر قرضہ ہیں۔ ان کو بھی اصل ترکہ سے ادا کرنا واجب ہے۔ پس ان کی ادائیگی کے بعد جو کچھ مال بچے گا وارث صرف اسی کے حقدار ہوں گے۔

مسئلہ:۔ میت کے حقوق واجبۂ مالیہ ادا کئے بغیر مالِ میت میں وارثوں کا تصرف کرنا ناجائز ہے۔

مسئلہ:۔ اگر ایک شخص کسی کو وصی بنائے تو اس کی زندگی میں وصی کو انکار کرنے کا حق حاصل ہے لیکن اس کے مرجانے کے بعد وصی پر لازم ہے کہ وصیت پر عمل کرے۔ اب وہ وصیت کو توڑنے کا حق نہیں رکھتا۔

مسئلہ:۔ جن روایات میں ہے کہ وصیت کم از کم ۱/۶ یا ۱/۹ حصۂ مال کی ہونی چاہیئے۔ استحبات پر مبنی ہیں ورنہ اس سے کم مقدار کی وصیت بھی ہو سکتی ہے۔

maablib.org

صدقہ جاریہ اور دعوتِ عمل

بعض احادیث میں وارد ہے کہ انسان جب مرتا ہے تو اس کا عمل ختم ہو جاتا ہے مگر اس صورت میں کہ جب مرنے والا اپنے پیچھے نیک اولاد یا صدقۂ جاریہ چھوڑ کر مرے۔ پس اس کی نیک اولاد جب تک نیک اعمال کرتی رہے گی تو مرنے والے کو فیض پہنچتا رہے گا اور اس کا صدقہ جاریہ بھی جب تک باقی رہے گا مرنے والے کے نامہ اعمال میں نیکیوں کا اضافہ ہوتا رہے گا۔

صدقہ جاریہ سے مراد یہ ہے کہ انسان اپنے مال حلال سے ایک ایسا تعمیری کام کر جائے جو تادیر باقی رہ کر مخلوق خدا کو نفع پہنچاتا رہے۔ مثلاً سڑک کے کنارے پر کنواں کھدوائے تاکہ پیاسے مسافر اس مقام پر پہنچ کر سیراب ہوں پس جب تک خلق خدا اس سے نفع مند ہوتی رہے گی اس کے نامہ اعمال میں نیکیوں کا اضافہ ہوتا رہے گا۔ اسی طرح تعمیر مسجد پس جب تک مسجد میں نمازی نماز پڑھتے رہیں گے اس کے نامہ اعمال میں نیکیاں درج ہوتی رہیں گی۔ حدیث میں وارد ہے کہ جو شخص ایک مسجد خواہ کتنی چھوٹی ہو تعمیر کرے۔ اس پر جنت واجب ہے۔ اسی طرح مسجد میں قرآن رکھنا یا مومنین کو قرآن پڑھنے کے لئے دینا یا عزا خانہ تعمیر کرنا یا مدرسہ دینیہ بنوانا یا ان چیزوں کی بقاو زیست کے لئے اپنی آمدنی یا اس کے کچھ حصہ کی وصیت کر جانا۔ غرضیکہ جب تک ان کارہائے خیر کا سلسلہ جاری رہے۔ اس کے نامہ اعمال میں ثواب کا اضافہ ہوتا رہے گا۔

اور انسان کو چاہیئے کہ صدقہ جاریہ کے لئے اگر کچھ مال کی وصیت کرنا چاہتا ہو تو جملہ امور خیر میں سے اہم تر کا انتخاب کرے تاکہ زیادہ سے زیادہ ثواب کا مستحق ہو۔ مثلاً از روئے حدیث عام مومن کے صدقہ سے فقیر مومن کے لئے صدقہ زیادہ اہم اور موجب ثواب ہے جو کمانے سے معذور ہو اور معذور مومن فقیر کے صدقہ سے رشتہ دار مومن فقیر کے لئے صدقہ زیادہ اہم اور موجب زیادتی ثواب ہے اور رشتہ دار مومن فقیر کے صدقہ سے طالب علم مومن کے لئے صدقہ زیادہ اہم اور ضروری ہے چنانچہ عام مومن کے صدقہ کا ثواب ایک کے بدلے دس گنا ہوتا ہے اور معذور مومن کے صدقہ کا ثواب ایک کے بدلہ میں سو گنا ہے اور رشتہ دار مومن فقیر پر صدقہ کرنے کا ثواب ایک کے بدلہ سات سو

گنا ہے اور والدین پر صدقہ کرنے کا ثواب ایک کے بدلہ میں ستر ہزار گنا ہے۔ اور طالب علم مومن پر صدقہ کرنے کا ثواب ایک کے بدلہ میں ایک لاکھ گنا ہے۔ چنانچہ اسی مضمون کی روایت عنوان الکلام میں حضرت امیر المومنین سے مروی ہے۔ ایک حدیث میں مروی ہے کہ اگر کوئی شخص کسی عالم یا طالب علم کی اعانت کرے خواہ کتنی ہی کیوں نہ ہو حتیٰ کہ اگرچہ وہ قلم شکستہ سے ہی ہو تو اس کا ثواب اتنا ہے کہ گویا اس نے ستر مرتبہ بیت اللہ کی تعمیر کی ہے۔

اقول۔ کعبہ اپنے مقام پر ایک بابرکت ٹکڑا ہے جو وہاں جاکر اپنے گناہوں سے تائب ہوا۔ اور اللہ کے سامنے جھک جائے تو خداوند کریم اس مبارک مکان کی وجہ سے اس کے گناہ معاف فرماتا ہے اور اس کو داخل جنت کرتا ہے۔

لیکن اہل علم کی امداد علماء اور طالبانِ علم کو طلبِ معاش سے بے نیاز کر کے ان کو خدمت علوم کا زیادہ سے زیادہ موقعہ دیتی ہے اور معاشی افکار سے فارغ ہو کر وہ علم کی طرف زیادہ توجہ صرف کرنے کے قابل ہوتے ہیں۔ پس ان میں سے ہر ایک اپنی نجات کے علاوہ ہزاروں افراد کے لئے آتش جہنم سے آزادی کا موجب بنتا ہے کیونکہ اگر علماء کا وجود نہ ہو تو کعبہ کی پہچان نہ ہوگی اور نجات کے لئے صرف کعبہ کا وجود کافی نہیں بلکہ معرفت بھی ضروری ہے انسان کعبہ کی معرفت حاصل کر کے اسی کا رُخ کرے۔ تب فائدہ ہوتا ہے اور یہ چیز بجز علمائے کرام کے دستیاب نہیں ہو سکتی۔ اسی بناء پر حدیث پاک میں کہا گیا ہے کہ کعبہ کے ظاہری وجود کی تعمیر سے علوم شرعیہ کی تعمیر میں کم از کم خرچ بھی ستر گنا زیادہ ثواب کا موجب ہے

پس معلوم ہوا کہ دینی تعمیری کاموں میں سب سے زیادہ اہم مدارسِ دینیہ کا قیام و بقا ہے صرف تقاریر اور ہاؤ ہو پر پیسہ اڑانا چنداں مفید نہیں ہے جیسا کہ مدارسِ دینیہ کا اہتمام مفید و کارآمد ہے۔ بلکہ ہر قوم کی قومی و مذہبی زندگی کی بقا کا زیادہ تر انحصار ان ادارہ ہائے دینیہ کے استحکام پر ہے جن میں قومی و مذہبی احساس و شعور کی خفتگی و غفلت کے دور کرنے کے انتظامات موجود ہوں اور وہ صرف اس صورت میں ہو سکتا ہے کہ قوم میں دینی مدارس کی بہتات و کثرت ہو اور ہونہار بچوں کو وہاں زیورِ تعلیم سے آراستہ کرنے کے لئے سہولتیں میسر ہوں تاکہ وہ بچے وہاں سے فارغ ہو کر اپنے اپنے قبیلہ میں عوام کے سامنے علمی و عملی طور پر اچھا کردار پیش کر سکیں اور یہ ظاہر ہے کہ قومیں علمی طاقت سے دنیا پر چھا سکتی ہیں اور علمی انحطاط ہی اقوام کی تذلیل کا موجب ہوتا ہے۔

قوم شیعہ عالمِ ہستی میں وہ ممتاز ترین قوم ہے جن کے نشان راہ پہ اقوام دنیا نے گامزن ہوکر مقصود تک رسائی کے منازل طے کئے یہ وہ قوم ہے جن کے آفتاب علم کی روشنی میں ہر دور کے صاحبانِ ذوق نے علومِ مختلفہ میں سیر کی راہ پائی اور یہی وہ قوم ہے جن کی ایثار شعاری اور حق کوشی اقوامِ عالم میں زبان زدِ خواص رہی۔ اسی قوم کی بے لوث قربانیوں نے طاغوتی و استبدادی نظریات کو صفحۂ دنیا سے حرف غلط کی طرح مٹا کر رکھ دیا اسی قوم نے صداقت و ثباتِ قدم کے بل بوتے پر ظلم و جور کی آہنی چٹانوں سے ٹکرا کر ان کو خاکستر کا ڈھیر بنا دیا۔ اسی قوم کے صبر و استقلال اور بلند حوصلگی نے ہمیشہ سے قصرِ باطل کی بنیادیں کھوکھلی کر دیں۔ اسی قوم کی پُرسکون و باوقار عملی و علمی زندگی نے انسانیت کی پیشانی سے غلط کردار کے طمانچے و بدنما داغ دھو ڈالے۔

لیکن نہایت مقامِ افسوس ہے کہ آج قوم شیعہ علومِ دینیہ میں اپنے قدم پیچھے سے پیچھے رکھتی جا رہی ہے اور جادۂ حق سے دن بدن ان کے قدم سرکتے جا رہے ہیں جس کے نتیجہ میں غیر قومیں ان کے علم و عمل کا جائزہ لے کر ماضی اور حال کی تاریخ و حالات سامنے رکھ کر ہرگز یہ کہنے کی جرأت نہیں کر سکتیں کہ یہ وہی قوم ہے جو کسی زمانہ میں شیعہ کے مقدس نام سے موسوم تھی

بدقسمتی سے اس قوم میں بعض ایسے جہلا بھی پیدا ہو گئے ہیں جو ترویجِ علوم آلِ محمد کے خلاف لسانی و قلمی و عملی محاذ قائم کئے ہوئے ہیں اور اسی قسم کے سرپھرے لوگوں کو بعض نااہل بڑے سے بڑے دقیع و وزنی خطابات سے موسوم کر کے ان کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں جس سے ان کی فرعونیت جوش میں آکر خدا والوں کے کچلنے کی بے سود تدبیریں سوچتی ہے لیکن انہیں یہ معلوم نہیں کہ حق کی آواز باطل کی سینہ زوریوں، خلط بیانیوں اور حیلہ سازیوں سے کبھی دب نہیں سکتی خدا جب چاہتا ہے اسی قسم کے اعداءِ دین پہ آخروی عذاب سے پہلے دنیاوی عذاب بھیج دیتا ہے اگر وہ توبہ کا طریقہ اختیار نہ کریں۔

غیر اس قسم کا مفسدانہ رویہ ہمیشہ سے رہا ہے۔ شیطنت حق سے ہمیشہ برسرِ پیکار رہی ہے لیکن ہمیشہ حق کا بول بالا رہا اور باطل کا منہ کالا۔ ایمان والوں کو کسی صورت میں ہمت نہ ہارنی چاہیئے۔ میدان میں سینہ تان کر مردانہ وار ڈٹ جانا چاہیئے۔ اگر یہ قوم میدان سیاست میں گامزن ہو کر قائد اعظم پیدا کر سکتی ہے۔ تو میدانِ علم و عمل میں پڑھ کر علامہ حلی۔ محقق۔ شیخ طوسی۔ شیخ مفید وغیرہ جیسی ہستیاں کیوں نہیں پیدا کر سکتی؟

اگر عراق و ایران کی زمین علامے و مجتہد پیدا کر سکتی ہے تو پاکستان کی زمین کے لئے کونسی چیز مانع ہے؟ صاحبان دولت و ثروت ارباب سیم و زر۔ تھوڑی سی توجہ کر کے اسی خواب پریشان کو شرمندہ تعبیر کر کے اسے ناقابل انکار حقیقت بنا سکتے ہیں۔ اپنی گرہ سے پیسہ دو پیسہ خرچ کرنے کے عادی صرف اپنی کثرت کے بل بوتے پر ملک بھر کے گوشہ گوشہ میں علمی مراکز قائم کر سکتے ہیں تو اپنی جیب سے ہزاروں روپیہ حسینی مشن پر قربان کرنے والے اپنی صداقت کی بنا پر علوم آل محمدؐ کی ترویج کا ملک بھر کے ہر زاویہ میں انتظام کیوں نہیں کر سکتے؟ بے شک وہ ایسا کر سکتے ہیں اور انشاء اللہ۔ ایسا ہی ہوگا۔

اس وقت میں کسی اور طرف نہیں جاتا۔ بلکہ آیت زیر بحث (آیت وصیت) کی طرف اپنی آخرت و قیامت سنوارنے والوں کو متوجہ کرتا ہوں۔ یہی مال و دولت۔ یہی سیم و زر اگر انسان چھوڑ کر مر جائے تو مرنے والے کے وارث خواہ دو پیسہ نیکی پر خرچ کریں یا برائی پر ہر دو صورت میں مرنے والے کے لئے برائے محشر باعث حسرت ہوگا۔ کیوں کہ اگر نیکی پر خرچ کریں گے تو قیامت کے دن ان کی جزا کو دیکھ کر افسوس کرے گا کہ کاش! میں نے اگر اپنے ہاتھ سے راہ خدا میں خرچ کئے ہوتے تو اس جزا سے محروم کیوں ہوتا؟ اور اگر وہ برائی پر خرچ کریں گے تو اس کے لئے بھی وبال میں زیادتی ہوگی کیوں کہ اس کا موجب یہی پیسہ ہوا ہے۔ جو اس نے چھوڑا تھا۔ پس کف افسوس ملے گا لیکن اس وقت کوئی فائدہ نہ ہوگا۔

لہٰذا ہر مومن اگر اپنے مقام پر اپنے مال حلال میں سے کچھ حصہ بطور وصیت کے علوم دینیہ کی ترویج و خدمات کے لئے معین کر جائے تو یہ صدقہ جاریہ جس طرح مرنے والے کے لئے قبر و حشر میں فائدہ مند ہوگا۔ اسی طرح اس کے فیض سے دنیا علوم محمدؐ و آل محمدؐ سے روشناس ہو کر علم و عمل سے معمور ہو کر رہے گی اور جب تک اس کے آثار باقی رہیں گے وصیت کرنے والے کے نامہ اعمال میں نیکیوں کا اضافہ ہوتا رہے گا اور دنیا میں بھی اس کا نام زندۂ جاوید رہے گا اور اس کے صدقہ سے فیض یاب ہونے والے ہمیشہ اپنی انتہائی عقیدت مندی سے اس کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے اپنی دعاؤں سے سرفراز فرماتے رہیں گے۔ ہماری دعا ہے کہ خداوند کریم آخرت کی طرف متوجہ ہونے کی توفیق مرحمت فرمائے اس صورت میں کوئی ضلع ایسا خالی نہ رہ سکے گا جہاں مرکز علمی کی کوئی نہ کوئی شاخ نہ پہنچ سکے۔ جامعہ علمیہ باب النجف جاڑا ضلع ڈیرہ اسمٰعیل خان بھی ان مدارس دینیہ اور مراکز علمیہ میں سے ہے جو قوم کو بہانگ دہل حیّ علیٰ خیر العمل کی دعوت دیتے ہیں اور مومنین کی توجہ سے ہمہ گیر صلاحیتوں کا حامل ہو سکتا ہے۔

ربط آیات:۔ قرآن مجید میں پہلے پہل معرفت کی دعوت، عامہ دیکر عبادت کی طرف بلایا گیا اور اس کے بعد مخالفین کی طرف سے وارد شدہ اعتراضات کا رد کیا گیا اور اب اصولی ابحاث کے بعد فروعی احکام کے بیان کا سلسلہ شروع ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ توحید۔ قیامت۔ کتاب۔ انبیاء اور ملائکہ پر ایمان لانے کے بعد اپنا محبوب مال خدا کی محبت میں قریبیوں یتیموں مسکینوں۔ مسافروں۔ سوالیوں اور غلاموں پر خرچ کرنا۔ نماز ادا کرنا۔ زکوٰۃ دینا۔ وفائے عہد کرنا۔ جہاد میں ثابت قدم رہنا اپنا شعار بناؤ اور ان عبادات کی طرف متوجہ کرنے کے بعد مسئلہ قصاص کا ذکر فرمایا تاکہ انسان ذاتی نیکیوں سے آراستہ ہو کر ظلم و استبداد و بے راہ روی کی ناپاک اور انسانیت سوز حرکات سے گریز کرے کیونکہ انسانی کمالات دو قسم کے ہیں (۱) اپنے میں نیک اوصاف کا پیدا کرنا اور اس کو تحلیہ کہا جاتا ہے (۲) اپنے سے بد عادات کو دور کرنا اور اس کو تخلیہ کہا جاتا ہے اور نفس انسانی کی تکمیل تحلیہ و تخلیہ ہر دو کے بغیر ناممکن ہے۔ یعنی کامل انسان وہ ہے جو صفاتِ حسنہ سے آراستہ ہو اور صفاتِ بد سے خالی ہو۔ مسئلہ قصاص کے بعد وصیت کے مسئلہ کا ذکر فرمایا تاکہ انسان میں صلہ رحمی کا جذبہ کارفرما رہے اور دوسرے برادرانِ ایمان کی امداد کو ذخیرۂ آخرت سمجھے اور اس کے بعد فوراً روزہ کا بیان شروع فرما دیا تاکہ اپنی بھوک و پیاس کے احساس سے انسان قرابت دار غرباء مساکین اور فقراء مومنین کے ساتھ ہمدردی کرنے کی طرف شوق و ذوق کے ساتھ قدم بڑھا سکے کیونکہ بھوکے کو بھوکوں کی بھوک کا جو احساس ہو سکتا ہے وہ پیٹ بھر کر کھانے والے کو نہیں ہو سکتا اور پیاسے کو پیاسوں کی پیاس کا جو درد معلوم ہوتا ہے وہ سیر ہونے والے کو نہیں ہو سکتا۔

maablib.org

فضائل ماہ مبارک رمضان

چونکہ اس رکوع میں روزہ کا بیان ہے لہٰذا مناسب ہے کہ پہلے ماہ مبارک رمضان کے کچھ فضائل بیان کئے جائیں چنانچہ مفاتیح الجنان میں شیخ صدوق سے بسند معتبر مروی ہے کہ حضرت امام رضا علیہ السلام نے بسلسلہ آبائے طاہرین علیہم السلام حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے نقل فرمایا ہے کہ جناب رسالتمآب نے ایک روز خطبہ میں ارشاد فرمایا ایُّھا الناس! تمہارے پاس اللہ کا مہینہ برکت و رحمت اور بخشش لے کر آیا ہے۔ یہ مہینہ خدا کے نزدیک تمام مہینوں سے بہتر ہے۔ اس کے دن تمام دنوں سے اور اس کی راتیں تمام راتوں سے اور اس کی گھڑیاں تمام گھڑیوں سے افضل ہیں۔ اس ماہ میں تم خدا کی مہمانی کی طرف مدعو کئے گئے ہو اور تم خدا کی کرامت کے اہل ہو گئے ہو۔ اس ماہ میں تمہارے سانس تسبیح خدا اور تمہاری نیند عبادت خدا کا ثواب رکھتی ہے اس ماہ میں تمہارے عمل مقبول اور تمہاری دعائیں مستجاب ہیں پس پروردگار سے اپنی نیتوں کی درستی اور گناہوں اور بدعادتوں سے دلوں کی پاکیزگی کا سوال کرو تاکہ خدا تم کو روزہ رکھنے اور قرآن پڑھنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ یقیناً شقی اور بدبخت انسان وہ ہے جو اس باعظمت مہینہ میں خدا کی بخشش سے محروم رہ جائے۔ اس ماں کی بھوک و پیاس سے روزِ قیامت کی بھوک و پیاس کا تصور کرو اپنے فقیروں اور مسکینوں پر صدقہ کرو بڑوں کی عزت کرو اور بچوں پر رحم کرو۔ قریبیوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو اپنی زبانوں کو نامناسب کلمات سے محفوظ رکھو اپنی آنکھوں کو ناجائز نگاہوں سے بچاؤ اپنے کانوں کو ایسی

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ	
اے ایمان والو۔	تم پر فرض کئے گئے روزے
الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ	
جس طرح فرض کئے گئے تھے ان لوگوں پر جو تم سے پہلے	
قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ ۱۸۳	
تھے تاکہ تم بچ جاؤ	

آواز کے سننے سے پاک رکھو جس کا سننا حرام ہے۔ یتیموں پہ مہربانی کرو تاکہ خدا تمہارے یتیموں پر مہربانی فرمائے اور گناہوں سے کنارہ کشی کر کے اللہ کی طرف رجوع کرو۔ اوقات نماز میں اپنے ہاتھوں کو اللہ کی بارگاہ میں دعا کے لئے بلند کرو کیوں کہ نماز کا وقت مقبولیت دعا کے لئے بہترین وقت ہے اس وقت خدا اپنے بندوں پہ نظر رحمت فرماتا ہے اور پکارنے والوں کی آواز پہ لبیک فرماتا ہے اور ان کی دعاؤں کو مستجاب کرتا ہے۔

لوگو! تمہاری جانیں رہن شدہ ہیں طلب بخشش سے ان کو فک کراؤ۔ تمہاری گردنیں گناہوں کی وجہ سے زیر بار ہیں طول سجدہ سے انکا بوجھ ہلکا کرو۔ حق تعالےٰ نے اپنی عزت و جلال کی قسم کھائی ہے کہ اس ماہ میں نماز پڑھنے والوں اور سجدہ کرنے والوں کو عذاب نہ کرے گا اور قیامت کے دن ان کو آتش جہنم سے خوفزدہ نہ فرمائے گا۔

ایھا الناس جو شخص اس ماہ میں روزہ دار مومن کو افطار کرائے گا خدا اس کو ایک غلام کے آزاد کرنے کا ثواب مرحمت کرے گا اور اس کے گناہانِ گذشتہ معاف کر دے گا۔ کسی نے عرض کی کہ حضور! ہم میں اتنی طاقت نہیں کہ افطار کرا سکیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ روزہ داروں کا روزہ افطار کرا کے آتش جہنم سے بچنے کی کوشش کرو اگرچہ نصف دانہ کھجور سے ہی ہو۔ یا اگرچہ ایک گھونٹ پانی سے ہی ہو خداوند کریم ایسا کرنیوالے کو بھی وہی ثواب عطا فرمائے گا اگر یہ شخص اس سے زیادہ پہ قدرت نہ رکھتا ہو

ایھا الناس! جو شخص اس مہینہ میں اپنے اخلاق پاکیزہ رکھے وہ پل صراط سے بآسانی گذر سے گا جبکہ قدم ڈگمگائیں گے اور جو شخص اس ماہ میں اپنے غلاموں اور کنیزوں سے ہلکا کام لے گا خدا اس سے قیامت کا حساب ہلکا کر دے گا۔ جو شخص اس ماہ اپنی سختی لوگوں سے کم کرے گا تو خدا اس سے قیامت کا غضب اٹھا لے گا جو اس ماہ میں یتیم کی عزت کرے گا تو خدا بروز قیامت اس کی عزت کرے گا جو اس ماہ میں صلہ رحمی اور قریبیوں پر احسان کرے گا تو خدا قیامت کے دن اس کو اپنی رحمت سے فیض یاب کرے گا اور جو اس ماہ میں قریبیوں سے قطع تعلقی کرے گا تو خدا قیامت کے دن اس کو اپنی رحمت سے دور کرے گا اور جو شخص اس ماہ میں سنتی نماز پڑھے گا تو خدا اس کے لئے آتش جہنم سے بیزاری فرض کر دے گا۔ اور جو شخص نماز واجب پڑھے گا تو دوسرے مہینوں کی نمازوں سے اس کو ستر گناہ زیادہ ثواب عطا فرمائے گا۔ اور جو شخص اس ماہ میں صلوٰت زیادہ پڑھے گا تو قیامت

کے روز اس کا نامہ اعمال روشنی ہوگا اور اس ماہ میں قرآن مجید کی ایک آیت پڑھنے والے کو دوسرے مہینوں کے ختم قرآن کے برابر ثواب ملے گا۔

ایھا الناس! اس ماہ میں بہشت کے دروازے کھلے ہیں پس خدا سے سوال کرو تاکہ تمہارے لئے بند نہ ہو جائیں۔ اور جہنم کے دروازے اس ماہ میں بند ہیں پس خدا سے سوال کرو تاکہ تمہارے لئے کھل نہ جائیں اور شیاطین اس ماہ میں مقید ہیں۔ پس خدا سے دعا مانگو تاکہ وہ تمہارے اوپر مسلط نہ ہو جائیں الخ

صاحب مفاتیح فرماتے ہیں۔ ماہ رمضان اللہ کا مہینہ ہے اور بہترین مہینہ ہے اس ماہ میں آسمانوں کے اور بہشت و رحمت کے دروازے کھلے رہتے ہیں اور دوزخ کے دروازے بند ہوتے ہیں اس ماہ میں ایک رات وہ ہے کہ اس میں عبادت دوسرے ہزار مہینوں کی عبادت سے افضل ہے پس فکر کرو کہ اس ماہ میں دن رات کیسے گزارتے ہو اور اپنے اعضاء کو پروردگار کی نافرمانیوں سے کس طرح محفوظ رکھتے ہو؟ ایسا نہ ہو کہ رات سونے میں دن غفلت میں گزار دو۔

حدیث میں ہے کہ اس ماہ دن کے آخر میں بوقت افطار حق تعالیٰ ہزار ہزار انسانوں کو آتش جہنم سے آزاد فرماتا ہے اور شب جمعہ در روز جمعہ ہر گھنٹہ میں ہزار ہزار آدمیوں کو آتش دوزخ سے آزاد کرتا ہے جن پر جہنم واجب ہوا کرتا ہے اور ماہ رمضان کی آخری رات اور دن میں اتنے انسانوں کو دوزخ سے نجات دیتا ہے۔ جتنے پورے ماہ میں نجات پاتے ہیں۔ پس اے عزیز ایسا نہ ہو کہ ماہ مبارک رمضان گزر جائے اور تیرے گناہ باقی رہ جائیں اور جب روزہ دار اپنی مزدوری وصول کریں تو تو محروم رہ جائے۔ پس اللہ کا قرب حاصل کرو۔ اس ماہ میں شب و روز تلاوت قرآن کے ساتھ نماز کے ساتھ۔ عبادت کے ساتھ اور استغفار کے ساتھ۔

چنانچہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ جس شخص کی مغفرت ماہ رمضان میں نہیں ہو سکتی تو دوسرے ماہ رمضان تک اس کی مغفرت نہیں ہو سکتی۔ مگر یہ کہ عرفات پر جانے کے لئے موفق ہو جائے پس اپنے آپ کو فعل حرام سے بچاؤ اور حرام چیز سے افطار نہ کرو۔

اور حضرت صادق علیہ السلام کے فرمان کے مطابق عمل کرو۔ آپ نے فرمایا جب تمہیں روزہ ہو تو چاہیئے کہ تمہارے کان۔ آنکھ۔ بال۔ کھال اور جملہ اعضاء روزہ دار ہوں یعنی محرمات و مکروہات کے قریب نہ جاؤ۔

آپ نے فرمایا! کہ تمہارا روزہ کا دن دوسرے عام دنوں کی طرح نہ ہونا چاہیئے۔
اور فرمایا کہ روزہ صرف کھانے اور پینے سے رُکنے کا نام نہیں بلکہ زبان کو جھوٹ سے اور آنکھ
کو حرام سے بچاؤ۔ ایک دوسرے سے نزع وحسد نہ کرو۔ گلہ وجھگڑا نہ کرو۔ جھوٹی قسمیں نہ کھاؤ بلکہ سچی قسم
بھی نہ کھاؤ۔ گالی وفحش نہ دو۔ ظلم وبے مروّتی اور دلِ تنگی نہ کرو اور یادِ خدا سے غفلت نہ کرو۔ ناگفتنی باتوں
سے چپ رہو۔ راست گو ہو جاؤ۔ اہلِ شر سے دوری رکھو۔ بدگوئی۔ دروغ۔ افتراء جھگڑا۔ بدگمانی غیبت
اور سخن چینی سے پرہیز کرو۔ اپنے آپ کو آخرت کے قریب سمجھو اور حضرت قائم آلِ محمد علیہ السلام
کے ظہور کی انتظار میں رہو۔ آخرت کے ثواب کی امید رکھو اور سفرِ آخرت کے لئے اعمالِ صالحہ کا زاد
تیار کرو اور لازم ہے کہ آرام دِل۔ آرام تن۔ خضوع وخشوع اور عاجزی وانکساری سے اس طرح رہو جس
طرح غلام اپنے آقا کے سامنے رہتا ہے۔ عذابِ خدا سے ڈرو اور رحمتِ خدا کے امیدوار رہو۔

اے روزہ دار! تیرا دِل عیبوں سے تیرا باطن مکر وحیلہ سے اور تیرا بدن میل کچیل سے پاک ہونا چاہیئے
خدا کی طرف غیر سے بیزاری حاصل کرو۔ اور حالتِ روزہ میں خالص اللہ کی محبت دِل میں رکھو۔ ظاہر و پوشیدگی
میں خدا کی منع کی ہوئی چیزوں سے خاموش رہو اور اعلانیہ وخفیہ ان چیزوں سے ڈرو جن سے ڈرنے کا حق
ہے۔ ایامِ روزہ میں اپنا روح وبدن اللہ کے حوالہ کرو اور اپنے دل کو اس کی محبت ویاد کے لئے فارغ
کر دو اور اپنے جسم کو اس کی فرمانبرداری کے لئے چھوڑ دو۔

پس جو کچھ میں نے بیان کیا اگر ان تمام پر تُو عمل کرے گا تو روزہ کے لئے جو کچھ سزاوار تھا تُو نے پورا
کر دیا اور اطاعتِ خدا بجا لایا اور اس سے جس قدر کم کرے گا تو روزہ کے ثواب سے بھی اسی قدر کم
ہو جائے گا۔ تحقیق میرے والد بزرگوار نے فرمایا کہ جناب رسالتمآبؐ نے سُنا کہ حالتِ روزہ میں ایک عورت
اپنی کنیز کو گالی دے رہی تھی پس آپ نے کھانا طلب فرمایا اور اس عورت کو اس نے کھانے کی دعوت
دی! اس عورت نے عرض کی! یارسول اللہ میں روزہ دار ہوں تو آپ نے فرمایا تجھے کس طرح روزہ
ہے۔ حالانکہ تو اپنی کنیز کو دشنام دے رہی تھی؟ روزہ صرف کھانا پینا بند کرنے کا نام تھوڑا ہے۔
تحقیق خدا نے روزہ کو تمام امورِ قبیحہ کا حجاب بنایا ہے خواہ بدکرداری ہو یا بدگفتاری ہو (پھر فرمایا) روزہ
دار کسقدر کم ہیں اور بھوک جھیلنے والے کسقدر زیادہ ہیں؟

حضرت امیرالمومنین علیہ السلام نے فرمایا بہت روزہ دار ایسے ہوا کرتے ہیں جن کا روزہ میں

سے حصّہ سوائے بھوک اور پیاس کے اور کچھ نہیں ہوتا اور بہت عبادت گزار ایسے ہوتے ہیں کہ عبادت میں سے ان کا حصّہ سوائے جسمانی کوفت کے اور کچھ نہیں ہوتا۔ عاقل (اہل علم و معرفت) کی نیند احمق کی بیداری و عبادت سے بہتر ہے اور ان کا افطار بے عقلوں کے روزوں سے افضل ہوتا ہے جابر بن یزید نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ جناب رسالتمآبؐ نے جابر بن عبداللہ انصاری کو فرمایا اے جابر! جو شخص ماہ رمضان میں دن کو روزہ رکھے اور رات کے ایک حصّہ میں عبادتِ خدا کرے اور اپنے شکم و فرج کو محفوظ رکھے حرام سے اور زبان کو بند رکھے تو جیسے وہ ماہ رمضان سے باہر آتا ہے۔ اپنے گناہوں سے بھی ویسے ہی باہر نکل جاتا ہے۔ جابر نے عرض کی آپ نے کیا خوب حدیث بیان فرمائی؟ آپ نے فرمایا۔ جابر! شرط بھی کسقدر سخت ہے۔؟

تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ ہشام بن حکم نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روزہ کے وجوب کی علّت دریافت کی تو آپ نے فرمایا کہ روزہ فرض کیا گیا ہے تاکہ امیر و غریب ایک جیسے ہو جائیں کیونکہ جب تک امیر بھوک کا ذائقہ نہ چکھیں غریب کا احساس ان کو نہیں ہوتا تاکہ ان پر رحم کریں۔ پس خدا نے چاہا ہے کہ امیر کو بھی بھوک کا ذائقہ چکھائے تاکہ غریب کے لئے اس کا دل نرم ہو اور بھوکے پر رحم کرے۔

روزہ ہائے ماہ رمضان کا ثواب تفصیل وار جنابؐ رسالتمآبؐ سے اس طرح منقول ہے جس کا ملخص پیش کرتا ہوں (از عمدۃ البیان)

یکم ماہ مبارک رمضان کو خداوند کریم میری امت کے گناہ بخشتا ہے۔ اور ان کے ہزار ہزار درجات بلند فرماتا ہے۔

دوسرے روزہ کے دن ہر ایک قدم کے بدلہ میں ایک برس کی عبادت و روزہ کا ثواب عطا فرماتا ہے

تیسرے روزہ کے عوض میں بدن کے بالوں کے برابر فردوس میں مروارید سفید کے قبّے جن کے اوپر و نیچے ہزار ہزار نور کے گھر اور نورانی تخت ہوتے ہیں عطا فرماتا ہے کہ ہر روز ہزار فرشتے ہدیے لیکر وہاں اس کے پاس حاضر ہوں گے۔

چوتھے روزہ کے بدلہ میں جنّت الخلد کے ستر ہزار محل عطا فرمائے گا کہ ہر محل میں ستر ہزار گھر اور ہر گھر میں پچاس ہزار تخت اور ہر تخت پہ ایک حور جس کی ایک ہزار کنیزیں ہوں گی کہ ہر کنیز دنیا

دمافیہا سے بہتر ہوگی۔

پانچویں روزہ کے بدلہ جنت الماوٰی میں خدا ہزار ہزار شہر عطا فرمائے گا کہ ہر شہر میں ستر ہزار گھر اور ہر گھر میں ستر ہزار دسترخوان اور ہر دسترخوان پر ستر ہزار خوانچے اور ہر خوانچہ میں ستر ہزار قسم کے کھانے ہوں گے جو ایک دوسرے کے مشابہ نہ ہوں گے۔

چھٹے روزہ کے عوض خدا جنت دارالسلام میں ایک لاکھ شہر عطا کرے گا کہ ہر شہر کا لاکھ محلہ اور ہر محلہ میں لاکھ گھر اور ہر گھر میں لاکھ طلائی تخت کہ ہر ایک کا طول ہزار ذراع ہوگا۔ اور ہر تخت پر حور ہوگی جس کے گیسوؤں میں موتی و یاقوت جڑے ہوں گے۔

ساتویں روزہ کے عوض خدا جنت النعیم میں ساٹھ ہزار عابدوں اور زاہدوں کا ثواب عطا فرمائے گا

آٹھویں روزہ کے عوض جنت النعیم میں خدا چالیس ہزار شہیدوں اور صدیقوں کا ثواب عنایت کرے گا

نویں روزہ کے بدلہ میں خدا ہزار عالموں اور ہزار مجاہدوں کا ثواب دے گا۔

دسویں روزہ کے عوض اس کی ستر ہزار حاجات خدا برلائے گا اور عالم کی ہر خشکی و تری کی مخلوق اس کے لئے طلب مغفرت کرے گی۔

گیارہویں روزہ کا ثواب پیغمبر کے ہمراہ کی ہوئی چار حجوں اور صدیقوں اور شہیدوں کے ہمراہ بجالائے ہوئے چار عمروں کے برابر ہے۔

بارہویں روزہ کے عوض خدا اس کے گناہوں کو بخشتا ہے اور نیکیوں کو ہزار گنا کرتا ہے۔

تیرہویں روزہ کا ثواب حرمین شریفین کے تمام عبادت گزاروں کے ثواب کے برابر خدا اس کو عطا فرماتا ہے

چودہویں روزہ کو حضرت آدمؑ۔ نوحؑ۔ ابراہیمؑ۔ موسیٰ سلیمانؑ اور داؤدؑ کی زیارت کا ثواب عطا کرتا ہے۔

پندرہویں روزہ کے عوض خدا اس کی دنیاوی و اخروی حاجات برلاتا ہے حاملان عرش اس کے لئے بخشش طلب کرتے ہیں اور بروز محشر خدا اس کو چالیس نور عطا فرمائے گا۔ جو ہر چہار طرف سے اس کا احاطہ کئے ہوں گے۔

سولہویں روزہ کا عوض اس کو بہشت کے ساٹھ حلے عطا ہوں گے۔ اور گرمی محشر سے بچنے کے لئے اس کے سر پر بادل کا سایہ ہوگا۔

سترہویں روزہ کے عوض خدا روزہ دار اور اس کے باپ دادا کے گناہ بخشتا ہے اور ان سے

قیامت کی سختی دور فرماتا ہے۔

اٹھارہویں روزہ کے عوض میں خداوند کریم شہدائے بدر کا ثواب عطا فرمائے گا اور تمام ملائکہ آئندہ سال تک اس کے لئے استغفار کریں گے۔

انیسویں روزہ کے بدلہ میں تمام فرشتے قبر میں جنتی تحفہ اور شراب طہور لیکر اس کی زیارت کو آئیں گے

بیسویں۔ روزہ کے عوض ستر برس کے روزوں کا ثواب عطا ہوگا۔ ستر ہزار ملائکہ شیاطین سے اس کی حفاظت کریں گے اور ہر ایک آیت کے قاریوں کے قاریوں اور پڑھنے جبرئیلؑ کی تعداد کے برابر اس کو ثواب عبادت ملے گا اور آیاتِ قرآنیہ کی تعداد کے برابر اس کو حوریں عطا ہوں گی۔

اکیسویں روزہ کے عوض خدا اس کی قبر ہزار فرسخ وسیع کرے گا اور ظلمت و وحشتِ قبر سے محفوظ ہو گا۔ اور اس کا چہرہ مثل چہرۂ یوسفؑ کے ہوگا۔

بائیسویں روزہ کے عوض ملک الموت انبیاء کی طرح اس کی قبض روح کے لئے آئے گا اور خدا دنیا و آخرت کے غم اور منکر و نکیر کے ہول سے اس کو بچائے گا

تیئیسویں روزہ کے عوض نبیوں۔ صدیقوں۔ شہیدوں اور نیکوں کے ہمراہ پل صراط سے پار ہوگا اور تمام امت کی یتیم پروری اور برہنہ پوشی کا ثواب اس کو ملے گا۔

چوبیسویں روزہ کے عوض مرنے سے پہلے اپنا مکان جنت میں دیکھے گا اور ہزار بیماروں۔ ہزار راہِ خدا میں ترک وطن کرنیوالوں اور ہزار غلام اولاد اسمٰعیلؑ سے آزاد کرنیوالوں کے ثواب کے برابر اس کو ثواب عطا ہو گا۔

پچیسویں روزہ کے عوض میں خدا نذیر عرش ہزار قبہ ہائے سبز تعمیر فرماتا ہے جن پر خیمۂ نور بلند کرتا ہے اور فرماتا ہے مجھے قسم ہے اپنی عزت و جلال کی کہ تم کو ہزار تاجِ نورانی پہنا کر نورانی ناقہ پر سوار کر کے ایسی جنت میں بھیجوں گا کہ تمام مخلوق حیران ہوگی۔

چھبیسویں روزہ کے عوض قتلِ ناحق اور غضب کے علاوہ ستر گناہانِ کبیرہ کو خدا معاف فرما دیتا ہے

ستائیسویں روزہ کا ثواب۔ تمام مومنوں کی امداد کرنے اور ہزار برہنہ کو لباس پہنانے۔ تمام کتب سماویہ کی تلاوت کرنے اور ہزار مجاہدوں کی خدمت کرنے کے برابر ہے۔

اٹھائیسویں روزہ کے عوض خدا اس کے لئے جنت الخلد میں لاکھ شہر نور کے اور جنت الماویٰ

میں لاکھ محل چاندی کے اور جنّت الفردوس میں لاکھ شہر سونے کے کہ ہر شہر میں ہزار کمرے ہوں عطا فرمائے گا الخ۔

انتیسویں روزہ کے عوض خدا ہزار محل عطا کرے گا کہ ہر محل میں ایک تخت سفید کافوری ہوگا اور ہر تخت پر سندس و استبرق کے ہزار فرش ہوں گے اور ہر فرش پر ایک حور ہوگی جس کے ستر ہزار حُلّے ہوں گے اور اس کے ہزار گیسو ہوں گے جو موتیوں اور یاقوتوں سے جڑے ہوں گے۔

تیسویں روزہ کا ثواب تمام گذشتہ روزوں کے برابر ہے اور علاوہ ازیں ہزار شہیدوں اور ہزار صدیقوں کے ثواب کے برابر ہے الخ جنّت کا ایک دروازہ ہے جس کا نام ریّان ہے اس میں سے صرف امت محمدیہ کے روزہ دار داخل ہوں گے (بحار الانوار ج)

مسئلہ:۔ ماہ رمضان مبارک میں روزہ کا وجوب ضروریات دین میں سے ہے اور اس کا منکر کافر واجب القتل ہے۔

مسئلہ:۔ علما نے ذکر کیا ہے کہ جو شخص جان بوجھ کر ماہ رمضان کا روزہ افطار کرے تو اس کی تعزیر پچیس تازیانے ہے اگر دوبارہ ایسا کرے تو پھر وہی تعزیر یعنی پچیس تازیانے ہوگی اور اگر تیسری دفعہ کریگا تو اس کی سزا قتل ہے اور بعض علماء کے نزدیک چوتھی دفعہ قتل ہے

مسئلہ:۔ روزہ نہ رکھنا یا روزہ رکھ کر توڑ دینا ایک جیسا ہے یعنی دونوں صورتیں گناہ کبیرہ ہیں

مسئلہ:۔ جو شخص بغیر عذر شرعی کے ماہ رمضان کا روزہ نہ رکھے تو اس پر قضا و کفارہ دونو واجب ہوتے ہیں۔ ایک روزہ کا کفارہ ہے غلام آزاد کرنا یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا یا ساٹھ روز لگاتار پے در پے رکھنا اگر اکتیس روزے پے در پے رکھ چکا ہے تو باقی روزے متفرق طور پر رکھ سکتا ہے لیکن اگر شروع سے ہی ناغہ کرتا جائے تو وہ روزے اس کے کفارہ میں شمار نہ ہوں گے۔ یعنی اکتیس ۳۱ تک پے در پے رکھنا ضروری ہے

مسئلہ:۔ اگر ایک شخص نے عمر کے ایک حصّہ میں روزے نہیں رکھے تھے تو ان کی قضا واجب ہے اور کفارہ بھی (بشرطیکہ ترک عمدی ہو) اور اگر کفارہ سے عاجز ہو تو اسے رحمتِ خدا سے مایوس نہ ہونا چاہئے۔ بارگاہِ خدا میں صدق نیت سے توبہ کرے اور استغفار کرے خدا کی رحمت سے بعید نہیں کہ معاف فرمادے۔

روزہ کے مفطرات

روزہ دار کے لئے جن چیزوں کا ترک ضروری ہے وہ چند چیزیں ہیں۔

(۱) کھانا۔ (۲) پینا۔

مسئلہ۔ کھانے اور پینے سے روزہ باطل ہوجاتا ہے خواہ تھوڑا ہو یا بہت اور وہ چیز عام عادۃً کھانے اور پینے میں استعمال ہونی والی ہو یا نہ ہو۔

مسئلہ۔ اگر روزہ کا خیال نہ رہے اور کوئی چیز کھا پی لی جائے تو روزہ باطل نہیں ہوتا لیکن یاد آجانے پر جو نوالہ یا گھونٹ منہ میں موجود ہو اس کو فوراً باہر نکال دے

مسئلہ تھوک اگر منہ میں جمع ہوجائے خواہ نوش اشیا کے تصور سے ہی ہو اس کے نگلنے سے روزہ باطل نہیں ہوتا۔

مسئلہ فضلاتِ دماغیہ یا کھانسی کی وجہ سے سینے سے خارج ہونے والے مواد غلیظہ اگر منہ تک آجائیں تو ان کے نگلنے سے روزہ فاسد ہوجاتا ہے لیکن اگر منہ تک نہ آجائیں اور اندر ہی اندر حلق سے اتر جائیں تو روزہ باطل نہیں ہوتا۔

مسئلہ آنکھ یا کان میں دوا ڈالنے سے روزہ باطل نہیں ہوتا۔

مسئلہ۔ بیماری کے علاج کے لئے ٹیکہ۔ انجکشن وغیرہ سے روزہ باطل نہیں ہوتا البتہ بھوک و پیاس روکنے کے لئے غذائیت یا طاقت کے لئے انجکشن کرانے سے پرہیز کرنی چاہیئے بلکہ روزہ دار کو ہر حالت میں حتی الامکان ان چیزوں سے بچنا چاہیئے۔

۳۔ جماع خواہ انزال ہو یا نہ ہو۔ مرد کے ساتھ ہو یا عورت کے ساتھ چھوٹے سے ہو یا بڑے سے۔ زندہ سے یا میت سے۔ انسان سے ہو یا حیوان سے۔ ہر صورت میں روزہ کو باطل کرتا ہے۔

۴۔ استمناء جان بوجھ کر مرد کا منی کو خارج کرنا۔ خواہ بوس و کنار کے ذریعہ ہو یا دید بازی سے ہو یا کسی اور طریقہ سے ہو جب کہ اس کا قصد ان افعال سے منی کا خارج کرنا ہو۔

مسئلہ روزہ دار کو اگر دن میں احتلام ہوجائے تو روزہ باطل نہیں ہوتا بشرطیکہ اس کے قصد کو دخل نہ ہو

۵۔ خدا اور رسول و ائمہ طاہرینؑ کی طرف عمداً جھوٹ منسوب کرنا بعض علماء کے نزدیک روزہ کا مبطل ہے اور مقتضاء اس کی ضروری ہے لہٰذا ماہ رمضان میں بیان کرنے والے کو چاہیئے کہ جس روایت کی صحت کا یقین نہ ہو اس کو بیان نہ کرے اور اگر کرے تو حکایت کے عنوان سے کرے۔

۶۔ گھنا غبار حلق تک پہنچانا۔ جس طرح آٹے کی گرد یا مٹی یا چونے وغیرہ کا غبار

مسئلہ۔ بخارات غلیظہ اور اسی طرح غلیظ دھواں بھی علماء نے غبارِ غلیظ کے حکم میں درج کئے ہیں لہٰذا ان سے بھی بچنا چاہیئے۔

مسئلہ۔ حقہ کا دھواں اگرچہ غلیظ نہ ہو اور بیڑی یا سگریٹ یا بیڑا جس کو بعض لوگ حقہ نوشی کی بجائے منہ میں رکھتے ہیں یا نسوار وغیرہ حالت روزہ میں ان کا استعمال بھی ترک کیا جائے۔

۷۔ پانی میں غوطہ لگانا۔ اس طریقہ سے کہ پورا جسم پانی کے اندر چھپ جائے۔

مسئلہ۔ اگر روزہ دار غسلِ واجب جان بوجھ کر ارتماس سے کرے تو روزہ و غسل دونوں باطل ہیں

۸۔ جان بوجھ کر صبح صادق تک جنابت سے رہنا۔

مسئلہ۔ جب رات کے وقت انسان پر حالت جنب طاری ہو جائے تو بغیر غسل کے اس پر سونا حرام ہے مگر اس صورت میں کہ اس کو قبل صبح صادق کے جاگ کر غسل کر لینے کا یقین ہو۔

مسئلہ۔ روزہ دار کو دن میں احتلام ہو جائے تو غسل فوراً کرنا ضروری نہیں البتہ تاخیر خلاف احتیاط ہے۔

مسئلہ۔ حیض و نفاس والی عورت کا روزہ درست نہیں بلکہ اس پر ان ایام کے روزوں کی قضاء کرنا واجب ہے اگر روزہ دار عورت پر دن کے کسی حصہ میں حالتِ حیض یا نفاس طاری ہو جائے تو روزہ اسی وقت باطل ہو جاتا ہے اور اس کی قضا لازم ہے خواہ غروب شمس سے بالکل معمولی وقت ہی باقی ہو۔ اسی طرح اگر کسی عورت کا خون حیض یا نفاس طلوعِ فجر کے بعد بند ہوا ہو تو اس کا اس دن کا روزہ صحیح نہیں اور اس کی قضا واجب ہے البتہ ماہ مبارک کے احترام کے پیش نظر (۳۱) کو کھانے پینے سے پرہیز کرنا چاہیئے۔

۹۔ مائع کے ساتھ حقنہ اگرچہ علاج کے لئے ہی ہو (عام اصطلاح میں اس کو انیما یا پچکاری کہا جاتا ہے)

۱۰۔ عمداً قے کرنا اگرچہ علاج کے لئے ہی ہو۔

مسئلہ اگر روزہ دار کے حلق میں بحالت نماز واجب مکھی یا مچھر یا دانتوں میں باقی ماندہ غذا کا کوئی ٹکڑا چلا جائے اور "تاخ" کئے بغیر اس کا نکلنا مشکل ہو تو اس کی کئی صورتیں ہیں۔ اگر نماز کے فارغ ہونے تک اس کو اسی مقام پر روک سکتا ہو تو نماز پڑھ لے اور پھر تاخ کر کے اس کو نکال دے۔ اگر اتنی دیر تک اس کو ضبط نہ کر سکتا ہو تو اب اس کو نگلتا ہے تو روزہ باطل اور تاخ کر کے نکالتا ہے تو نماز باطل لہٰذا اگر وہ ایسی چیز ہے جس کا کھانا عام حالت میں بھی حرام ہے جیسے مکھی وغیرہ تو اس صورت میں نماز کو باطل ہونے دے اور تاخ کر کے اس کو نکال دے خواہ نماز کا وقت تنگ ہی ہو۔ بعد ازاں نماز کو قضا پڑھ لے اور اگر ایسی چیز ہو جس کا عام حالت میں کھانا حرام نہیں ہے جیسے دانتوں میں بقیہ غذا کے ٹکڑے۔ تو پس اگر نماز کا وقت وسیع ہے تو نماز توڑ دے اور اس کو نکال دے اور اگر نماز کا وقت تنگ ہے تو نگل کر روزہ کو باطل ہونے دے اور نماز کو پورا کرے اور پھر روزہ کی قضا کرے۔

مسئلہ مندرجہ ذیل چیزیں روزہ دار کے لئے مکروہ ہیں جس طرح کہ علماء نے ذکر کی ہیں۔

۱۔ عورت کے ساتھ بوس و کنار و خوش طبعی جب کہ اس کا قصد منی کا لانا نہ ہو اور نہ ہی ایسی حالتوں میں منی کا آنا اس سے متوقع ہو۔

۲۔ ایسا سرمہ یا کاجل جس میں مشک کی ملاوٹ ہو یا ایسی چیز کی ملاوٹ جس کا ذائقہ یا بو حلق تک پہنچ جائے۔

۳۔ حمام میں داخل ہونا جب کہ اس کی کمزوری کا موجب ہو۔

۴۔ خون نکلوانا جب کہ بے ہوشی تک پہنچا دینے کا موجب نہ ہو۔ ورنہ حرام ہوگا۔

۵۔ ناک سے کوئی دوائی وغیرہ سونگھنا جبکہ حلق تک اس کا پہنچنا یقینی نہ ہو ورنہ ناجائز ہے۔

۶۔ ہر خوشبودار گھاس یا پھول کا سونگھنا خصوصاً نرگس۔

۷۔ جسم پر تر کپڑا ڈالنا ۸۔ عورت کا پانی میں بیٹھنا۔ ۹ دانت نکلوانا بلکہ ہر وہ چیز جس سے منہ میں خون آجائے ۱۰۔ جامد چیز سے حقنہ ۱۱۔ تر لکڑی سے مسواک کرنا ۱۲۔ عبث طور پر غرغرہ کرنا

۱۳۔ اشعار پڑھنا سوائے ان کے جو مطالب حقہ پر مشتمل مثلاً مدح آئمہ طاہرین یا مرثیہ پر مشتمل ہوں

۱۴۔ جھگڑا فساد کرنا۔ باقی روزہ کے تفصیلی احکام کتب فقہیہ سے حاصل فرمائیں۔

أَيَّامًا مَّعْدُودَاتٍ ۚ فَمَن كَانَ مِنكُم مَّرِيضًا

دن گنے ہوئے (ماہ رمضان) پس جو شخص تم میں سے بیمار ہو یا سفر پر

أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ۚ وَعَلَى الَّذِينَ

ہو پس یہی تعداد دوسرے دنوں سے (رکھدیں) اور ان لوگوں پر جو طاقت رکھتے ہیں

يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ ۖ فَمَن تَطَوَّعَ

فدیہ ہے روٹی ایک مسکین کی پس جو زیادہ کرے

خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهُ ۚ وَأَن تَصُومُوا خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ

تو اس کے لئے بہتری ہے اور روزہ رکھنا تمہیں اچھا ہے اگر

تَعْلَمُونَ ۝ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنزِلَ فِيهِ

تم جانتے ہو ماہ رمضان وہ ہے کہ نازل کیا گیا اس میں

الْقُرْآنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَىٰ

قرآن جو کہ ہدایت ہے لوگوں کیلئے اور روشن دلیلیں ہدایت اور

وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَن شَهِدَ مِنكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۖ

فرقان سے پس جو تم میں سے گھر میں حاضر ہو اس ماہ میں تو

وَمَن كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ

روزہ رکھے اور جو بیمار اور سفر پر ہو تو یہی تعداد دوسرے دنوں سے (رکھدے)

أَيَّامٍ أُخَرَ ۗ يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ

چاہتا ہے خدا تمہاری آسانی اور نہیں چاہتا تمہاری تنگی اور چاہئے کہ تعداد

الْعُسْرَ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَىٰ مَا هَدَاكُمْ

پوری کرو اور اللہ کی بزرگی بیان کرو کہ تمہیں اس نے ہدایت کی تاکہ تم

وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۝

شکر گذار ہو جاؤ

فَمَن كَانَ مذہب امامیہ کا اتفاق ہے کہ مسافر و بیمار، سفر اور بیماری کی حالت میں روزہ نہ رکھیں اور بعد عذر کے رفع ہو جانے کے ان پر قضا واجب ہے شرائط سفر یہ ہیں۔ (۱) مسافت تقریباً ساڑھے ستائیس میل یا اس سے زیادہ کا قصد ہو (۲) سفر جائز اور مباح ہو (۳) درمیان سفر میں اپنا وطن حائل نہ ہو یا دس روزہ قیام کی نیت نہ ہو (۴) خانہ بدوش نہ ہو (۵) کثیر السفر نہ ہو (۶) حد ترخص سے آگے نکل جائے۔

اور بیماری کی حد یہ ہے کہ روزہ رکھنے میں اس کو ضرر کا خطرہ ہو چنانچہ ابو بصیر کے سوال کے جواب میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام

نے ارشاد فرمایا کہ یہ معاملہ اس کے اپنے سپرد ہے۔ اگر وہ اپنے آپ کو روزہ رکھنے سے کمزور سمجھتا ہے تو روزہ نہ رکھے اور اگر اپنے جسم میں روزہ کی طاقت پاتا ہے تو روزہ رکھے

وَعَلَى الَّذِيْنَ۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے اس کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو پہلے طاقت رکھتے تھے اور اب بوجہ بوڑھاپن کے یا بوجہ پیاس کے عارضے کے روزہ رکھنا ان کے لئے باعثِ مشقت ہے۔ پس ان کا حکم یہ ہے کہ ہر روزہ کے عوض میں وہ بجائے روزہ کے ایک مُدّ طعام فدیہ کے طور پر مسکین کو دیں۔ مسکین سے مراد مومن مسکین ہے

مسئلہ عَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ کی تفسیر میں امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص ماہ رمضان میں بوجہ بیماری کے روزہ نہ رکھ سکے اور پھر ماہ مبارک کے گذر جانے کے بعد وہ تندرست ہو جائے لیکن آئندہ ماہ رمضان تک اس نے پچھلی قضاء کے روزے نہیں رکھے تو اب اس پر ان کی قضاء کے ساتھ ساتھ فدیہ بھی ہے یعنی ان روزوں کی قضا بھی رکھے اور ہر روزہ کے عوض میں ایک مُدّ طعام مومن مسکین کو صدقہ بھی دے اور اگر اس ماہ رمضان سے اگلے ماہ رمضان تک وہ مسلسل بیمار رہ جائے تو اس پر صرف فدیہ واجب ہے اور قضا واجب نہیں۔

شَهْرُ رَمَضَانَ۔ قرآن مجید کے ماہ مبارک رمضان میں نازل ہونے کے متعلق روایات میں اختلافی صورت موجود ہے چنانچہ ابن عباس سے منقول ہے کہ قرآن لیلۃ القدر میں یک مشت آسمان دنیا پر نازل ہوا اور اس کے بعد جناب رسالتمآبؐ پر قسط وار بیس برس میں اترتا رہا اور ایک روایت میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے بھی ایسا ہی قول مروی ہے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ شبِ قدر میں سالِ رواں کی ضرورت کے مطابق قرآن کا ایک حصہ اٹھا آسمانِ اوّل پر اتارا جاتا تھا اور پھر رفتہ رفتہ دورانِ سال میں آنحضورؐ پر نازل ہوتا رہتا تھا اور بعض روایات میں ہے کہ جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا کہ صحف ابراہیمؑ ۳ ماہ رمضان کو اترے یا بعض روایات میں ہے کہ یکم ماہ رمضان کو اترے اور تورات موسیٰؑ ۶ ماہ رمضان کو نازل ہوئی اور انجیل عیسیٰؑ ۱۳ ماہ رمضان کو اتری اور زبورِ داؤدؑ ۱۸ ماہ رمضان کو نازل ہوئی اور قرآن مجید ۲۴ ماہ رمضان مبارک کو اترا (مجمع البیان)

تفسیر برہان میں جناب امام صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ ماہ رمضان تمام مہینوں سے افضل ہے اور ماہ رمضان کا دل شبِ قدر ہے اور قرآن مجید ماہ رمضان کی پہلی رات نازل ہوا ہے۔

بعض روایات میں ہے کہ قرآن ماہ رمضان میں بیت المعمور پر اترا اور پھر بیس برس میں آنحضورؐ پر اترتا رہا۔

امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ ایسا نہ کہا کرو کہ رمضان آیا۔ رمضان گیا کیونکہ رمضان اللہ کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ پس کہا کرو شہر رمضان یعنی ماہ رمضان کیوں کہ یہ مہینہ منسوب ہے طرف رمضان کے۔

وَالْفُرْقَان۔ امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ قرآن سے مراد پوری کتاب ہے اور فرقان سے مراد وہ آیاتِ محکمہ ہیں جن پر عمل کرنا واجب ہے۔

فَمَنْ شَهِدَ بعض مفسرین نے اس کا مطلب یہ بھی لیا ہے کہ جو شخص گھر پر ہو اور ماہ رمضان اس پر داخل ہو جائے تو اس پر لازم ہے کہ پورا مہینہ روزے رکھے یعنی سفر کو نہ جائے اور جو پہلے سے ہی مسافر ہے تو گھر پہنچنے کے بعد جس قدر ماہ رمضان کے ایام باقی ہوں روزے رکھے اور سفری ایام کے روزے بعد میں قضا کرے۔

تفسیر برہان میں ہے۔ ایک شخص نے حضرت امام جعفر صادقؑ سے ماہ رمضان میں سفر کرنے کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے اسی آیت مجیدہ سے استدلال فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ جو شخص گھر میں موجود ہو اور ماہ رمضان داخل ہو جائے تو اب اس کے لئے سفر کو جانا درست نہیں سوائے حج و عمرہ کے یا ایسے مال کی طلب کے لئے جس کے تلف ہونے کا ڈر ہو۔

پس مناسب یہی ہے کہ بلا وجہ ماہ مبارک میں سفر اختیار نہ کرے۔ بعض لوگوں نے دستور بنا لیا ہے کہ ماہ رمضان میں ہی سفر اختیار کر لیتے ہیں خصوصاً طبقہ ذاکرین کے متعلق یہ عام شکایت ہے۔ اگرچہ جوازِ سفر کے لئے شرعی بہانے بنائے جا سکتے ہیں جس کی بنا پر ظاہر شریعت کی رُو سے انہیں گرفت نہیں کی جا سکتی لیکن اس پر جو مفاسد مرتب ہوتے ہیں ان کی ذمہ داری بہت مشکل ہے۔ (۱) جس شریف کے ہاں جا کر مہمان ہوئے اگر وہ صوم و صلوٰۃ کا پابند ہو تو یہ لوگ ان کو بے وقت تکلیف دینے کا موجب ہوتے ہیں نہ تو وہ تر شروئی کر سکتے ہیں اور نہ طیب خاطر سے فرائض میزبانی ادا کر سکتے ہیں۔ چنانچہ مشاہدہ خود اس کا گواہ ہے۔

۲۔ اگر میزبان خود غافل و روزہ کا پابند نہیں تو ان لوگوں کی آمد سے اس کے خبث باطن کو اور تقویت

مل جاتی ہے۔ ویسے تو وہ چھپ کر کھانا پکاتے اور کھاتے پیتے تھے۔ اب اس مہمان کے بہانہ سے وہ خود بھی اعلانیہ ماہ مبارک کی توہین پر جرات کرتے ہیں۔

۳۔ غیر شیعہ لوگ جب یہ حالت مشاہدہ کرتے ہیں تو شیعوں پر ان کو اعتراضات کا موقع مل جاتا ہے اور جو لوگ شیعہ مذہب کی طرف قدرے مائل ہوتے بھی ہیں تو ان حالات کو دیکھ کر وہ متنفر ہو جاتے ہیں۔ بے شک ان کو یہ جواب دیا جا سکتا ہے کہ مسافر پر روزہ واجب نہیں ہے۔ لیکن اگر وہ یہ کہیں کہ کونسی اہم ضرورت لاحق ہو گئی تھی کہ آپ خواہ مخواہ رختِ سفر باندھ کر گھر سے نکل کھڑے ہوئے سوائے اس کے کہ آپ روزہ سے جی چرا کر ہی ایسا کر رہے ہیں تو اس کا جواب سوائے حیلہ سازی و بہانہ جوئی کے اور کچھ نہیں ہوتا اور بعض اوقات عین مجلس میں مجمع عام کے سامنے میز پر سے گڑ وغیرہ اٹھا کر کھاتے بھی رہتے ہیں اور مجلس بھی پڑھتے رہتے ہیں اس میں ماہ مبارک رمضان کی سخت توہین ہے اور یہ شریعت طاہرہ کے ساتھ مخول بازی ہے مذہب حقہ جعفریہ اس قسم کی ناشائستہ اور غیر ذمہ دارانہ حرکات سے بیزار ہے کیونکہ فتویٰ یہ ہے کہ اگر عذر شرعی کی وجہ سے انسان کو روزہ نہ ہو تب بھی چاہیئے کہ در پردہ کھائے پیئے۔ تاکہ ماہ مبارک کی ہتکِ عزت نہ ہو۔

الحاصل اہم اور نہایت ضروری مقصد کے لئے ماہ مبارک رمضان میں بھی سفر کیا جا سکتا ہے لیکن کھانے پینے میں ماہ مبارک رمضان کے ادب و حرمت کی پاس رکھنا ضروری ہے۔

مسئلہ۔ حالت سفر میں واجب روزہ رکھنا حرام ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ سفر میں روزہ رکھنا ایسا ہے جیسا کہ گھر میں نہ رکھنا۔

ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا اگر کوئی شخص سفر میں روزہ کی حالت میں مر جائے تو میں اس پر نماز جنازہ بھی نہ پڑھوں گا۔

ایک روایت میں آپ سے مروی ہے کہ جب یہ آیت اتری تو جناب رسالتمآبؐ سفر میں نہ واجب روزہ رکھتے تھے اور نہ سنتی۔

مسئلہ سفر یا مرض میں قضا ہونے والے روزے اگلے ماہ رمضان سے پہلے رکھنے چاہئیں ورنہ بلا عذر تاخیر کرنے سے قضا کے علاوہ ایک مُدّ فی روزہ فدیہ دینا پڑے گا۔

مسئلہ قضا روزوں کا پے در پے بلا ناغہ رکھنا واجب نہیں ہے بلکہ متفرق طور پر رکھے

جا سکتے ہیں۔ لیکن پے در پے رکھنا مستحب ہے۔

مسئلہ۔ ماہ رمضان کا قضا روزہ زوال سے پہلے اگر افطار کیا جائے تو اس پر کفارہ نہیں لیکن اگر بعد زوال کے بلا عذر افطار کرے تو ناجائز ہے۔ اس کا کفارہ دس مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے اور یہ ناممکن ہو تو پھر تین روزے رکھنا

مسئلہ۔ جس دن سفر کرنے کا ارادہ ہو تو گھر میں روزہ رکھ لے جب روانہ ہو کر حدِ ترخص سے نکل جائے۔ تب افطار کرے ورنہ اگر پہلے سے افطار کرے گا تو اس پر قضا و کفارہ دونوں واجب ہو جائیں گے۔

مسئلہ اگر زوال شمس کے بعد سفر اختیار کرے تو اس دن کا روزہ واجب ہے اور درست ہے۔ اسی طرح اگر قبل از زوال گھر سے روانہ ہو لیکن حد ترخص سے نکلنے سے پہلے زوال ہو جائے تو روزہ صحیح ہے اور اس کا توڑنا حرام ہے۔

مسئلہ اگر سفر سے واپس زوال سے پہلے گھر پہنچ جائے یا حد ترخص تک پہنچ جائے تو اگر پہلے کوئی چیز کھا پی نہ چکا ہو تو نیت روزہ واجب ہے اور اس دن کا روزہ اس کا صحیح ہو جائے گا اور اگر کچھ کھا پی چکا ہو تو روزہ اگرچہ نہیں لیکن ماہ مبارک کی پاس ادب کے لئے کھانے پینے سے رکا رہنا مستحب ہے۔ اور اگر بعد زوال کے گھر پہنچے تو روزہ نہ ہو سکے گا خواہ اس سے قبل سارا دن کچھ کھایا پیا نہ بھی ہو لیکن ماہ مبارک کے احترام کے پیش نظر کھانے پینے سے اجتناب مستحب ہے

مسئلہ۔ قضا روزوں میں یہ ضروری نہیں کہ ہر روزہ کی تعین کرے مثلاً یہ کہ آج فلاں تاریخ کا قضا روزہ رکھ رہا ہوں۔ بلکہ اتنا کافی ہے کہ جس قدر فوت ہوئے ہیں اتنے دن بنیت قضا روزے رکھ دے۔

maablib.org

مندرجہ ذیل افراد کے لئے ماہ رمضان میں افطار کرنا جائز ہے۔

۱۔ بوڑھا مرد۔ بوڑھی عورت۔ اگر روزہ رکھنا ان کے لئے موجب ہرج و باعث مشقت ہو تو روزہ نہ رکھیں اور ہر روزہ کے عوض میں ایک مد طعام مومن مسکین کو فدیہ دیں۔

۲۔ ذوالعطاش۔ یعنی جس شخص کو پیاس کی بیماری ہو کہ صبر کرنا اس کے لئے ناممکن ہو یا باعث مشقت ہو تو روزہ نہ رکھے اور ہر روزہ کے بدلہ میں ایک مد طعام مومن مسکین کو دے دے۔

۳۔ حاملہ عورت جس کو روزہ ضرر دیتا ہو یا اس کے بچہ کو ضرر کا خطرہ ہو تو روزہ نہ رکھے اور فدیہ دے لیکن بعد میں اس پر ان ایام کے روزوں کی قضا واجب ہے۔

۴۔ مرضعہ۔ وہ عورت جو بچہ کو دودھ پلاتی ہے اور اس کا دودھ کم ہے اگر روزہ رکھے تو اس کو یا اس کے بچہ کو ضرر پہنچنے کا احتمال ہے تو اس کا حکم بھی یہی ہے کہ روزہ نہ رکھے اور ہر دن کا بدلہ ایک مد طعام فدیہ دے اور بعد میں قضا بھی کرے۔ اس میں فرق نہیں کہ بچہ اس کا اپنا ہو یا کسی اور کا بچہ مزدوری پہ یا تبرعاً الی اللہ پال رہی ہو۔

وَاللّٰہُ یُرِیْدُ یعنی خدا آسانی چاہتا ہے۔ بندوں کو تکلیف اور مشقت میں ڈالنا پسند نہیں فرماتا یہ آیت مجیدہ ان لوگوں کے عقیدۂ فاسدہ کو چیلنج کر رہی ہے جو جبر کے قائل ہیں کیونکہ اگر انسان اپنے افعال میں مجبور و بے بس ہوتا تو یہ آیت بے معنی ہو جاتی۔ کیوں کہ جو انسان فعل پر مجبور کیا گیا ہو اس کو نیکی کا حکم دینا۔ تکلیف مالا یطاق ہے اور خدا عیب و شر کی تکلیف (مشقت والے کام کی بجا آوری) کا حکم دینا پسند نہیں کرتا تو تکلیف مالا یطاق (ناشدنی امر کی تکلیف دینا) کیسے پسند فرماتا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ انسان اپنے افعال میں مختار ہیں اور خداوند کریم اپنے فضل و کرم سے بندوں کو انہی کاموں کی بجا آوری کا حکم دیتا ہے جس کو وہ خود آسانی سے بجا لا سکتے ہوں

تفسیر باطنی میں آئمہ اطہار علیہم السلام سے یُسر کی تاویل ولایت اہلبیت علیہم السلام اور عُسر کی تاویل ولایت اغیار مروی ہے۔

وَلِتُکَبِّرُوا اللّٰہَ عَلٰی مَا ھَدٰکُمْ۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ اس تکبیر سے مراد شب عید الفطر کی تکبیرات ہیں۔ چنانچہ آپ نے فرمایا کہ شب عید الفطر تکبیر سنت ہے راوی نے پوچھا کہ وہ کس وقت؟ تو آپ نے فرمایا کہ نماز مغرب، نماز عشاء، نماز صبح، اور نماز عید کے بعد۔ راوی نے دریافت کیا کہ اس کی کیفیت کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ اس طرح کہے اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ عَلٰی مَا ھَدٰنَا اور روایات میں ان الفاظ سے کم و بیش الفاظ بھی منقول ہیں۔ جس روایت پہ عمل کیا جائے سنت ادا ہو سکتی ہے۔

ماہ رمضان کی فضیلت کے متعلق جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک نقل شدہ حدیث میں ہے

کہ آپ نے فرمایا۔ یہ مہینہ دوسرے ہزار مہینوں سے افضل ہے اس میں روزہ رکھنا فرض ہے اس ماہ میں دو رکعت نماز نافلہ دوسری ستر شب کی عبادت کے ہے۔ اس ماہ میں کوئی مستحب کام ادائے فریضہ کا ثواب رکھتا ہے اور اس کا فریضہ دوسرے مہینوں کے ستر فریضوں کے برابر ہے۔ یہ صبر اور ہمدردی کا مہینہ ہے۔ خدا اس ماہ میں رزق کا اضافہ کرتا ہے۔ جو شخص روزہ دار مومن کا روزہ چھڑوائے تو اس کو غلام آزاد کرنے کا ثواب ملے گا اور گناہ اس کے بخش دیئے جائیں گے۔ کسی نے کہہ دیا کہ حضور! ہم دوسروں کو افطار نہیں کرا سکتے تو آپ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص زیادہ پر قادر نہ ہو تو کھٹے دودھ پر یا آب شیریں کے گھونٹ پر یا کھجور کے چند دانوں پر افطار کرا دے پس اس کو بھی ویسا ہی ثواب عطا فرمائے گا۔ جو اس ماہ میں اپنے غلام سے تخفیف کرے خدا اس کا قیامت کا حساب ہلکا کرے گا۔ یہ وہ مہینہ ہے کہ اس کا اول رحمت اور وسط مغفرت اور آخر اجابت اور جہنم سے آزادی ہے۔ اور نیز آپ نے فرمایا کہ روزہ دار کی نیند عبادت اور خاموشی تسبیح اور دعا مقبول اور عمل دگنا ہوا کرتا ہے۔ (از مجمع البیان)

ماہ مبارک رمضان میں قرآن کی تلاوت زیادہ کرے اگر تیسرے دن ختم کرے تو خوب ہے اور روزانہ ختم کر سکے تو زیادہ بہتر ہے ورنہ کم از کم ماہ مبارک میں ایک ختم تو ضرور کرے۔ روایت میں ہے کہ ہر چیز کی بہار ہوا کرتی ہے اور ماہ مبارک کی بہار قرآن مجید کی تلاوت ہے۔ اس ماہ مبارک میں سزاوار ہے کہ انسان اپنی زبان کو حمد و ثنا پروردگار یا درود شریف یا دیگر اذکار سے تر رکھے اور شب و روز کی منقول دعائیں پڑھ کر ثواب حاصل کرے۔ مفاتیح الجنان میں ماہ رمضان مبارک کے شب و روز کے اعمال اور ادعیہ منقولہ کافی بسط و تفصیل کے ساتھ درج ہیں۔

maablib.org

وَاِذَا سَاَلَكَ

کسی نے جناب رسولؐ خدا سے سوال کیا کہ آیا خدا قریب ہے یا بعید تاکہ اس کے قرب و بعد کے لحاظ سے اس کے

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ؕ

اور جب آپ سے پوچھیں میرے بندے میرے متعلق تو بتا دیجئے کہ میں قریب ہوں

اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ

قبول کرتا ہوں دعا دعا کرنیوالے کی جب مجھ سے دعا کرے پس انہیں چاہیئے کہ میری بات کو قبول

وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ ﴿۱۸۶﴾ أُحِلَّ

کریں اور میرے ساتھ ایمان لائیں تاکہ ہدایت یافتہ ہوں حلال

لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَىٰ نِسَائِكُمْ ۚ هُنَّ

ہے تمہارے لئے روزوں کی رات میں مباشرت اپنی عورتوں سے وہ

لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ۗ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ

تمہارا لباس ہیں اور تم ان کا لباس ہو آگاہ ہے اللہ کہ تحقیق تم خیانت

كُنتُمْ تَخْتَانُونَ أَنفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ

کرتے تھے اپنے نفسوں سے پس اس نے رجوع رحمت کیا

وَعَفَا عَنكُمْ فَالْآنَ بَاشِرُوهُنَّ وَابْتَغُوا مَا

تم پر اور تمہیں معاف کر دیا پس اب ان سے مباشرت کرو اور طلب کرو جو

كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ ۚ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ

لکھا ہے اللہ نے تمہارے لئے اور کھاؤ پیو یہاں تک کہ ظاہر ہو

لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ

جائے تمہارے سامنے تاگا سفید کا سیاہ کی شب سے جو کہ فجر کا

الْفَجْرِ ۖ ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ ۚ وَلَا

حصہ ہے پھر پورا کرو روزوں کو رات تک اور ان سے

تُبَاشِرُوهُنَّ وَأَنتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ ۗ تِلْكَ

نہ مباشرت کرو جبکہ تم اعتکاف کرنیوالے ہو مسجدوں میں

حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَقْرَبُوهَا ۗ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ

یہ اللہ کی حدیں ہیں ان کے پاس مت جاؤ اسی طرح اللہ اپنی نشانیاں

آيَاتِهِ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴿۱۸۷﴾

بیان فرماتا ہے لوگوں کے لئے تاکہ وہ بچیں۔

پکارنے میں نیچی یا اونچی آواز کا استعمال کریں تب یہ آیت اتری۔

أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ .. جناب رسالتمآب سے مروی ہے کہ عاجز ترین شخص وہ ہے جو دعا سے عاجز ہو اور بخیل ترین وہ ہے جو سلام سے بخل کرے ایک شخص نے امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی کہ میں اپنے بھائیوں اور موالیوں کے لئے دعا کرتا رہتا ہوں آپ کی اس میں کیا رائے ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ خدا غائب کی دعا غائب کے لئے قبول فرماتا ہے اور جو شخص مومنین اور مومنات اور اہل

مودّت کے لئے دُعا کرے خدا آدمؑ سے لیکر قیامت تک کے تمام مومنین کے برابر نیکیاں اس کو عطا فرمائے گا۔ پس آپ نے فرمایا کہ خدا نے نمازیں بہترین اوقات میں فرض کی ہیں پس نمازوں کے بعد دعا مانگا کرو اس کے بعد حضرت نے اس کے لئے اور جملہ حاضرین کے لئے دعا کی۔

تاخیر قبولیّت دعا کی وجہ ایک شخص احمد نامی نے حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی کہ مولا میں نے ایک عرصہ سے ایک حاجت کا اللہ سے سوال کیا ہوا ہے اور اب قبولیت کی تاخیر کی وجہ سے میرے دِل میں کچھ شک جیسا آتا ہے حضرت نے فرمایا اے احمد! شیطان کے پھندے سے بچکر رہ کہ تجھے کہیں رحمت خدا سے مایوس نہ کر دے۔ تحقیق (میرے جد) امام محمد باقر علیہ السلام فرمایا کرتے تھے کہ بعض اوقات مومن دعا مانگتا ہے تو خداوند کریم اس کی قبولیّت کو مؤخر کر دیتا ہے۔ کیوں کہ اس کی غمناک آواز اور دردناک لہجہ خدا کو محبوب ہوتا ہے اور علاوہ اس کے بات یہ ہے کہ دنیا میں منافع دنیاویہ میں سے جو کچھ مومن خدا سے طلب کرتے ہیں۔ جن کو اب خدا نے معرضِ التواء میں ڈال دیا ہے وہ ان نعماتِ دنیاویہ سے بہتر نہیں ہیں جو خدا نے ان کو عطا کر دی ہیں۔ اور دنیا چیز کیا ہے؟ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرمایا کرتے تھے کہ مومن کو خوشحالی کی حالت میں بھی خدا سے ایسی ہی دعا مانگنی چاہئے جیسے کہ سختی کے زمانہ میں مانگتا ہے ایسا نہ ہو کہ جب مطلوب حاصل ہو جائے تو دعا سے سست ہو جائے اور دعا سے تھک نہ جانا چاہئے کیونکہ وہ اللہ کے پاس محفوظ ہے اور تمکو صبر اور طلب حلال اور صلہ رحمی لازمی طور پر اختیار کرنی چاہئے اور لوگوں کے ساتھ دشمنی سے بچتے رہنا چاہئے ہم اہلبیتؑ کا دستور ہے کہ قطع رحمی کرنیوالے سے بھی ہم صلہ رحمی کرتے ہیں۔ اور بُرا برتاؤ کرنیوالے سے بھی ہم اچھائی کا برتاؤ کرتے ہیں۔ پس خدا کی قسم اس میں ہمیں بڑا سکون نصیب ہوتا ہے تحقیق دنیا میں صاحب نعمت اگر کسی چیز کا سوال کرے اور اس کو اس کی سوال کردہ چیز کے علاوہ کوئی دوسری شئے مل جائے اور وہ اس کو حقیر و معمولی سمجھے تو ایسا شخص کسی بھی شئے سے سیر نہیں ہوتا اور جب انسان پر نعمتیں زیادہ ہوتی ہیں تو ان کے حقوقِ واجبہ سے مسلمان کے لئے جان چھڑانا اور اس کے فتنہ سے بچنا مشکل ہوا کرتا ہے (اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ مجھے بتاؤ کہ اگر میں تجھے کوئی بات کہوں تو آیا میری بات پر تجھے وثوق آئے گا؟ راوی کہتا ہے کہ میں نے عرض کی مولا! آپ پر فدا ہو جاؤں اگر مجھے آپ کے فرمان پر اعتماد

نہ ہو تو پھر کس کے قول پر اعتماد ہوگا ؟ حالانکہ آپ خلقِ خدا پر حجتِ خدا ہیں۔ پس حضورؑ نے فرمایا تو پھر تجھے خدا کی بات پر زیادہ مطمئن رہنا چاہیئے کیونکہ وہ وعدہ فرما چکا ہے اور فرما دیا ہے کہ وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ اور نیز فرمایا وَلَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اور نیز فرمایا وَاللّٰهُ یَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا پس غیر کی بات پر وثوق کرنے سے خدا کی فرمائش پر زیادہ وثوق کرنا چاہیئے۔ اور دلوں میں نیک بات لانی چاہیئے۔ پس خدا تمہیں بخش دے گا۔

ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی کہ مولا! قرآن مجید کی دو آیتوں میں مجھے دعویٰ کی تصدیق نہیں ملتی۔ آپ نے فرمایا وہ کیا ہیں۔ سائل نے کہا کہ ایک تو آیت ہے کہ خدا فرماتا ہے اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ (مجھ سے دعا کرو تو میں قبول کروں گا) ہم دعائیں مانگتے ہیں لیکن ان کی قبولیت نہیں پاتے۔ آپ نے فرمایا کیا تیرے خیال میں خدا نے خلافِ وعدہ کیا ہے ؟ سائل نے کہا نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ پھر ایسا کیوں ہوتا ہے ؟ سائل نے کہا نہ معلوم۔ آپ نے فرمایا کہ میں تجھے اس کی حقیقت بتاؤں کہ جو شخص اللہ کی اطاعت کرے اور پھر دعا مانگے جس طرح دعا مانگنے کا طریقہ ہے (اس کی دعا مقبول ہے) سائل نے عرض کی دعا مانگنے کا طریقہ کیا ہے ؟ آپ نے فرمایا کہ پہلے اللہ کی حمد کرے پھر اس کی نعمات کو یاد کر کے شکریہ ادا کرے پھر درود پڑھے اور اپنے گناہوں کو یاد کر کے ان کا اقرار کرے اور ان سے توبہ کرے پس یہ دعا کا طریقہ ہے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ دوسری آیت کونسی ہے ؟ سائل نے عرض کیا کہ وہ یہ ہے وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَهُوَ یُخْلِفُهٗ وَهُوَ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ (تم کچھ بھی خرچ کرو۔ پس خدا اس کا بدل عطا فرماتا ہے اور وہ بہترین رزق دینے والا ہے) پس میں تو خرچ کرتا ہوں اور اس کا بدل نہیں پاتا۔ آپ نے فرمایا کہ تیرے خیال میں خدا نے خلافِ وعدہ کیا ہے ؟ سائل نے کہا ہے کہ۔ نہیں! آپ نے فرمایا پھر یہ کیوں ہے ؟ سائل نے کہا! نہ معلوم آپ نے فرمایا کہ تم حلال سے کسب کرو اور حلال کے راستہ میں خرچ کرو اس صورت میں کوئی درہم خرچ نہ کرو گے مگر یہ کہ خدا اس کا بدل عطا فرمائے گا۔

اُحِلَّ لَكُمْ لَیْلَةَ الصِّیَامِ الرَّفَثُ۔ ابتدائے اسلام میں جب روزہ کا حکم ہوا تو رات کو بھی عورت کے ساتھ مجامعت کرنا حرام کیا گیا تھا تو بعض نوجوان اس کو برداشت نہ کرتے تھے اور رات کو خفیہ طور پر

اپنی عورتوں سے مجامعت کر لیا کرتے تھے۔ چنانچہ بعض تفاسیر اہلسنت مثلاً بیضاوی سے منقول ہے کہ حضرت عمر نے بھی ماہ رمضان میں اپنی عورت سے مجامعت کر لی اور پھر صبح کو جناب رسالتمآبؐ سے اپنی عدم برداشت کا شکوہ بیان کیا اور دیگر صحابہ نے بھی اپنی اپنی معذرت بیان کی تب وہ حکم منسوخ ہوا اور یہ آیت اتری کہ اب تمہارے لئے ماہ رمضان کی رات میں اپنی عورتوں سے ہمبستر ہونا جائز اور حلال ہے

بروایت ابوبصیر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ جناب امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا کہ ماہ رمضان کی پہلی رات اپنی عورت کے ساتھ ہمبستری کرنا مستحب ہے۔ علامہ طبرسیؒ نے فرمایا ہے کہ ماہ رمضان کی باقی راتوں کا بھی یہی حکم آشبہ ہے

مسئلہ:۔ امام محمد باقرؑ اور امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے کہ سوائے ماہ رمضان مبارک کے ہر ماہ کی پہلی رات عورت سے ہمبستری کرنا مکروہ ہے۔ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ چونکہ بوقت مجامعت عورت و مرد کا جسم ایک دوسرے سے اس طرح متصل ہوتا ہے جس طرح بدن کا لباس بدن سے متصل ہوتا ہے اسی لئے ان کو ایک دوسرے کا لباس کہا گیا ہے۔ وَابْتَغُوا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ:۔ یعنی مرد عورت سے مجامعت کرے تو اللہ سے اولاد طلب کرے صرف لذت نفسانی ملحوظ نہ ہو۔ تفسیر عمدۃ البیان میں جناب رسالتمآبؐ سے ایک روایت منقول ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ اگر کوئی عورت گھر میں اپنے شوہر کی صلاح و درستی کے لئے کوئی کام کرے تو خداوند کریم اس کے گناہ معاف کرتا ہے اور اس کی نیکیاں دوچند فرماتا ہے اور اگر عورت اپنے مرد سے حاملہ ہو جائے تو اس کو تمام عمر کے ایام کے روزوں اور راتوں کی عبادت کا ثواب مرحمت فرماتا ہے اور عورت کا اپنے بچے کو ایک دفعہ دودھ پلاتا۔ غلام آزاد کرنے کے برابر ہے اور جب بچے کو دودھ چھڑائے تو اس کو اللہ کی جانب سے منادی ندا کرتا ہے کہ تیرے تمام گناہ بخش دیئے گئے حضرت ام سلمہؓ نے عرض کی کہ یا رسول اللہ یہ تو عورت کا ثواب ہے فرمائیے کہ مرد کو کیا ثواب ملتا ہے؟ تو آپ مسکرا دیئے اور فرمایا کہ جو مرد اپنی عورت کا محبت سے ہاتھ پکڑے تو خدا اس کی نیکیاں درج کرتا ہے اور اگر عورت کی گردن میں ہاتھ ڈالے تو دس نیکیاں اس کے نامۂ اعمال میں درج فرماتا ہے اور اگر اس کو بوسہ دے تو بیس نیکیاں اور اگر مجامعت کرے تو اس قدر نیکیاں اس کے نامۂ اعمال میں درج کرتا ہے کہ اس کے مقابلہ میں دنیا ہیچ ہے اور جب وہ غسل کرتا ہے تو اس کے بالوں کے برابر اس کے درجات بلند فرماتا ہے اور فرشتوں سے خطاب فرماتا ہے کہ تم گواہ رہو کہ میں نے اس کے گناہ بخش دیئے۔

کُلُوا وَاشْرَبُوا اس کے شانِ نزول کے متعلق وارد ہے کہ ابتدا میں ماہ رمضان کی رات میں سو جانے کے بعد کھانا پینا حرام ہو جاتا تھا خندق کے ایام میں مطعم بن جبیر دن کا تھکا ماندہ جب شام کے وقت گھر پہنچا تو اپنی بیوی سے کھانا طلب کیا۔ بوڑھا آدمی تھا کھانا لانے میں جب کچھ دیر ہوئی تو اس کو نقاہت و تکان کی وجہ سے نیند آگئی جب بیدار ہوا تو اپنی زوجہ سے کہا کہ میں چونکہ سو چکا ہوں لہٰذا اب میرے اوپر کھانا حرام ہو گیا ہے دوسرے دن پھر روزہ تھا اور خندق کی کھدائی کا کام بھی تھا جب اپنی ڈیوٹی پر پہنچا تو کام کرتے ہوئے بے ہوش ہو گیا اسی طرح دوسرے بعض صحابہ کو بھی واقعات پیش آئے تو انہوں نے جناب رسالتمآبؐ کے سامنے اپنے حالات بیان کئے اور معذرت چاہی تب یہ آیت اتری کہ پہلا حکم منسوخ ہے اور اب تمہارے لیے رات بھر کھانا جائز ہے۔ جب تک صبح کی سفیدی کا خطرات کی تاریکی سے تمایز نہ ہو جائے اس آیت کے نازل ہونے کے بعد بعض صحابہ دو تاگے ایک سیاہ اور ایک سفید اپنے پاس رکھ لیتے تھے اور ان کو دیکھتے رہتے تھے۔ جب دونوں تاگے ایک دوسرے سے پہچانے جاتے تھے تب کھانا پینا بند کر دیتے تھے پھر ان کو سمجھایا گیا کہ سفید تاگے سے مراد صبح کی سفیدی اور سیاہ تاگے سے مراد رات کی سیاہی ہے۔ تب انہوں نے اس آیت کا صحیح معنی سمجھا۔ چنانچہ صحیح بخاری میں بھی اسی مضمون کی ایک روایت موجود ہے۔

ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ۔ لیل سے مراد ہے غروب شمس کا یقین۔ علماء نے اس کی علامت مشرق کی سرخی کا دور ہونا بیان فرمایا ہے۔ اگر مشرق کی سرخی پوری طرح زائل نہ ہوئی ہو اور غروب شمس کا یقین ہو تو افطار جائز ہے

مسئلہ۔ کھانا کھاتے ہوئے اگر سفیدی صبح کی ظاہر ہو جائے تو جو نوالہ منہ میں ہے اس کو باہر نکال دے اور اگر یقین ہو جائے کہ صبح اس سے پہلے طلوع ہو چکی تھی تو اس دن کی قضا واجب ہے

مسئلہ:۔ اگر کھانا کھانے سے پہلے اس نے تحقیق کر کے معلوم کر لیا کہ ابھی رات باقی ہے پھر اس کو طلوع فجر میں شک ہو گیا تو روزہ صحیح ہے۔

مسئلہ:۔ افطار کے وقت اگر بادل کی وجہ سے فضا تاریک تھی اور اس سے غروب کا یقین کر کے کچھ کھا پی لیا اور بعد میں بادل پھٹ جانے کی وجہ سے معلوم ہو گیا کہ ابھی غروب نہ ہوا تھا تو اس پر صرف اس روزہ کی قضا واجب ہے۔

مسئلہ اگر غروب میں شک ہو تو جب تک یقین پیدا نہ ہو جائے کھانا پینا حرام ہے۔
مسئلہ غیر معتبر شخص کی بات پر اعتماد کر کے مشکوک وقت میں کھانا پینا خلاف واقع ظاہر ہونے کی صورت میں روزے کو فاسد کرتا ہے۔
مسئلہ سحری کرنا مستحب ہے اور سورہ انا انزلنا پڑھنا بوقت سحر مستحب ہے مروی ہے کہ جو شخص سحر اور افطار کے وقت سورہ انا انزلنا پڑھے تو اسکو شہادت کا ثواب عطا ہوتا ہے۔
مسئلہ افطار کے وقت سورہ انا انزلنا کا پڑھنا اور اس دعا کا پڑھنا مستحب ہے اَللّٰھُمَّ لَکَ صُمْتُ وَعَلَیْکَ تَوَکَّلْتُ وَعَلٰی رِزْقِکَ اَفْطَرْتُ۔
مسئلہ نماز مغرب کے بعد افطار کرنا بہتر ہے لیکن اگر نفس افطار کی طرف زیادہ متوجہ ہو یا کچھ اور آدمی اس کے افطار کے منتظر ہوں تو نماز سے پہلے افطار کرنا بہتر ہے
مسئلہ افطار پاک و حلال چیزوں پر کرے کھجور خشک یا تازہ۔ پانی۔ دودھ۔ مٹھائی۔ کھانڈ اور گرم پانی نمک وغیرہ سے افطار کرنا بہتر ہے۔
مسئلہ۔ بوقت افطار صدقہ دینا مستحب ہے اور وہ اس طرح کہ چند روزہ دار مومنین کو افطار کرا دے۔ خواہ کھجور سے ہو یا پانی کے شربت سے یا کسی اور پاکیزہ چیز سے حضرت صادقؑ سے منقول ہے کہ اس ماہ میں مومن کو ایک لقمہ کھلانا تیس ۳۰ غلام آزاد کرنے کے برابر ہے اور خدا اس کے بدلہ میں اس کی ایک دعا مستجاب فرماتا ہے۔

maablib.org

اعتکاف

وَاَنْتُمْ عَاكِفُوْنَ فِي الْمَسَاجِدِ ۔ یعنی زمانہ اعتکاف میں رات کے وقت بھی عورت سے مجامعت کرنا حرام ہے ۔ اعتکاف کیلئے روزہ کا ہونا شرط ہے۔ لہٰذا جس زمانہ میں روزہ صحیح نہیں ہوسکتا اس زمانہ میں اعتکاف بھی نہیں ہوسکتا اور اعتکاف کیلئے بہتر وقت ماہ رمضان مبارک ہے اور ماہ مبارک کا آخری عشرہ افضل ہے اعتکاف اصل شریعت کے اعتبار سے مستحب ہے اور بعض اوقات نذر یا عہد وغیرہ سے واجب بھی ہوجایا کرتا ہے

مسئلہ اعتکاف کیلئے یہ شرائط ہیں (۱) ایمان ۔ (۲) عقل (۳) نیت قربت (۴) روزہ (۵) یہ کہ تین روز سے کم نہ ہو ۔ (۶) یہ کہ اعتکاف کیلئے جامع مسجد میں بیٹھے (۷) اگر مملوک ہے تو اپنے آقا کی اجازت ضروری ہے (۸) بغیر امور ضروریہ کے مسجد سے باہر نہ جائے۔

مسئلہ اگر عورت بھی اعتکاف کرنا چاہے تو اس پر بھی اعتکاف کیلئے جامع مسجد کی پابندی ضروری ہے۔

مسئلہ جب اعتکاف میں دو دن گذر جائیں تو تیسرا دن واجب ہوجایا کرتا ہے۔

مسئلہ اعتکاف کرنے والے پر یہ چیزیں حرام ہیں ۔ ۱۔ عورت ۲۔ منی کا خارج کرنا ۳۔ خوشبو سونگھنا ۴۔ خرید و فروخت کرنا ۵۔ جھگڑا کرنا خواہ مسئلہ دینیہ میں ہی ہو جبکہ غرض اس سے اپنی علمی استعداد کا ظاہر کرنا ہو

مسئلہ ہر وہ چیز جس سے روزہ باطل ہوتا ہے وہ اعتکاف کو بھی باطل کرتی ہے۔

مسئلہ اعتکاف کی نیت طلوعِ صبح سے پہلے کرلے اس کے بعد اس کا اعتکاف شروع ہوجائے گا اور پھر تیسرے دن جب روزہ افطار ہوگا تو اعتکاف بھی پورا ہوجائے گا تو پس تین دن سالم اور درمیان کی دو راتیں اعتکاف میں داخل ہیں پہلی اور چوتھی رات کو اعتکاف کے اندر داخل کرنا ضروری نہیں اور اگر داخل کرے تو حرج بھی کوئی نہیں ۔

مسئلہ ۔ جب اعتکاف واجب ہو تو اس کا توڑنا حرام ہے اگر اعتکاف واجب ہو اور ماہ رمضان ہو تو دن کو بذریعہ مجامعت اگر اعتکاف کو توڑے گا تو اس پر دو کفارے واجب ہوں گے ایک اعتکاف کے لئے اور دوسرا ماہ رمضان کے لئے۔

غیر کا مال کھانا حرام ہے

وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ۔ یعنی باطل اور غلط طریقہ سے ایک دوسرے کا مال نہ کھاؤ۔ شرعی جائز طریقہ کے علاوہ اور جس طریقہ سے انسان کوئی مال حاصل کرے وہ سب باطل ہے چوری۔ ڈاکہ بٹھگی، دھوکا، جوا بازی، رشوت، غصب، ناجائز بیع وشراء خیانت وغیرہ ان تمام کے ذریعہ مال کا حاصل کرنا باطل اور اس کا کھانا حرام ہے۔

امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ جھوٹی قسم کے ذریعہ سے مال حاصل کرنا باطل کی قسم ہے۔

بعض کتب میں مروی ہے کہ اگر انسان قرض لے اور نیت ادائیگی کی نہ رکھتا ہو تو وہ بھی باطل میں داخل ہے

وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ۔ ابو بصیر سے مروی ہے کہ حضرت صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ اے ابو بصیر! تحقیق اللہ کو علم تھا کہ اس امت میں حکام جور ہوں گے۔ پس اس آیت میں اس نے حکام عدل مراد نہیں لیے بلکہ حکام جور مراد لئے ہیں۔ اے ابو محمد اگر تیرا کسی شخص پر کچھ حق ہو اور تو اس کو حکام عدل کے فیصلہ کی طرف دعوت دے اور وہ تجھے حکام جور کی طرف جانے کے لئے مجبور کرے تو البتہ وہ طاغوت کے فیصلہ کو ماننے والا ہے اس کے بعد آپ نے ایک آیت پڑھی جس کا مطلب یہ ہے کہ بعض لوگ ایسے ہیں جو قرآن اور سابقہ کتابوں پر ایمان لانے کے دعویدار ہیں حالانکہ اپنے فیصلے طاغوت کی طرف لے جانے کے خواہشمند ہوتے ہیں۔

وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ
اور نہ کھاؤ اپنے مالوں کو اپنے درمیان ساتھ باطل کے اور نہ لے جاؤ ان کو طرف حکام کے
لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝
تاکہ کھاؤ ایک حصہ لوگوں کے مالوں سے ساتھ گناہ کے جانتے بوجھتے ہو تم۔

مسئلہ: حاکم جائر کی طرف مقدمہ لے جانا حرام ہے اور اس کے فیصلہ سے جو مال حاصل ہو وہ بھی حرام ہے خواہ واقع میں یہ اس کا حقدار ہی کیوں نہ ہو۔

آزمائش

جب پارہ نمبر ۲ کے تیسرے رکوع کی تفسیر سے فارغ ہوا اور چوتھے رکوع کی آیات کو لکھا تو بقدرتِ خدا قلم رُک گیا اور دماغ نے آگے چلنے سے انکار کر دیا چنانچہ قریباً دو ہفتہ متواتر دارالتصنیف میں حاضر ہونا ملتوی کر دیا اور کافی سوچا کہ طبیعت میں یہ التواء کیوں ہے؟ لیکن کچھ سمجھ میں نہ آیا۔ اسی دوران میں مجھے ضلع ڈیرہ غازی خان کے تھانہ دیوا کے علاقہ میں بسلسلۂ مجالس جانا تھا اور وہاں کا ایک ہفتہ کا پروگرام تھا اور یہ ماہ رجب ۱۳۷۹ھ کے آخری عشرہ میں تھا چنانچہ میں چلا گیا۔ جب واپس آیا تو ڈیرہ اسمٰعیل خان پہنچتے ہی اچانک پیغامات تعزیت ملنا شروع ہو گئے کہ آپ کا چھوٹا لڑکا محمد محسن آپ کی روانگی کے بعد فوراً ہی ملک بقا کی طرف چل بسا ہے۔ یہ خبر سنتے ہی آنکھوں کے سامنے دنیا تاریک ہو گئی۔ ادھر ادھر کی باتوں سے دل کو بہلانا چاہا لیکن ناکامی ہوئی۔

چونکہ رکوع ۳ کا مضمون یہی تھا کہ خدا نے ایمان والوں کو خطاب کر کے آزمائش و ابتلاء کی پیشگش فرمائی ہے۔ کہ ہم تمکو کچھ نہ کچھ خوف۔ بھوک۔ مالی و جانی نقصان اور ثمرات (میوۂ ہائے دل) کے خسارہ سے ضرور آزمائیں گے اور پھر صبر کرنے والوں کے لئے بشارت ہے اور صابر وہ ہیں کہ بوقت مصیبت زبان پر کلمۂ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۝ جاری کریں انہی پر خدا کی صلوٰت و رحمت ہے اور وہی راہِ ہدایت پر چلنے والے ہیں

پس میں نے اِس خبرِ وحشت اثر کے سننے کے بعد جب بار بار زبان پر یہی کلمہ جاری کیا تو چونکہ آیات مذکورہ کی تفسیر تازہ ہی لکھ چکا تھا۔ فوراً دماغ میں یہ بات آگئی کہ ان آیات کی تفسیر کے بعد طبیعت کا منجمد ہونا اور تفسیر کا التواء شائد اسی لئے تھا کہ خداوند کریم آیہ لَنَبْلُوَنَّکُمْ کی تفسیر کے بعد مجھے مقامِ عمل میں آزمانا چاہتا ہے اور یہ میرے صبر و ضبط کا امتحان ہے۔ پس اس تصور نے ہی میری قوتِ صبر کی پشت پناہی کا کام کیا چنانچہ اس غیر متوقع طور پر اور اچانک آنے والے غیر معمولی صدمہ کو برداشت کرنے پر قادر ہو گیا۔

مرحومہ موصوف کی ولادت ۴ ربیع الثانی ۱۳۷۶ھ بروز جمعہ ہوئی تھی اور وفات شبِ ہفتہ ۲۳ رجب ۱۳۷۹ھ ہے پس اس کی صحیح عمر تین سال تین ماہ اور اٹھارہ دن ہوتے ہیں۔

میری دانست میں بچہ نہایت ہونہار اور ذہین تھا اور آثارِ نجابت اس پر نمایاں طور پر ہویدا تھے لہٰذا اس کی موت میرے لئے انتہائی طور پر ایک کٹھن مرحلہ تھا اور غیر معمولی صبر آزما تھا لیکن بحمد اللہ خداوند کریم

نے توفیق صبر عطا فرمائی جس کی بدولت مجھے اس کے ضبط کرنے پر قدرت ہوئی (رِضَآءً بِقَضَآئِہٖ وَصَبْرًا عَلٰی بَلَآئِہٖ وَشُکْرًا عَلٰی نَعْمَآئِہٖ)

اس حادثہ کے بعد فطری طور پر طبیعت میں انتشار کا پیدا ہونا ناگزیر تھا اور ایسا ہی ہوا حتیٰ کہ قلم اٹھانا بھی دل پر گراں تھا۔ آخر کار بمشکل ذہن پر زور دیکر اس مقام تک پہنچ کر اس جلد کو ختم کر دیا۔

اب اس کے بعد تفسیر کی تیسری جلد دوسرے پارے کے آٹھویں رکوع سے شروع ہوگی دعا ہے کہ خداوند کریم جملہ مومنین کو تمام آفات و بلیات اور مصائب و آلام سے مصون و محفوظ رکھے۔

اور مومنین کرام سے التجا ہے کہ اس عاجز کے لئے ثبات قدم کی اور تفسیر قرآن مجید میں تمام حائل شدہ روحانی و جسمانی و مالی رکاوٹوں کے دور ہونے کی بارگاہِ رب العزت سے دعا فرمائیں اور یہ کہ خدا مجھ ناچیز کو مذہب حقہ کی قلمی و سخنی، علمی و عملی ہر قسم کی خدمت پر موفق فرمائے اور میرے سر پر میرے والدین کا سایہ دیرگاہ رکھے جن کی بدولت میں اس مرحلہ تک پہنچنے کے اہل ہوا ہوں اور قیامت میں ان کو اس کا اجر جزیل مرحمت فرمائے اور میری اور میرے والدین کی اور جملہ مومنین کی جملہ حاجات دینی و دنیاوی جو مطابق شریعت ہیں بر لائے وہ بڑا مہربان، دعاؤں کے سننے اور قبول کرنے والا ہے۔ وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ وَھُوَ حَسْبِیْ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ

تحفہ برائے ایصال ثواب
یہ کتاب مرحوم [illegible] پنہا بھائی
کی ایصال ثواب کیلئے تحفہ [illegible] گزارش ہے
کہ ایک سورۃ فاتحہ سے مرحوم کی روح کو شاد فرمائیں
وفات ۱۲ جمادی الاول ۱۳۹۷ھ — 1-5-1977

خالد پرنٹنگ پریس سرگودھا

میر طبع ہوئی

maablib.org

maablib.org